تعمیرِ سیرت و کردار

سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کا فلسفہ

(چند مضامین اور خطبات)

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

Marfat.com

سلسلۂ مطبوعات 10

تعمیرِ سیرت و کردار

سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کا فلسفہ

(چند مضامین اور خطبات)

DATA ENTERED

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861 047-7630863

Marfat.com

۱۲۹۳۳

جملہ حقوق بحق انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ محفوظ ہیں

نام کتاب : تعمیر سیرت و کردار

تحریر : انجینئر مختار حسین فاروقی

ناشر : مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

مقام اشاعت : قرآن اکیڈمی، لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر

فون: 047-7630861

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

تاریخ اشاعت : مئی 2014ء بمطابق رجب 1435ھ

تعداد : 1100

مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز لاہور

قیمت : -/450 روپے

ISBN: 978-969-9771-08-8

Marfat.com

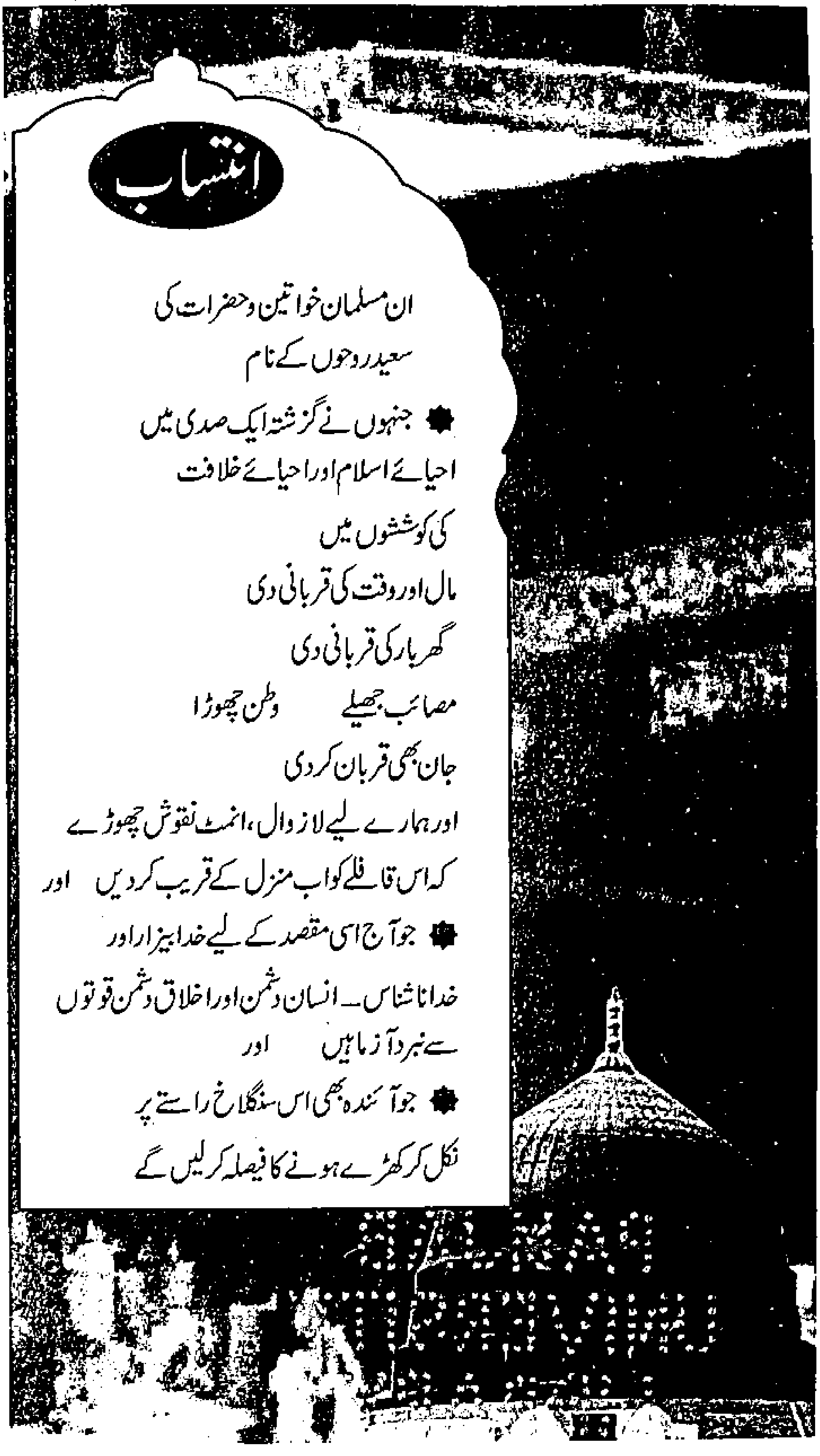

انتساب

ان مسلمان خواتین وحضرات کی
سعید روحوں کے نام

✽ جنہوں نے گزشتہ ایک صدی میں
احیائے اسلام اور احیائے خلافت
کی کوششوں میں
مال اور وقت کی قربانی دی
گھربار کی قربانی دی
مصائب جھیلے وطن چھوڑا
جان بھی قربان کردی
اور ہمارے لیے لازوال، انمٹ نقوش چھوڑے
کہ اس قافلے کو اب منزل کے قریب کر دیں اور

✽ جو آج اسی مقصد کے لیے خدا بیزار اور
خدا ناشناس۔ انسان دشمن اور اخلاق دشمن قوتوں
سے نبرد آزما ہیں اور

✽ جو آئندہ بھی اس سنگلاخ راستے پر
نکل کر کھڑے ہونے کا فیصلہ کر لیں گے

Marfat.com

ترتیبِ کتاب

	پیش لفظ	7
1	هُوَ اجْتَبٰكُمْ (اُس نے تمھیں چن لیا ہے!)	15
2	راہِ نجات	39
3	ذکر اللہ	55
4	حقیقت عمل صالح	71
5	رمضان المبارک کے روزے اور جہاد و قتال	95
6	حدود اللہ کی حفاظت	105
7	نکاح شادی اور نمازِ پنجگانہ	125

Marfat.com

8	خواتین کا جہاد	137
9	ختم نبوت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا پہلو	147
10	شہادت علی الناس اور مقامِ شہادت	181
11	تعمیرِ سیرت، اسمائے حسنیٰ حسن تخلیق	193
12	مجاہدانہ لائف سٹائل	219
13	تعمیرِ سیرت وکردار تقربِ الٰہی کا راستہ	243
14	انسانی معاملات میں اصلاحِ احوال کا واحد ذریعہ توبہ ہی ہے	269
15	ایمان بالآخرت اور اس کے مراحل	291

Marfat.com

پیش لفظ

1 انسانی زندگی کے کئی گوشے (WALKS OF LIFE) ہیں۔کھانا، پینا، فیملی، بچے، سکول، تعلیم، پڑوس، معاشرہ، دفتر، کھیت، منڈی، عدالتیں، تھانہ، کچہری، ہسپتال، بیماری، حادثات، صحت، سیاست، عہدے، رہائشیں (بنگلے، تعمیرات) سیر وتفریح، کھیل کود وغیرہ وغیرہ۔ایک وسط درجے کے آدمی کے نزدیک زندگی کے یہ گوشے الگ الگ ہیں اور لوگوں نے ان تمام گوشوں کے لیے اپنے الگ معیارات (VALUES) طے کر رکھے ہیں۔تاہم ہمارے دین اسلام میں زندگی کے یہ تمام ممکنہ گوشے ایک ہی دائرے میں آتے ہیں اور وہ ہے دین اسلام۔ اور ان تمام گوشوں میں 'توحید' قائم کر کے ہر شعبۂ زندگی میں ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی اور اطاعت ضروری ہے۔

اس کتاب میں شامل مختلف تحریریں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں اور بظاہر ایک دوسرے سے الگ محسوس ہوتی ہیں تاہم ایک مسلمان کے لیے ان تمام شعبہ ہائے زندگی کو 'دین' یا اللہ تعالیٰ کی بندگی یا رسالت محمدی ﷺ کے رشتے میں پرو کر یکجا کر لینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔اس بات کو اکثر خطبہ جمعہ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے: ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ وَحِّدُوا اللّٰهَ فَإِنَّ التَّوْحِیدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ﴾ اے انسانو! (زندگی کے تمام شعبوں میں) ایک اللہ ہی کو مطاع بناؤ، بے شک اللہ کو ایک ماننا ہی تمام طاعات میں اصل ہے۔

ان مضامین کے مابین اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان اور رسالت پر ایمان (یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل علیہم السلام بالخصوص حضرت محمد ﷺ اور دیگر آسمانی کتابوں کے ساتھ آخری کتاب قرآن مجید، فرشتوں، جنت، دوزخ، قبر، وزنِ اعمال وغیرہ پر ایمان) ہی قدر مشترک ہے۔

Marfat.com

ایمان کی آنکھ اور یقین کی روشنی میں دیکھیں گے تو زندگی کا ہر شعبہ اور اس کتاب میں درج تمام تحریریں باہم مربوط، یکجان اور ہم آہنگ محسوس ہوں گی۔ اگر ایسا ہو ــــــ تو یہ کتاب ان شاء اللہ انفرادی سطح پر ہم سب کے لیے بلا لحاظ مسلک و مشرب، تعمیر سیرت کے لیے ایک اتالیق کا کام کرے گی اور مجاہدانہ شان کے ساتھ ایک مسلم اور مؤمن والی زندگی بسر کرنا آسان ہو جائے گا۔ وَ مَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

---

2 ایک معقول انسان کو اپنی دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے وہ کونسی چیزیں ہیں جن کے بغیر گزارہ ممکن نہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور ہر وہ انسان کی دسترس کے اندر بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے اپنی خاص رحمت سے ان ناگزیر انسانی ضرورتوں کو عام کر دیا ہے اور سہل الحصول بھی بنایا ہے تا کہ ایک طرف حق کے ہر متلاشی انسان کے لئے ان کی پہچان، تلاش، حصول اور استعمال کے مواقع میسّر آ سکیں اور دوسری طرف ان ناگزیر تقاضوں کی تشفی کا سامان سہل الحصول، سستا اور وافر مہیا فرما دیا ہے کہ کوئی سچا سالک اس سے محروم نہ رہ جائے۔

دنیا میں ایک طرف ہوا (OXYGEN) انسان کی ضرورت ہے پھر لباس، مکان اور وسائلِ رزق کے ساتھ ساتھ زندگی کی سہولتیں ہیں۔ مزید برآں یہی سہولتیں پھر آسائشیں بن جاتی ہیں اور انسان خود ہی اپنی زندگی کو پُر تکلّف بنا لیتا ہے۔ سب سے اُوپر انسانی زندگی میں جسم، رہائش اور ماحول کو خوبصورت بنانے کا درجہ ہے جس کی حقیقتاً کوئی خاص اہمیّت نہیں ہے۔ ربّ ذوالجلال کی رزّاقی کا یہ کمال ہے اور ہم انسانوں پر اس کی عنایات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ زندگی کے لئے ناگزیر چیزیں سستی ہیں بلکہ مفت ہیں اور تعیّش کا سامان مہنگا ہے اور اس کا حصول بھی مشکل ہے اس سطح پر سونا، زیوارت، ہیرے، جواہرات، اعلیٰ فرنیچر اور آرٹ کے نادر نمونے ہیں۔

ہوا مفت ہے اور ناقدری کی حد تک عام ہے جبکہ سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات اور دیگر اس طرح کی اشیاء کی عام دستیابی بہت کم ہے۔

انسان اپنی کوتاہ فہمی، ادراک کی کمی اور کردار کی کمزوری کی وجہ سے 'ہوا' جس کے بغیر ایک منٹ زندہ رہنا مشکل ہے (ہر انسان اپنا منہ اور ناک بند کر کے گھڑی میں ایک منٹ انتظار کا

Marfat.com

تجربہ کر سکتا ہے) مفت ہے، عام ہے، اس کے حصول کے لئے عام طور پر کسی تگ و دو کی ضرورت نہیں مگر ہم اس کی اہمیّت نہیں سمجھتے، نہ اس ہوا کے خراب ہونے (POLLUTION) کو برا سمجھتے ہیں بلکہ خود بھی اکثر انسان ماحول دشمن بن گئے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ مسلمان کہلانے والے بھی، نماز، روزے کا اہتمام کرنے والے بھی کھانا کھانے کے لئے اور پانی پینے کے لئے محسن انسانیت نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں (سنّتوں) کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور کھانے پینے سے فارغ ہو کر اپنے ربّ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں، مگر ـــــ سانس کی آمد و رفت اور اس نظام کے برقرار رہنے پر اللہ تعالیٰ کی 'ہوا' جیسی نعمت کا شکر ادا کرنا تو دور کی بات ہے اس کی اہمیّت سے بھی ناواقف ہیں اور ناقدری کے مرتکب ہیں بلکہ اس ہوا کو خود بھی گندا (POLLUTE) کرنے میں لگے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس 'منکر' سے نہیں روکتے۔

یہ 'صورتِ حال' ہمارے ادراک کی کمی اور بظاہر بیدار مگر حقیقتاً سوئے ہوئے حواس اور عقل کے غلط اور غیر ضروری استعمال کی وجہ سے ہے۔ ہم نے اپنے چھونے، سننے، دیکھنے، چکھنے اور سونگھنے کے حواسِ خمسہ کو صرف کڑاہی گوشت کی خوشبو، بریانی کے ذائقے، بے حیائی کے مواد کو دیکھنے، فحش گانے سننے اور غیر محرم، مرد و زن کے ناجائز اختلاط سے حاصل شدہ مصنوعی 'لذتوں' تک محدود کر دیا ہے۔ اچھا گھر، اچھا لباس، قیمتی فرنیچر اور قیمتی گھڑی، موبائل، زیورات وغیرہ کا حصول ہماری سوچ اور فکر کا محور بن چکا ہے اور 'سونا یا سنہری چمکتی دمکتی چیزوں کا حصول' ہمارا نصب العین یا 'منزلِ مراد' قرار پا گئی ہے۔

آپ ذرا علیحدہ بیٹھ کر سوچیں ـــــ کہ مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، قرآن مجید کو، آخرت کو مان کر پھر ہم جیسے پڑھے لکھے اور 'مہذّب' انسان کا یہ حال ہے کہ اُسے اپنے استعمال میں آنے والے اشیاء میں سے 'اچھی' اور 'بری' یا 'ضروری' اور 'غیر ضروری' کا فہم حاصل نہیں اور ہم 'ہوا' اور 'سونے' کے فرق کو ملحوظ رکھنے سے گریزاں ہیں۔ ہم 'سونا' حاصل کرنے کے لئے اپنے اوقات اور صلاحیّتیں صرف کر (CONSUME) رہے ہیں جبکہ ناگزیر چیز 'ہوا' کو اہمیّت ہی نہیں دے رہے۔

ایسا ہر شخص ـــــ جو کھرے کھوٹے کی پہچان سے عاری ہو گیا ہو۔ اپنے حقیقی نفع اور

Marfat.com

نقصان سمجھنے سے قاصر ہو، محرم اور غیر محرم کی شناخت کھو بیٹھا ہو ـــــ سونے اور پتھر کو چھو کر فرق نہ کر سکتا ہو، بغیر سمجھے ہر 'الا بلا' کھانے کا عادی ہو گیا ہو اور جو چاہے پیش کر دیا جائے 'پی' جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور پیمانوں پر پرکھ کر آگے بڑھنے کے جذبے سے محروم ہو گیا ہو ـــــ انسان تو کیا کہلائے گا مقامِ انسانیت سے گر کر حیوانوں سے بدتر ہو گیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کیے ہیں

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں،

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ O (179:07)

یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کی زندگی محدود ہے، صلاحیتیں محدود ہیں، وسائل محدود ہیں، جسم و جان کی قوتیں محدود ہیں لہٰذا ـــــ اُوپر درج ذہنی اور فکری عدمِ توازن کا شکار ہر انسان اپنی زندگی کا جو دن گزار رہا ہے وہ اپنے 'مقصدِ حیات' سے دور ہو رہا ہے اور زندگی کے وسائل کی محدودیت کی وجہ سے کسی 'نابینا' شخص کے کسی 'کھلے مین ہول' یا راستے میں 'گہرے کھڈے' کی طرف قدم بڑھاتے چلے جانے کے مترادف ہے اور 'مہلک انجام' سامنے ہے۔

شاید آپ ـــــ خوش نصیب ہوں اُوپر درج قسم کی صورتِ حال سے بچے ہوئے ہوں پھر بھی مزید بہتری کے لئے اپنے معمولات، ترجیحات اور 'جان و مال' کے استعمال کا دوبارہ 'جائزہ' لے لینا اور اپنے نفع نقصان کا میزانیہ تیار کر لینا اچھا مشورہ ہو گا جس سے آپ کا اپنا فائدہ ہو گا اور آپ اپنے محدود وسائل کے اندر رہ کر زیادہ اچھی 'کارکردگی' دکھا سکیں گے اور آخرت میں اپنی اور

Marfat.com

(اہل وعیال) کی کامیابی کو یقینی بنا سکیں گے اور اگر ہم اس خوش نصیبی سے محروم ہیں اور ہماری اکثریت کے شب و روز گواہ ہیں کہ ہم ان خوش نصیبوں میں شامل نہیں ہیں جنہیں قرآن مجید خوش نصیب کہتا ہے ـــــ تو پھر زندگی کے سفر میں ذرا رُک کر، تنہائی کے لمحات نکال کر، اپنے معمولات، مصروفیات، ترجیحات، عزائم، منصوبوں اور کامیابیوں کے پیمانوں پر از سرِ نو غور و فکر کی ضرورت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے 'ہوا سے بھی زیادہ' ضروری اشیاء کو اپنی 'روزمرہ کی اشیائے ضروریہ' کی فہرست سے نکال رکھا ہو اور 'سونے' اور 'ہیرے جواہرات' جیسی 'غیر ضروری اشیاء' کے حصول کو زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہو۔

اگر آپ سے یہ غلطی سرزد ہو رہی ہے تو آپ اس دنیا کی سات ارب کی آبادی میں اکیلے نہیں ہیں اس دنیا میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت (95 فیصد سے کہیں زیادہ) اسی 'مرض' کا شکار ہے اور 'ہوا' اور اس جیسی ناگزیر اشیاء پر انتہائی کم اور 'سونے' اور اس جیسی غیر ضروری 'فضول' اشیاء پر زیادہ جان و مال صرف کر رہے ہیں۔

لیکن ـــــ غور کرنے کی حقیقی بات یہ ہے کہ ایک ایسا انسان جو مسلمان نہیں، اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا، آخرت پر یقین نہیں رکھتا، حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتا، آسمانی وحی اور ہدایت کو نہیں سمجھتا، تو ایسے شخص سے اس قسم کی غلطی سرزد ہونا ممکن ہے جبکہ ـــــ ہم تو مسلمان ہیں اور 'ایمان' کے دعویدار ہیں اور 'ایمان مفصّل' اور 'ایمان مجمل' میں درج تمام حقائق کو ماننے اور یقین رکھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں ہمارے لئے اپنی ترجیحات میں غیر ضروری اور ناگزیر اشیاء کو برابر کر دینا اس دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

'ہوا' کی طرح انسانی زندگی کے لئے ناگزیر چیز 'ایمان' ہے! 'ایمان' اس وسیع کائنات کے بارے میں صحیح نقطہ نظر کا نام ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو کائنات کے بارے غلط تصوّرات اور مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی کا مقصد، ترجیحات، توقعات اور اچھے نتائج کے قائل ہوتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اپنے ضمیر (CONSCIENCE) کی بنیاد پر اس کائنات کے ایک خالق و مالک کے تصوّر کو اپناتے ہیں اور اپنے اچھے بُرے رویّے کے ایک اور دنیا میں نتائج نکلنے پر یقین کر لیتے ہیں پھر ایسے لوگ دنیا میں ان سعادت مند حضرات جو انبیاء کرام علیہم السلام کہلاتے ہیں کی تصدیق کر کے

Marfat.com

ان کی بتائی ہوئی تفصیلات اور حقیقت انسان کو تسلیم کر کے آگے بڑھتے ہیں ان کی ساری زندگی کی مصروفیات کا محور و مرکز و مدار انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقی تعلیمات ہوتا ہے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے آدم علیہ السلام پہلے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے پیغامات دیے۔ قرآن مجید واحد محفوظ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والے پیغامات کا سچا مجموعہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے اور قرآن پاک کو ماننے والے 'مسلمان' کہلاتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بتائی ہوئی باتیں حقیقی سچی اور کھری ہوتی ہیں ان پر اپنی زندگی کے معاملات کو استوار کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ اس لئے کہ ان خوش نصیبوں کی سوچ خالق کائنات اللہ کی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق درست ہوتی ہے اور ایسے لوگ ہی آخرت میں اچھی زندگی پائیں گے۔ جبکہ ـــــ وہ لوگ جو عیاش، بدمعاش، بے حیا، بداخلاق حکمرانوں، فلسفیوں اور دانشوروں، سائنسدانوں کی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق زندگی کو استوار کرتے ہیں وہ اس کائنات کے بارے میں صحیح علم سے محروم رہتے ہیں۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے بارے میں کوئی شخص اپنے تجربات اور علم کی بنیاد پر کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے حقیقت کائنات اور انسان کے بارے میں خود 'خالق کائنات' کے پیغام کی بنیاد پر لوگوں کو تفصیلات بتائی ہیں۔ لہٰذا ـــــ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری پیغامبر ہیں ان کی تعلیمات ہی آج دنیا کے ہر انسان کے لئے زندگی میں صحیح نقطہ نظر اپنانے، اپنی ترجیحات کو صحیح کرنے اور ضروری اور غیر ضروری اشیائے کے درمیان فرق کرنے کی واحد ضمانت ہیں۔ انگریزی کی ایک بڑی خوبصورت 'رباعی' ہے

O. God! GIVE US THE SERENITY TO ACCEPT,
THE THINGS WE CANNOT CHANGE,
AND THE COURAGE TO CHANGE THE THINGS
WE CAN,
AND THE WISDOM TO KNOW THE DIFFERENCE.

یا الٰہی! ہمیں بصیرت دے کہ ہم وہ باتیں حرزِ جان بنالیں جو ہم تبدیل نہیں کر سکتے اور حوصلہ دے کہ وہ باتیں جو تبدیل کرنا ہمارے ذمہ ہے تبدیل کر دیں اور تو ہمیں

Marfat.com

حکمت عطا فرما کہ دونوں میں تمیز کر سکیں۔

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہی انسان کو ضروری اور غیر ضروری کی پہچان بتاتی ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں استوار ہونے والی زندگی ہی پاک سیرت اور اعلیٰ سیرت کی حامل قرار پا سکتی ہے۔ بلند سیرت کی تعمیر کے لئے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے معتمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی آپ ﷺ نے تربیت فرمائی اور جو آپ ﷺ کے ساتھ سفر و حضر، جہاد و قتال اور خوشی غمی میں شریک رہے، وہی آپ ﷺ کی بلند سیرت کے اعلیٰ ترین اور مکمل ترین نمونے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مقدّس جماعت میں جو آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہے وہی دنیا میں سب سے زیادہ پاک باز پاک سیرت اور بلند کردار کا حامل ہے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔

سیرت کی بلندی اور اعلیٰ کردار کی تشکیل و تعمیر کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرامین اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں کچھ بنیادی 'تصورات' دیے گئے ہیں اور بنیادی اہمیّت کی حامل باتیں ہیں جو 'ہوا' اور 'سونے' کے درمیان فرق کو واضح کرتی ہیں اور انسان میں ایک باطنی بصیرت پیدا کرتی ہیں کہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر فیصلہ کن لمحے پر صحیح فیصلہ کر سکے۔

اس کتاب میں سیرت و کردار کی تعمیر کی بلندی کے لئے جن ناگزیر بنیادوں کا ذکر ہے وہ انسان کے زاویۂ نگاہ، نقطۂ نظر اور مطمع نظر کو بدل دینے والی ہیں اور چمکنے والی ناپائیدار چیزوں کی بجائے حقیقی ناگزیر باتوں پر نظر کو جمانے میں مدد دیتی ہیں اور انسانی کامیابی اور بلند کردار کے لئے صحیح نصب العین کو واضح کرتی ہیں۔

دنیا میں جو عمارت جتنی بلند تعمیر کرنا مقصود ہوتا ہے ماہرین کے نزدیک اس کی بنیادیں اتنی ہی گہری بنانا لازمی ہوتا ہے۔ بعینہٖ کسی شخصیّت کے سیرت و کردار کی تعمیر میں بھی جس قدر بلندی مقصود ہوگی اسی قدر اس تعمیر کی پائیداری اور مضبوطی کے لئے گہری بنیادوں اور فکری استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر انسان کے باطن میں سیرت و کردار کی مضبوطی کی ٹھوس فکری بنیادیں گہری اتار دی جائیں تو ان بنیادوں پر جو تعمیر ہوگی اس کو آسمانوں تک اُٹھایا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں قرآن مجید کے 'انسانِ مطلوب' یا اللہ کے خاص مقرب بندے جنہیں

Marfat.com

'عبادالرحمٰن' یا 'حزبُ اللہ' یا مقربینِ بارگاہ کہا گیا ہے اس زُمرہ کے لئے عمومی نام اہل ایمان ہے گویا علامہ اقبال کے مردِ مؤمن یا حضرت محمد ﷺ کے سچے اُمتی جو 'قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن' کا مصداق ہوں یا آپ ﷺ کے خُلقِ عظیم کا حسین عکس ہوں اُن حضرات کی شخصیت کی تعمیر جن بنیادوں پر استوار ہے ان بنیادوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں گفتگو اُصولی انداز میں ہے تاکہ طالب صادق ان باتوں کو ذہن نشین کر کے قرآن مجید کے اخلاق سے مزین ہوتا چلا جائے۔ ایسے ہی خوش نصیب لوگ ہوں گے جن کی تعداد مناسب حد تک بڑھ جائے تو وہ حزبُ اللہ قرار پاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ بہت قیمتی انسان بن جاتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاتھ میں ایک تلوار، دشمنانِ اسلام کے لئے ایک ڈراؤنا خواب، ابلیس کے لشکروں کے لئے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیٹروں کے لئے 'ٹیپو سلطان' بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی گروہ میں جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چل کر کوئی محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ہے تو کوئی طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ایسے ہی خوش نصیب ہیں جو زندہ رہتے ہیں تو اللہ کے سپاہی اور مرجاتے ہیں تو اہل باطل کے 'دلوں کا داغ' بن جاتے ہیں۔

اس کتاب میں اہل ایمان مردوں کے ساتھ اہل ایمان خواتین کے لئے بھی ایک حصہ مختص کیا گیا ہے کوئی انسان، عورت کے وجود سے مستغنی اور لاتعلق نہیں ہوسکتا ہے۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی میں ایک یا ایک سے زیادہ رشتوں میں ہر انسان منسلک ہوتا ہے۔ اس کتاب میں درج آسمانی رہنمائی کی روشنی میں مرد اور عورت دونوں کے لئے رہنمائی ہے۔ خواتین اس ہدایت اور 'نور' کی روشنی میں اپنے گھر کے مردوں (باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے) کی نگرانی کرتی رہیں اور مرد اپنی خواتین کی صحیح خطوط پر تربیت کی نگرانی کریں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اہل پاکستان مسلمانوں کا ایک گروہ چاہے کتنا ہی مختصر ہو ـــــ یقیناً 'حزب اللہ' بننے میں کامیاب ہو جائے گا جسے اللہ تعالیٰ اہل باطل کے ساتھ ٹکرا کر باطل کو پاش پاش کر دے گا اور 'حزب اللہ' کو خلافت ارضی کی نعمت سے نواز دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب خواتین و حضرات مسلمانانِ پاکستان کو بالخصوص اور مسلمانانِ عالم کو بالعموم اپنی سیرت کو صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے نقش پر نہایت گہری نظریاتی بنیادوں

Marfat.com

پر استوار کرنے کا شعور بخشے اور توفیق عطا فرمائے، آمین ۔ ایسے ہی لوگوں میں بالآخر اللہ تعالیٰ کوئی خضرِ راہ اور مہدی اُٹھا دے گا جو اُمّت مسلمہ کی ڈولتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد سے ہمکنار کر دے گا۔ یہی کچھ تعلیمات نبوی میں ہے اور یہی مسلمان اُمّت کے اجتماعی ضمیر کی آواز ہے۔ ہماری آرزو بھی یہی ہے کہ:

اُٹھالے زر کی رنگینی فقیری کا ہنر دے دے
عطا کر جان لفظوں کو دُعاؤں میں اثر دے دے
ملائک ہم نے کیا کرنے ہمیں کوئی بشر دے دے
ترستی ہے یہ دنیا یا خدا کوئی عمرؓ دے دے

انجینئر مختار فاروقی
صدر انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

7 اپریل 2014ء
6 جمادی الثانی 1435ھ

Marfat.com

1

هُوَ اجْتَبٰكُمْ

اس نے تمھیں چن لیا ہے

کائنات کے بارے میں علم صحیح یا ایمانِ حقیقی
کی روشنی میں
سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد
بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل
کی باہمی چار ہزار سالہ آویزش
کے پس منظر میں
اُمّتِ مسلمہ کے اجتباء کا واحد مقصد
وراثتِ ابراہیمی یعنی آسمانی ہدایت
کا تحفّظ ہے

عیدالاضحیٰ اور حج کا پیغام

(حکمت بالغہ جنوری 2007ء)

Marfat.com

درج ذیل تحریر جمعۃ المبارک کی ایک تقریر ہے جو کہ ذوالحجہ کے مہینے میں کی گئی تھی، اس میں عید قربان اور حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا تفصیلی تذکرہ بھی ہوا تھا، اس تقریر کو ریکارڈ کر لیا گیا تھا اب کیسٹ سے اُتار کر تحریری شکل میں لایا گیا ہے اور معمولی سا اضافہ اور تکرار کو ختم کر کے شائع کیا جا رہا ہے

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔

بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

اور اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو

جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے

وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ

اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

بے شک تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے

(129-127:02)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا

جس طرح (من جملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں

جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے

Marfat.com

وَ یُزَکِّیۡکُمۡ وَ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ

اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں

وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ O

اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے

(151:02)

وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی

یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو

(120:02)

صدق اللہ العظیم

حضرات! اس وقت میں نے آپ کے سامنے پہلے پارہ سے تین اور دوسرے پارے سے ایک آیت تلاوت کی ہے۔ جو حضرات قرآن مجید کا ترجمہ سمجھتے ہیں انہیں کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ پہلی آیتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہیں اور جو آخری آیت ہے وہ یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے۔

ذوالحجہ کا مہینہ ہمیں کیا یاد دلاتا ہے؟

ابھی ذوالحجہ کا مہینہ گزر رہا ہے اور ہم نے عید قربان اور عید الاضحیٰ منائی ہے اور قربانی کی ہے یہ مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر پیغمبر تھے ہماری ان کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ اگرچہ ہم قربانی کر کے اور عید الاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد ایک فراغت سی محسوس کرتے ہیں کہ بس عید تو ہوگئی اور قربانی ہم نے کردی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ عید ایک مشن کو تازہ کرنے کے لیے آتی ہے اور ہمیں ایک سبق یاد دلاتی ہے اور دو عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سارے امتحانوں میں ڈالا۔ نوجوانی میں ہی انہوں نے بتوں کو توڑ دیا تھا۔ نمرود بادشاہ کے دور میں جوانی میں ہی مشہور تھے کہ یہ آدمی خدا پرست ہے اور

Marfat.com

بتوں کے خلاف ہے۔ لہٰذا سزا کے طور پر ان کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ انہوں نے تو اپنے طور پر جان پیش کر دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا آگ نے نہیں جلایا۔ پھر ایک امتحان کے بعد دیگر کئی امتحانات آئے حتیٰ کہ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ہونہار بیٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مزید آزمایا اور وہ آزمائش اس لئے تھی کہ رہتی دنیا تک ایک مثال بنے کہ توحید کو ماننا، اللہ تعالیٰ کو ماننا کیا ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ توحید صرف ایک کلمہ نہیں ہے جملہ نہیں ہے جو زبان سے ادا کر دیا جائے بلکہ یہ تو عملی زندگی میں ایک BEHAVIOR اور ایک طرزِ عمل کا نام ہے کائنات کے بارے میں ایک نقطۂ نظر کا نام ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹا دیا تھا، اس بیٹے کا نام انہوں نے اسماعیل رکھا۔ حکم ہوا کہ یہ دودھ پیتا بیٹا اور اس کی والدہ (اپنی اہلیہ) کو مکہ میں، جو اس وقت بے آباد جگہ تھی چاہ زمزم بھی نہیں تھا پانی میسر نہیں تھا بے آباد جگہ تھی، وہاں چھوڑ آؤ اور ابراہیم علیہ السلام نے اس پر عمل کر کے دکھایا وہ تو بعد میں چاہ زمزم جاری ہوا ہے اور پھر آبادی ہوگئی۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتے کہ MIGRATE ہو جاؤ شفٹ ہو جاؤ پھر تو خود بھی وہیں رہتے اور اہلیہ بھی رہتی کچھ نہ کچھ آسانیاں پیدا ہو جاتیں لیکن حکم یہ تھا کہ ان کو چھوڑ کر آجاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھار آتے تھے، معلوم ہوا اب چاہ زمزم جاری ہو گیا ہے پھر کبھی آئے ہوں گے تو معلوم ہوا کہ آبادی ہوگئی ہے۔ جب اسماعیل بیٹا بارہ تیرہ سال کا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور آزمائش میں ڈالا۔ یہ بھی اسی توحید ہی کی آزمائش تھی کہ 'توحید' سے انسان کا ایک خاص BEHAVIOR اور رویّہ پروان چڑھنا چاہیے۔ انسان دعویٰ تو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وہ سب سے بڑا ہے وہی کارساز ہے لیکن عملی زندگی میں اس کے خلاف بھی سرگرم عمل رہتا ہے۔ امتحان یہ پیش آیا کہ کیا اس کو اولاد سے زیادہ محبت ہے یا اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے؟ یہ گویا محبت کی 'توحید' ہے۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے

آزمائشیں ہم پر بھی آتی رہتی ہیں صبح وشام، ہر ہفتے، ہر مہینے آتی ہیں ابراہیم علیہ السلام پر بھی

Marfat.com

آزمائشیں آئیں مگروہ ہر آزمائش میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ (124:02)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت سے امتحانات میں ڈالا اور ابراہیم علیہ السلام نے وہ سارے امتحان کامیابی سے پاس کر لئے۔

آزمائشیں ہم پر بھی آتی ہیں لیکن ہم اکثر و بیشتر ان آزمائشوں میں فیل ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان امتحانوں کا معاملہ ایمان کے اعتبار سے ہے اور نتیجہ آخرت میں نکلنا ہے۔ لہٰذا ہمیں یہاں احساس تک نہیں ہوتا کہ کیا ہوا ہے؟ کسی آدمی کو کسی کام کے لیے ناجائز رقم پیش کر دی جائے تو ہم میں سے ایسے لوگ ہیں جو بخوشی اس کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ آخرت کے اعتبار سے یہ امتحان میں فیل ہونے کی علامت ہے۔ یہ آزمائش تھی یہ رقم اس کے لئے حلال نہیں تھی اسے انکار کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے ایسی رقم وصول کر کے آخرت کے امتحان میں ناکامی حاصل کر لی دنیاوی اعتبار سے گھر اچھا ہو جائے گا سہولتیں جمع ہو جائیں گی اور کچھ چیزیں اس کو مل جائیں گی بظاہر ہم دیکھیں گے کہ یہ صاحب تو بہت اونچے جا رہے ہیں ترقی کر رہے ہیں وسائل جمع ہو رہے ہیں لیکن یہی صاحب آخرت کے اعتبار سے فیل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے بڑا امتحان

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور انہوں نے سارے امتحان پاس کر لئے سب سے بڑا اور آخری امتحان یہ آیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خواب آیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ مسلسل کئی دفعہ یہ خواب آیا۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ نبی کا خواب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے سچا ہوتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے INSTRUCTIONS ہوتی ہیں جن پر عمل درآمد ضروری ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو CONFIDENCE میں لیا ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کے قریب تھی اور بیٹا ان کا بارہ تیرہ سال کا تھا اگر وہ زبردستی کرتے اور بارہ تیرہ سال کا بیٹا بھاگ جاتا تو سو سال کا بوڑھا آدمی اس کو پکڑ نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اعتماد میں لیتے ہوئے فرمایا:

يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ فَٱنظُرۡ مَاذَا تَرَىٰ (102:37)

Marfat.com

اے میرے بیٹے، میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو بتا تیری کیا رائے ہے؟

اب یہاں وہ بات آتی ہے جو ہم میں سے اکثر لوگ شاکی ہیں کہ جناب اولاد بگڑ گئی۔ ہر گھر کی یہی پریشانی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بڑے صحیح ماحول فراہم نہیں کرتے مثالی ماحول فراہم نہیں کرتے نتیجتاً اولاد بگڑ جاتی ہے۔ آدمی خود سگریٹ پئے اور بیٹے کو کہے کہ اگر میں نے تجھے کبھی سگریٹ پیتے دیکھ لیا تو براحشر کردوں گا۔ باپ خود بیٹے سے کہے کہ جاؤ باہر دروازے پر کھڑے آدمی سے کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔ اب اس بیٹے سے آپ سچ بولنے کی توقع نہیں کر سکتے۔

دیکھئے یہ ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ماحول تھا اور اسماعیل (علیہ السلام) جیسا بیٹا تھا۔ فرق صاف ظاہر ہے ایسے والد کی ایسی ہی تربیت تھی۔ وہ جو علامہ اقبال نے کہا

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا ماحول تھا کہ اسماعیل (علیہ السلام) بیٹے نے کہا

يَاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (102:37)

ابا جان! جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے وہ کر گزریے۔

بیٹا سمجھتا ہے کہ میرے والد کو جو خواب آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے کہ ایسے ہو جائے۔ وہ جانتا ہے کہ نبی کا خواب حقیقت ہوتا ہے سچا ہوتا ہے۔ میرے باپ نبی ہیں ان کا خواب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ہمیں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ ابا جان! آپ وہ کر گزریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے

سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (102:37)

آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے

اور ابراہیم علیہ السلام نے اس پر عمل کر دیا۔ اپنی طرف سے تو انہوں نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی اللہ تعالیٰ نے بچا لیا یہ اس کی اپنی حکمت ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو پہلے ہی پتہ تھا کہ بیٹے نے بچ جانا ہے تو اسے

Marfat.com

آج ہم کہتے ہیں ڈرامہ۔ پھر اس سے بری بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا ڈرامہ کیا تھا معاذ اللہ۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی شان سے بعید ہے بلکہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں پتہ تھا کہ بیٹے نے بچ جانا ہے انہوں نے تو اپنے طور پر اس امتحان کو یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو جو خواب کی شکل میں آیا تھا پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی اور حکمت کے تحت ان کو بچالیا۔ اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے تھے اگر وہ سلسلہ کٹ جاتا تو دنیا کا نقشہ ہی کوئی اور ہوتا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچالیا یہ سب سے آخری اور بہت بڑا امتحان تھا۔

امتحان میں کامیابی کے بعد

اس امتحان میں ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (124:02)۔ سب امتحانوں میں آپ (ابراہیم علیہ السلام) پاس ہو گئے، ہم آپ کو بہت سے انعام دینے والے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی امتحانوں میں گزری ہے اور آخر میں جو اس امتحان سے بھی کامیاب گزرے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات آئے ہیں امتحان ختم اب ایوارڈز مل رہے ہیں انعامات مل رہے ہیں۔

پہلا انعام

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا انعام ملا کہ میں تمہیں رہتی دنیا تک لوگوں کا امام بنادوں گا اور اس کے عملی نتیجہ کا تذکرہ سورۃ الحدید میں حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ وارد ہوا ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (26:57) کہ اب جتنے اور رسول آئیں گے وہ تمہاری اولاد میں ہوں گے یہ بہت بڑا انعام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے اسحاق علیہ السلام۔ اسحاق علیہ السلام کو انہوں نے فلسطین میں آباد کیا تھا یہاں ان کی اولاد پھلی پھولی اور اس میں بے شمار نبی آئے حضرت اسحاق علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم و بیش ہزاروں کی تعداد میں نبی ہیں اور بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکے میں آباد کیا ان کی اولاد میں

١٢٧٩٣٣

Marfat.com

ایک ہی پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ یہ اسی طرح کا وعدہ ہے جس طرح کوئی بہت بڑا آدمی ہو آج کل اس کو کہا جائے کہ تمہاری اولاد میں سے جتنے لوگ ہوں گے ان سب کو فوج میں کمیشن دلوا دیں گے یا PCS بنا دیں گے یہ بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو انعام دیا کہ آئندہ جتنے نبی دنیا میں آنے والے ہیں وہ سب تمہاری اولاد میں سے ہوں گے۔

دوسرا انعام۔ تعمیر کعبہ

دوسرے انعام کا ذکر سورۂ بقرہ کی ان آیات میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہ میرا گھر ہے اس کو تعمیر کرو۔ مکہ پہلے چونکہ شہر نہیں تھا اس وقت تک وہاں کعبے کی صرف بنیادیں تھیں پہلے کمرہ نہیں تھا، قرآن یہی ذکر کر رہا ہے۔ جیسے کہیں سڑک کے کنارے کوئی مسجد ہوتی ہے ایسے ہی اینٹیں رکھ کر نشان بنا دیتے ہیں کہ یہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ کعبہ کی بھی اسی طرح کچھ بنیادیں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو ایک کمرہ بناؤ اس کو گھر بنا دو۔ گھر اسی کو کہتے ہیں جو کمرہ ہو یعنی چار دیواری اور چھت ہو۔ اب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے مل کر وہ گھر تعمیر کیا۔ دیکھیے ہم بھی مسجد بناتے ہیں اس میں مستری لگا دیتے ہیں لوگ پیسے لے کے کام کرتے ہیں اگر کوئی آدمی ایسا ہو جو کہے کہ یہ مسجد کی تعمیر کا کام ہو رہا ہے اس میں میں بھی شامل ہوں گا میں مستری ہوں کام کروں گا پیسے نہیں لوں گا تو ہم پر کتنا بڑا احسان ہو جائے گا کہ یہ صاحب اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کر رہے ہیں پیسے نہیں لے رہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا۔ بیت اللہ ان عام مسجدوں سے لاکھوں گنا زیادہ اہمیت والا گھر ہے اس کی تعمیر میں نہ اسماعیل علیہ السلام نے مزدوری لی اور نہ ابراہیم علیہ السلام نے۔ دونوں نے اعزازی طور پر کام کیا اور دونوں پیغمبر ہیں ذات کے اعتبار سے کردار کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آدمی مسجد بنائے جیسا کہ اکثر و بیشتر لوگ بے وضو مسجدوں کی تعمیر میں لگے ہوتے ہیں نماز بھی نہیں ادا کرتے اور ایک یہ ہے کہ آدمی با وضو ہو کر اور اجرت کے بغیر کام کرے اور ایک کردار ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی طرح کا ہے بہت اعلیٰ ذاتی کردار اور بے داغ

Marfat.com

شخصیت کتنی اچھائیاں جمع ہو گئیں۔

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کر رہے تھے اس وقت انہوں نے کچھ دعائیں کیں۔ دو جلیل القدر پیغمبر اللہ کا گھر تعمیر کر رہے ہیں اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے، بغیر کسی دنیاوی غرض کے بنا رہے ہیں۔ کتنا بڑا قبولیت کا مقام ہوگا۔ عام طور پر آپ نے سنا ہوگا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں انسان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اگرچہ اس ساعت کو متعین کرنے کے بارے میں بہت سی آراء ہیں، تاہم مشہور رائے یہ ہے کہ جب امام عربی خطبہ دیتا ہے اور درمیان میں وقفہ کرتا ہے یہ ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن جب کسی کو پتہ چل جائے کہ یہ ساعت ایسی ہے کہ جس میں جو دعا مانگو گے قبول ہو جائے گی تو آدمی کی شخصیت کا امتحان ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی اس وقت کونسی دعا مانگتا ہے لوگ حج کو جاتے ہیں ملتزم کے سامنے چمٹ کر دعا مانگی جاتی ہے (وہ دروازے والی سائیڈ ہے) دعا قبول ہوتی ہے اب امتحان یہ ہوگا کون آدمی وہاں ملتزم کے سامنے کیا دعا مانگتا ہے۔ کوئی کاروبار کی ترقی کی کوئی اور قسم کی دعا مانگ رہا ہے کوئی اور دعا مانگ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک اہمیت ہی اسی چیز کی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے جب وہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے اور بغیر کسی مزدوری کے کعبہ تعمیر کر رہے تھے قبولیت کا وقت تھا اللہ تعالیٰ کی نگاہیں ان پر تھیں نظر کرم تھی اس وقت انہوں نے کچھ دعائیں کیں صاف ظاہر ہے اُن کے نزدیک اہمیت جس چیز کی تھی وہ مانگی ہے ورنہ وہ کاروبار کی ترقی کی دعا کرتے کچھ پیسوں کی، کچھ اپنے گھر کی، کسی جاگیر کی، لیکن یہ وہ آدمی کرتا ہے جس کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت ہو بعض لوگ کعبہ میں جاتے ہیں حج کے موقع پر بھی دنیاوی کاروبار ہی کی ترقی کی دعا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک آخرت کی کوئی اہمیت نہیں ابراہیم علیہ السلام نے اور اسماعیل علیہ السلام نے کئی دعائیں مانگیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

پہلی دعا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O (127:02)

پہلی بات تو یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہم سے یہ خدمت بن آئی ہے اس کو شرفِ قبول عطا

Marfat.com

فرما۔ آدمی سے واقعتاً اگر کوئی نیکی کا کام ہو جائے تو آدمی کے اندر کوئی عجب پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اب تو میں بڑا آدمی ہوں اب تو مجھ سے یہ کام ہو رہا ہے میں نے پانچ وقت نماز شروع کر دی ہے، تہجد شروع کر دی ہے، دین کے لئے پیسہ لگا رہا ہوں۔ یہ اس کے اعمال میں ایک شیطانی عمل دخل ہوگا۔ عاجزی رہنی چاہیے کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے یہ توفیق دی دین کی خدمت کی، اس محنت کی، اس کوشش کی، اے اللہ تعالیٰ! تو یہ توفیق دیے رکھ، قبول بھی فرما اسی کام میں لگائے رکھ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے یہی دعا کی۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم اے اللہ تعالیٰ بے شک تو سننے والا ہے جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اور جاننے والا ہے جو کچھ پیش کر رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہماری یہ محنت واقعتاً تجھے راضی کرنے کے لیے ہے۔

دوسری دعا

اگلی دعا انہوں نے یہ کی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ حالانکہ دونوں پیغمبر ہیں اور جو پیغمبر ہوتا ہے وہ پیدائشی پیغمبر ہوتا ہے اس میں وہ ٹیلنٹ یعنی اس کی ذہانت و فطانت اور ساری معاملہ فہمی BY BIRTH ہوتی ہے۔ وہ دونوں یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے۔ مسلم کے لفظی معنی فرمانبردار کے ہیں۔ اَسْلَمَ يُسْلِمُ اِسْلَامًا کے معنی فرمانبردار ہونے کے ہیں اور SURRENDER کرنے کے ہیں۔ فارسی میں کہیں گے: گردن نہادن یعنی اطاعت قبول کر لینا، سر تسلیم خم کر دینا۔ یہ تو آج کل کا دور ہے کہ ہم مسلمان بھی کہلاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بحث بھی کرتے ہیں۔ یہ بھی نتیجہ نکالتے ہیں کہ صاحب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس وقت نہیں مانا جا سکتا آج کے دور میں فلاں کام نہیں ہو سکتا، اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ آپس میں متضاد ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنا، تاکہ ہم تیرے احکام پر چلیں۔

ایک اور خواہش جوان کے دل میں تھی کہ اے اللہ ہم دونوں کی اولاد میں.........۔

اب صرف ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے تو ان کی اولاد میں اسحاق علیہ السلام بھی شامل ہو جاتے لیکن ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں دعا کر رہے ہیں تو گویا کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ انہوں نے کہا:

Marfat.com

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (اے ہمارے رب) ہماری اولاد میں (اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں) ایک ایسا گروہ پیدا کر دینا ایسی جماعت کھڑی کر دینا ایک اُمت کھڑی کر دینا جو تیری فرمانبردار ہو۔ اُمت کہتے ہیں ہم مقصد لوگ، جن کا مشن ایک ہو جن کی مشنری سپرٹ ایک ہو اور اس میں وہ سب یکجا پروئے ہوئے ہوں۔ تو دعا یہ کی جا رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہماری اولاد (ہم دونوں کی اولاد) میں ایک اُمت اٹھا دینا جو ہم مقصد ہو تیرے دین کی خدمت کرنے والے ہوں۔

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور اے اللہ تعالیٰ جس گھر کو ہم تعمیر کر رہے ہیں اس میں کیا عبادت کرنی ہے؟ اس کے تقاضے کیا ہیں؟ ان کو کیسے پورا کرنا ہے؟ سعی کیسے کرنی ہے؟ حج کیسے کرنا ہے؟ طواف کیسے کرنا ہے؟ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں سکھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مناسک سکھائے اور آج تک وہ سلسلے جاری ہیں کچھ خرابیاں پیدا ہوئی تھیں تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کی اصلاح کر دی تھی اور وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

وَتُبْ عَلَيْنَا۔ اگلی دعا انہوں نے یہ کی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم پر نظر کرم فرما۔ توبہ کا لفظ عام بندے کے لئے بھی آتا ہے عام انسان سے خطا ہوتی ہے تو اس کے لئے توبہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ خطا معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی توبہ کا لفظ آتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ترجمہ کرتے ہیں کہ توبہ قبول فرما۔ لیکن یہاں دونوں پیغمبر دعا کر رہے ہیں لہٰذا ان سے خطا تو نہیں ہو سکتی تو ترجمہ ہوگا کہ اے اللہ تعالیٰ تو ہم پر نظر کرم فرما اور ہماری کوشش کو قبول فرما۔ اے اللہ تعالیٰ تو محنت اور کوشش کو سب سے زیادہ قبول کرنے والا ہے نظر کرم کرنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

سب سے بڑی دعا

آخری دعا اور سب سے بڑی دعا جیسے انگریزی میں کہتے ہیں LAST BUT NOT THE LEAST۔ وہ دعا پوری ایک آیت میں ہے۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O (129:02)

اے ہمارے رب! ہماری اولاد میں (ہم جو عرض کر رہے ہیں ایک اُمت، ایک بہت بڑی جماعت

Marfat.com

اور گروہ پیدا کر دے جو تیرا فرمانبردار ہو اس جماعت یا اُمت کو) ایک لیڈر عطا کر دینا اس اُمت کو اس گروہ کو جو تیرا فرمانبردار ہو ایک ایسا رہنما عطا کر دینا جو انہی میں سے ہو یعنی ایک رسول بھیجنا۔

یہ بات آپ کے علم میں ہوگی جس کا تذکرہ تورات اور انجیل میں بھی ہے اور قرآن مجید میں بھی ہے اور ہم سب نے سن رکھی ہے کہ اس دنیا میں جو بھی نبی آیا وہ اپنی امت کو یہ بتا کر گیا کہ میرے بعد ایک بہت بڑا نبی آنے والا ہے۔ درمیان میں جتنے بھی نبی تھے اوّلاً تو وہ یہ کہہ کے جاتے رہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ابھی اور نبی آئیں گے۔ حضرت محمد ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی حضور ﷺ فرما گئے: اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لیکن پہلے نبی یہ کہتے رہے کہ یہ سلسلہ جاری ہے اور ساتھ یہ بھی بتاتے رہے کہ ایک بہت بڑا نبی آنے والا ہے جس کے بارے میں یوحنا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر یہ کہا تھا ''کہ وہ جو آخری نبی آنے والے ہیں میں ان کے پاؤں کے جوتوں کے تسمے بھی کھولنے کے قابل نہیں ہوں'' وہ اتنا عظیم نبی ہوگا۔ یہ الفاظ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہیں یا نہیں ہیں لیکن بائبل میں بہرحال موجود ہیں۔ تو اتنا بڑا نبی جو آنے والا ہے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو بھی معلوم ہوگا کہ وہ بڑا نبی آنے والا ہے۔ دعا یہ ہے کہ اے ہمارے رب! وہ بڑا نبی ہماری اولاد میں بھیج دینا (یعنی اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے) گویا خواہش ظاہر کر دینا تو کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے ہر چیز مانگنی چاہیے مانگنے میں کیا حرج ہے، قبولیت اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔

ہماری اولاد میں ایک بہت بڑا نبی بھیجنا وہ کام کیا کرے گا یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ۔ گویا کہ اس نبی پر اپنی وحی بھیجنا، آیات نازل فرمانا، وہ لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، تیرے احکام پڑھ کر سنائے، تیری اُتاری ہوئی وحی پڑھ کر سنائے۔ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ اور وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے۔ کتاب سے مراد شریعت ہے۔ کتاب کے معنی ہے لکھنا۔ جو چیز لکھ لی جائے وہ پختہ ہو جاتی ہے تحریر میں جو چیز آ جائے وہ طے ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرائض کے لئے کتاب کا لفظ آیا ہے۔ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ ۔ تم پر روزے لکھ دیے گئے یعنی فرض ہو گئے۔ اسی طرح كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ۔ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ تو یہ چیزیں فرائض ہیں۔ فرمایا وہ نبی ﷺ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے، حلال و حرام کی تعلیم دے، اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

احکام کی تعلیم دے۔ وَالْحِکْمَۃَ اور لوگوں کو حکمت کی تعلیم دے۔ ایک احکام ہوتے ہیں ایک اس کے پیچھے حکمت ہوتی ہے ایک ہے کسی کام کو کرنا خانہ پُری کے لیے اور ایک درجہ ہے اس کے الفاظ اور اس کی روح کے مطابق کام کرنا یہ درجہ حکمت ہے۔

وَیُزَکِّیْھِمْ اور جو بڑا نبی علیہ السلام آئے وہ لوگوں کا تزکیہ کرے۔ ایک ہوتا ہے وعظ کہنا اور ایک ہوتا ہے عمل درآمد کروانا۔ وعظ کہنا یہ ہے جیسے آج کل واعظ ہوتے ہیں کسی مسجد کی انتظامیہ کو یہ خیال آتا ہے کہ یہاں وعظ ہونا چاہیے۔ وہاں کسی عالم دین کو بلایا جاتا ہے اس کا انتظام کیا جاتا ہے اس کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں وہ وعظ کہتا ہے اور چلا جاتا ہے کسی کی سمجھ میں آیا یا نہیں آیا عمل کر رہا ہے یا نہیں کر رہا ہے۔ ایک ہے عمل درآمد کروانا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے اس پر عمل کر کے دکھانا اور لوگوں کو اس پر عمل کروانا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی کہ وہ نبی علیہ السلام آکر لوگوں کا تزکیہ کرے لوگوں کی سوچ اور طرز عمل اور لوگوں کی زندگی بدل دے جو اللہ تعالیٰ کے احکام ہوں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت ہو وہ اس کے مطابق زندگی بسر کریں اور غلط باتیں ان کی زندگی سے نکال دے۔

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے گزارش کر رہے ہیں دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ کر سکتا ہے تجھے تو کسی سے SANCTION لینے کی ضرورت نہیں کسی سے APPROVAL لینے کی ضرورت نہیں تیرا اختیار ہے تو اگر ہماری یہ دعا قبول فرمالے اور ہماری ہی اولاد میں وہ آخری نبی بھیج دے تو سب کچھ کرنے والا ہے تجھے طاقت حاصل ہے اختیارات حاصل ہیں العزیز ہے۔ سب سے بڑا حکیم ہے کہ ہماری یہ کتنی دلی خواہش ہے۔ وہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ قبولیّت کا وقت تھا ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا کیوں قبول نہیں ہوئی ہوگی وہ دعا جو کعبہ کی تعمیر کے وقت کی گئی خالصتاً اللہ کا کام کرتے وقت کی گئی یقیناً قبول ہوگئی جسے مولانا حالی نے کہا تھا مسدّس حالی میں کہ

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نویدِ مسیحاؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ دعا کی تھی تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے یہ وہ نبی

Marfat.com

ہیں جن کے بارے میں ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی اور ان کے بارے میں سورۃ الصّف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (06:61) کہ میرے بعد وہ نبی آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ تو یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہیں اور جس کی بشارت دی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم اس بڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں۔

جیسے آغاز میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ عید الاضحی یہ قربانی کی عید ہمیں اس مشن کو یاد کرانے اور اس جذبے کو تازہ کرنے کے لیے آتی ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصداق تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس دعا کا، جو خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی۔ گویا کہ ہمارے ذمے مشن کیا ہے؟ وہ کام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اس کو آگے بڑھانا ہے مشن ختم نہیں ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری نبی، آخری رسول تھے۔ اب کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں آئے گا وہ کام کون کرے گا اب وہ اُمت وسط کے ذمے ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کو پورے عالم میں پھیلانا عالم کے چاروں کونوں تک پھیلانا یہ اب آپ کا کام ہے میرا کام ہے اور اس کے لئے پہلے جو چیز ہمیں عطا فرمائی وہ قرآن مجید ہے۔

قرآن مجید میں آگے دوسرے پارے کی آیات میں ہے:

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیْکُمْ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؁ (151:02)

ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے جو دعا کی تھی اس دعا کو قبول ہونے میں پچیس سو سال لگ گئے۔ اسماعیل علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اڑھائی ہزار سال کا وقفہ ہے۔ ہم بعض دعاؤں کا شکوہ کرتے ہیں کہ قبول نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول کی لیکن اڑھائی ہزار سال لگ گئے اس دعا کو قبولیّت کے لئے اس لئے کہ عالم اسباب میں تو معاملات اسباب و علل کے تحت ہیں لیکن وہ بالآخر دعا قبول ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دیکھو وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی تھی ہم نے وہ برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیج دیا ہے کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ۔

Marfat.com

وہ نبی کیا کر رہے ہیں۔ چار باتیں جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی تھیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس دعا میں رکھیں تھیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی ترتیب بدل دی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے انسان جو کچھ کر سکتا ہے وہ اپنے طور پر دعا کر سکتا ہے۔

یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وہ ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ ہم نے اس نبی علیہ السلام کو قرآن دیا ہے وہ تم کو قرآن پڑھ کر سنا رہے ہیں وَ یُزَکِّیۡکُمۡ (حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اپنی دعا میں اس کا ذکر چوتھے نمبر پر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے نمبر پر کیا ہے) یہ تزکیہ ہے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرنا۔ یہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد دوسرا مرحلہ ہے کہ انسان کو اس پر عمل کرنا چاہیے جو باتیں قرآن کے خلاف ہوں وہ چھوڑنی ہیں۔ قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرنا ہے وہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا تزکیہ کر رہا ہے تمہیں اس پر عمل درآمد کر کے خود نمونہ پیش کرتا ہے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمونہ پیش کیا پھر لوگوں سے تقاضا کیا ہے کہ تم بھی عمل کرو۔

وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں وہ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ یہی باتیں مانگی تھیں۔

وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ وہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں تمہیں وہ باتیں سکھا رہے ہیں علم سکھا رہے ہیں، اخلاق سکھا رہے ہیں، کردار کی بلندیاں سکھا رہے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو کہا جاتا ہے کہ عرب کے صحرا نشین تھے وہاں تو کوئی سکول نہیں تھے کوئی کالج نہیں تھے دنیا میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جو SOCIAL EVILS ہیں یہ معاشرتی برائیاں ہیں چوری، ڈاکہ، بدکاری، شراب، قتل وغیرہ یہ اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ جہاں لٹریسی کم ہوگی، جہاں تعلیم کا فقدان ہوگا، جہاں غربت ہوگی وہاں یہ جرائم ہوں گے اور دنیا میں اکثر و بیشتر اسی طرح ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کو دیکھئے قرآن جو اصول پیش کر رہا ہے وہ اس کے برعکس ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ عرب کے معاشرے میں LITERACY PERCENTAGE بہت کم تھی مکے میں کل پندرہ، سولہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور مدینے

Marfat.com

میں بھی ابتداً اسی کے قریب تعداد تھی لیکن حضور ﷺ کے آنے کے بعد وہ زیادہ ہو گئے۔ جنگ بدر کے جو ستر قیدی تھے ان میں سے کچھ تو فدیہ لے کر رہا کر دیے گئے اور کچھ کو کہا کہ تم دس، دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو، تمہیں بھی رہا کر دیں گے۔ محمد رسول اللہ ﷺ جنگی قیدیوں کو تعلیم کے عوض رہا کر رہے ہیں۔ محمد ﷺ نے کتنی تعلیم کو پھیلایا مکے میں سرزمین عرب میں۔ اس معاشرے میں محنت کی جہاں LITERACY PERCENTAGE بہت کم تھی۔ لیکن جرائم ختم کر دیے بیس سال کے عرصہ میں وہاں ڈاکہ نہیں تھا، چوری نہیں تھی، بدکاری نہیں تھی یہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ تمہیں سکھا رہے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہ قرآن ہے جس نے ان کی کایا پلٹ دی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول ﷺ کی تشریف آوری پر سورۃ آل عمران میں بطور احسان ذکر کیا، یہی چار باتیں ذکر کیں ہیں وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی تھی وہ دعا پوری ہو گئی

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (03-164)

اس سے پہلے تمہیں نہیں معلوم تھا کتاب کیا ہوتی ہے احکام شریعت کیا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے انہوں نے یہ تعلیم دی ہے دین سکھایا ہے اخلاق سکھایا ہے کردار سکھایا ہے۔

ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

آج ہم اگر مسلمان ہیں تو اس کا ماضی ہے اس کی تاریخ ہے ہم ان امانتوں کے وارث ہیں جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو کعبہ کی تعمیر کرتے وقت ملی تھیں ان دعاؤں کے امین ہیں انہوں نے دعا کی تھی کہ ہماری اولاد میں ایک اُمت اٹھانا۔ ہم اس اُمت میں شامل ہیں۔ اُس امت میں شامل ہونا جہاں بہت بڑا اعزاز ہے وہاں اس اُمت میں شمولیت کے کچھ تقاضے ہیں۔

دیکھیں ہم سب سمجھتے ہیں کہ دنیاوی اعتبار سے کوئی آدمی کسی بہت بڑے کاروبار میں ہے بہت اعلیٰ عہدیدار ہے، اس کو بہت مراعات حاصل ہیں گاڑیاں، سہولتیں FURNISHED گھر ہیں یہ سہولتیں صرف سہولتیں نہیں ہوتی اس کے ساتھ RESPONSIBILITIES بھی ہوتی ہیں جتنی زیادہ کسی آدمی کو مراعات مل رہی ہوں (عام آدمی صرف مراعات کو دیکھتا ہے) اتنی

Marfat.com

ہی زیادہ اس کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ مراعات زیادہ ہیں تو صاف ظاہر ہے ذمہ داریاں بھی زیادہ ہوں گی۔ جہاں اس اُمت میں شامل ہونا بہت بڑا اعزاز ہے وہاں یہ ذمہ داریوں کا حامل ہے۔ ایک ذمہ داریوں کا بوجھ ہے جو ہمارے کاندھوں پر ڈال دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمتی کی حیثیت سے اور قرآن کو ماننے والوں کی حیثیت سے ہماری کچھ ذمہ داریاں ہیں جس طرح پڑوسی کے کچھ حقوق ہوتے ہیں جیسے والدین کے کچھ حقوق ہوتے ہیں بزرگوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے بھی کچھ حقوق بنتے ہیں قرآن کے بھی کچھ حقوق بنتے ہیں یہ حقوق ادا کرنا ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ ذمہ داریاں ادا کیں۔ خلافت راشدہ اسی اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ادارہ تھا خلافت راشدہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد متصل ہے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک دن کا وقفہ بھی نہیں مسلمانوں نے اس بات کو اتنی اہمیت دی تھی محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی تدفین کو مؤخر کر دیا کہ پہلے یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ ذمہ دار کون ہوگا معاملات کون چلائے گا یہ پہلے فیصلہ ہونا چاہیے اور واقعتاً یہ پہلے فیصلہ ہوا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اُمت متفق ہوئی ہے تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی تدفین ہوئی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ اس دور میں خلافت ایک INSTITUTION تھا جو اجتماعی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سرانجام دیتا تھا حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات آج بھی موجود ہیں لیکن اس کے بعد یہ ادارہ ایسا نہیں رہا۔

ابھی ذوالحج کا مہینہ گزر رہا ہے اب محرم کا مہینہ آئے گا یہ سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے، سن ہجری کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا جس وقت سوال یہ ہوا کہ کسی کیلنڈر کا اجرا کیا جائے کسی نے مشورہ دیا کہ عیسائیوں کا سن چل رہا ہے اس کو اختیار کر لیا جائے ایرانیوں کا چل رہا اس کو اختیار کر لیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اپنا ایک کیلنڈر شروع کرنا چاہیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے بات شروع ہوئی وہ کب سے شروع کیا جائے؟ سوال پیدا ہوتا ہے ایک انداز یہ ہو سکتا تھا کہ حضور ﷺ کی پیدائش سے شروع کر دیا جائے صاف ظاہر بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی شکل میں دی، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آغاز وحی سے کیلنڈر شروع

Marfat.com

کر دیا جائے، لیکن جو مسلمانوں نے مشورہ کر کے بات طے کی وہ اس جذبے کو ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کے پیش نظر اصل مقصود کیا ہے۔ ہجرت سے شروع کیا کہ ہجرت تاریخ اسلام میں بہت بڑا TURNING POINT ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر چالیس سال کی عمر میں وحی کا آغاز ہوا، 13 سال حضور ﷺ مکے میں رہے۔ وہ ایک دور تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتی حیثیت میں تھا۔ ہجرت کے بعد ایک اُمت مسلمہ کی حیثیت سے دور کا آغاز ہوا ہے حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے وہاں ایک اور معاملہ پیش آ گیا وہاں یہود کے ساتھ اور دوسری قوموں کے ساتھ تصادم اور کشاکش کا معاملہ ہوا اور اس طرح مسلمانوں نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور زبردست مقابلے اور لمبی STRUGGLE کے بعد اسلام کو غالب کر دیا اسی کی CONTINUATION خلافت راشدہ تھی۔ یہ محرم کا مہینہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمانو! دیکھو کہ اُمت کی حیثیت سے تمہیں کیا کرنا چاہیے مدنی زندگی کا مطالعہ کرو اس کے بعد کے حالات کا مطالعہ کرو کہ اُمت کی حیثیت سے تمہیں کیا کیا خطرات درپیش ہیں؟ تمہاری کمزوریاں کیا ہیں؟ جہاں سے دشمن حملہ آور ہو سکتا ہے اور تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ایک اور آیت جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھی یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیں اس کی ہدایت کر رہا ہے اور راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمانو! تمہاری کمزوریاں کہاں کہاں ہیں تمہیں کہاں کہاں سے دشمن سے خطرہ ہو سکتا ہے۔ کاش کہ ہم قرآن پڑھنے والے ہوں ہمارے رہنما قرآن پڑھنے والے ہوں ہمارے ملک کے POLICY MAKERS قرآن پڑھنے والے ہوں اُمت مسلمہ کے جو کرتا دھرتا لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں زمام کار ہے POLICIES ہیں وہ قرآن پڑھنے والے ہوں۔

اسلام کے ابدی دشمن ۔ یہود و نصاریٰ

پہلے ہی پارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اور یہ ایک رہنما اصول ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

محمد رسول ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا حالانکہ حضور ﷺ پر تو وحی آتی تھی وہ تو مہبط وحی تھے ان سے کسی خطا کا بھی امکان نہیں لیکن ہماری رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اے محمد ﷺ آپ یہ یہود و

Marfat.com

نصاریٰ آپ سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ جسے انگریزی میں کہتے ہیں NEVER۔ ایک ہی امکانی شکل ہے کہ آپ اپنا مذہب چھوڑ کر ان کا مذہب اختیار کر لیں تو شاید خوش ہو جائیں ورنہ اور کوئی شکل نہیں SHORT OF THAT کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔

آج بھی یہی صورت حال ہے کہ چودہ سو سال کی تاریخ قرآن مجید کی اس آیت کی تشریح ہے اور بھی آیتیں قرآن مجید میں ہیں۔ اگر ایک جملے میں کہا جائے کہ مسلمانوں کی تاریخ کیا ہے تو یہود اور مسلمانوں کی آویزش یا COLD WAR کا نام چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔

ہمیشہ یہود اسلام کو مٹانے کی سازشیں کرتے رہے ہیں اوّلاً یہود نے سازش کر کے تورات کو دنیا سے ختم کیا اپنی کتاب کو دنیا سے مٹا دیا غائب کر دیا نہ کتاب ہو گی نہ کوئی REFERENCE ہو گا نہ کوئی ہم سے پوچھے گا کہ صاحب آپ کر کیا رہے ہیں۔ یہ کتاب ان کی اپنی کوشش اور یادداشت سے دوبارہ تحریر شدہ کتاب ہے اصل کتاب خود یہودیوں نے غائب کی اور کسی نے نہیں غائب کی۔ پھر انہی یہودیوں کی سازش سے انجیل غائب ہوئی حضرت مسیح علیہ السلام پر وہ کتاب نازل ہوئی تھی لیکن WITH IN A CENTURY وہ کتاب غائب کر دی گئی اصلی کتاب غائب ہو گئی تو آگے خلا پیدا ہو گیا اب کیا کیا جائے؟ پھر خود یادداشت سے کتابیں لکھیں گئیں تمہیں کچھ یاد ہے انجیل میں کیا تھا بتاؤ وہ لکھ لیا اس کو کتنا یاد ہے اس کو کتنا یاد ہے آپ سنیں گے تو آپ لطیفے کے انداز سے ہنسیں گے کہ جب انجیل غائب ہوئی ہے اس کے بارے ایک کمیٹی بنی عیسائیوں کی کہ انجیل کتاب ہونی چاہیے یادداشت سے وہ کتب لکھیں گئی ہر ایک نے کہا کہ مجھے کچھ یاد ہے میں نے یہ سنا ہے جب آدمی کی مرضی سے ہو گا تو ہر آدمی دعویدار ہو گا ایک سو دس قسم کی انجیلیں سامنے آئیں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ان میں سے اصلی کون سی ہے ایک سو دس میں سے SELECTION کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا عیسائیوں کی تاریخ ہی میں یہ ہے کہ کچھ ان میں سے جو چیف تھے ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور ایک سو دس نسخے ان کو دے دیے گئے ان میں سے SELECTION کر کے ایک پر متفق ہو جاؤ یہ سب کے لیے مسئلہ تھا کہ کس طرح SELECTION کریں وہ تمام کتابیں ایک میز پر رکھی گئیں اس میز کو ہلاتے رہے کتابیں گرتی رہیں بالآخر چار کتابیں رہ گئیں اب انہوں نے ان کو DECLARE

Marfat.com

کر دیا کہ یہ ہماری سرکاری چار انجیلیں ہیں CONTENTS کو نہیں دیکھا ہے۔ یہی سمجھے کہ ٹاس کر کے فیصلہ کر لیا۔ یہی دشمنی قرآن کے ساتھ بھی کی گئی اس قرآن کو غائب کرنے کی آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کتنی کوششیں کی گئیں کہ دنیا میں ایک رہنما کتاب ہو ہی نہیں لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب تھی اس لئے دنیا میں موجود ہے ورنہ یہود نے سازشوں کی کوئی کمی نہیں کی اور نہ دور حاضر میں قرآن سے خائف طبقات آرام سے بیٹھے ہیں حضور ﷺ کے ڈیڑھ سو سال بعد سازش ہوئی کہ یہ قرآن پرانا ہے ختم ہو چکا اب نئی کتاب ہونی چاہیے وہ تو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سامنے آئی اور انہوں نے جہاد کیا یہ قرآن بچ گیا ان کی سازش فیل ہو گئی اس کے بعد بھی نہ جانے کتنی کوششیں ہوئیں اس کو انگریزی میں کہتے ہیں GIVE THE DEVIL HIS DUE۔ اتنا تو بہر حال ان کو شاباش دینی پڑتی ہے اور یہ سازش تو ان کی کامیاب ہے کہ مسلمانوں میں چلو قرآن رہے ہم غائب نہیں کر سکتے ہم غائب کرتے بھی نہیں مسلمان پڑھتے بھی رہیں اس سے بھی ہمیں سروکار نہیں بس سمجھ کر نہ پڑھیں اس سے ان کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔

صاف ظاہر ہے ہزاروں اور لاکھوں لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں لیکن یہ نہیں پتہ کہ اس میں ہے کیا؟ اگر لوگ سمجھ کر پڑھیں گے چلو آج نہیں کل، کل نہیں چھ مہینے بعد، سال بعد آدمی سوچے گا کہ قرآن کچھ کہتا ہے میں کچھ اور کرتا ہوں۔ آدمی کو شرم آئے گی آدمی توبہ کرے گا لیکن اگر ناظرہ پڑھنا ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب ضرور ملے گا اس سے انکار نہیں وہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کوئی زور بھی لگائے تو اس کو ختم نہیں کر سکتا لیکن صرف ناظرہ تلاوت کرنے سے عملی زندگی میں کیا اثر ہوگا۔ چلو وہ آدمی بھی ناظرہ پڑھ لے جو کسی دور علاقے میں رہتا ہے سکول نہیں گیا والدین نے بھی سکول نہیں بھیجا وہ پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ کر قیامت کے دن یہ فیصلہ ہوگا کہ کس نے سکول نہیں بھیجا کون قصوروار ہے پکڑ واس کو لیکن جو آدمی گریجوایٹ ہے جو ماسٹرز ڈگری کا حامل ہے اور اعلیٰ عہدیدار ہے پروفیسرز ہیں، وکلاء ہیں، انجینئرز ہیں، سرکاری اہلکار ہیں، پڑھے لکھے حضرات ہیں، وہ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی توہین ہے۔

Marfat.com

قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے

قرآن مجید یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو ہمارے درمیان ہے۔دشمن نے اس کو غائب کرنے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے سورۃ حجر کی آیت 9 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اور یہ ختم نبوت کی برکات میں سے ایک ہے اس کے جو تقاضے ہیں اس کے طور پر یہ ہے) اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۔بے شک ہم نے یہ خاص ذکر، یہ خاص نصیحت، یہ یاددہانی اتاری ہے (یعنی قرآن اتارا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں) اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں دنیا لاکھ کوشش کرے کہ قرآن کو غائب کردیا جائے اب اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اگرچہ ظاہراً اس کے اسباب بھی پیدا کئے ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔اس میں آپ خود سوچیں تورات دنیائے صفحہ ہستی سے مٹ گئی تو انجیل آ گئی اس نے بتادیا کہ اصل ہدایت یہ ہے انجیل مٹ گئی تو قرآن آ گیا قرآن نے بتادیا کہ اصل ہدایت یہ ہے خدانخواستہ قرآن بھی مٹ جاتا تو محمد ﷺ کے بعد وحی تو آنے والی نہیں لہٰذا قیامت تک لوگوں کا الزام رہتا اور قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ حساب لیتا لوگ جواب دیتے اے اللہ تعالیٰ ہم تو چاہتے تھے کہ تیرے دین پر عمل کریں دنیا میں کوئی کتاب تھی ہی نہیں کوئی بتانے والا ہی نہیں تھا نبوت آپ نے بند کردی قرآن دنیا سے غائب ہوگیا کہاں جاتے؟ اللہ تعالیٰ نے اس عذر کو ختم کرنے کے لئے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور قرآن کی حفاظت کا بندوبست کردیا ہے۔قرآن آج بھی محفوظ ہے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید وہی ہے جو محمد ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دے کر گئے تھے دنیا میں کوئی اور قرآن نہیں یہی قرآن ہے جس کو پڑھا جاتا ہے جس کی تفسیریں لکھی جاتی ہیں جس کے ریفرنس REFERENCE ہیں پانچ نمبر سورۃ دس نمبر آیت ایک ہی آیت ہے اگر کسی کے دل میں چور ہو بالفرض کہ جی ہم تو اس قرآن کو نہیں مانتے تو کم از کم دنیا میں کوئی دوسرا قرآن پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جناب یہ آپ کا قرآن ہے یہ ہمارا قرآن ہے۔قرآن جیسی نعمت اتنی بڑی AUTHENTIC کتاب ہمارے درمیان موجود ہو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مشن کے ہم حامل ہوں اس امت میں شامل ہوں کتنا بڑا اعزاز ہے کتنی ہی بڑی

Marfat.com

ہماری ذمہ داری ہے کہ محمد ﷺ کے مشن کو لے کر آگے چلنا ہے ان کا مشن یہ قرآن ہے۔
مولانا حالی کا شعر یاد آ گیا ہے

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ نسخہ کیمیا ہے جس پر عمل کر کے اپنی زندگی کو سونا بنایا جا سکتا ہے اپنے معاملات اور رہن سہن کو سنوارا جا سکتا ہے۔ آج نظر نہیں آ رہا کہ نماز پڑھنا اور سچ بولنا، قرآن کو پھیلانا کتنی بڑی نعمت ہے یہ تو قیامت کے دن پتہ چلے گا کتنی بڑی نعمت تھی واقعی محروم رہ گئے خسارے میں رہ گئے جنہوں نے اس نعمت سے فائدہ نہیں اٹھایا اللہ تعالیٰ ہمیں اس قرآن مجید کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تو حضرات جو آیتیں شروع میں میں نے تلاوت کی تھیں اس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ نے چنا تھا اور ان کو امتحانوں میں ڈالا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امتحان پاس کر لئے تو ان کو AWARDS دیے ان کو انعامات دیے۔ ان انعامات میں سے ایک یہ تھا کہ ہمارا گھر تعمیر کر و اس گھر کی تعمیر کرتے وقت انہوں نے جو دعائیں کیں اس کا مصداق ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اور انہی کی دعاؤں کا نتیجہ یہ امت ہے جس میں میں اور آپ شریک ہیں تو ہمارے کاندھوں پر ابراہیم علیہ السلام کی وراثت یعنی توحید کی وراثت کا بوجھ ہے جو اسماعیل علیہ السلام کی وراثت ہے اور آخر پر جو محمد رسول اللہ ﷺ کی وراثت ہے اس کے ہم امین ہیں اس کے ہم حامل ہیں ہم دنیا کے عام لوگوں کی طرح لوگ نہیں ہیں مسلمان قوم دنیا کی دیگر قوموں کی طرح عام قوم نہیں ہے۔ جاپانی جیتے ہیں اس لئے کہ ہماری قوم کی ویلفیئر ہو جائے PER CAPITA INCOME بڑھ جائے سارے ملک کی پیداوار بڑھ جائے امپورٹ بڑھ جائے فارن EXCHANGE بڑھ جائے مسلمان اس لئے نہیں ہیں۔ بقول شاعر

ع ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

مسلمان زندہ ہیں تو محمد ﷺ کا مشن زندہ کرنے کے لیے۔ ہم سے قیامت کے دن جو ذمہ داری پوچھی جائے گی کہ تمہارے پاس قرآن تھا تم نے دنیا کے کتنے لوگوں تک پہنچایا آج اس ذمہ داری کا شعور رکھتے بھی ہیں تو بہت کم لوگ۔ کاش ہم اس شعور کو آگے بڑھائیں جو جاگ رہا ہے وہ

Marfat.com

دوسروں کو جگائے۔ ممکنہ طریقہ یہی ہے کہ جو آدمی پہلے جاگ جائے وہ دوسروں کو جگائے۔ آپ کو اگر اللہ تعالیٰ نے شعور دے دیا ہے کہ محمد ﷺ کا امتی ہونا بہت بڑا اعزاز ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی کتاب ہے آپ کو پھر اس شعور کو عام کرنا چاہیے دو تک پہنچادیں، چار تک پہنچادیں، دس تک پہنچادیں۔ اس میں اپنا وقت لگائیں یہ بہت قیمتی وقت ہوگا۔ اس میں اپنے پیسے لگائیں اپنا سرمایہ لگائیں سرمایہ کوئی مانگ نہیں رہا اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے لگائیں اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے گا واقعتاً قیامت کے دن احساس ہوگا یہ کاروبار کیا جس میں وقت اور پیسہ لگا یا کتنا بڑا نفع کا کاروبار کیا۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

اے اہل ایمان! تمہیں ایسی تجارت نہ بتائیں کہ تمہیں قیامت کے دن عذاب الیم سے چھٹکارا دلا دے۔ تجارت کیا ہوتی ہے کچھ پیسہ لگاؤ، کچھ وقت لگاؤ اور اس کے نتیجے میں تم عذاب الیم سے بچ سکتے ہو۔ آج وہی پیسہ وہی وقت قرآن مجید کی خدمت میں لگاؤ گے کل قیامت کے دن عذاب الیم سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ کاش آپ کو اور ہمیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے آمادہ کرے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللہ

Marfat.com

2

راہِ نجات

سیرت و کردار کی بلندی کا تقاضا ہے کہ
انسان زندگی کے سفر میں
غیر ضروری خدشات، توقّعات اور خواہشات
کی بیڑیوں اور بوجھوں سے نجات حاصل کر کے
ابدی مسرّتوں کی اُخروی زندگی
کے حصول کو اپنی منزل
بنا لے

تذکیری نشست کیڈٹ کالج جھنگ میں 9 جون 2013ء کو ماہانہ خطاب مذکورہ عنوان سے ہوا، جسے استفادہ کے لیے حکمت بالغہ سے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

(حکمت بالغہ ستمبر 2013ء)

Marfat.com

دائمی زندگی کی خواہش

ہر انسان کے اندر ایک خواہش مضمر ہے کہ کسی طرح اسے دائمی اور ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو جائے اسی لیے بعض لوگ زیادہ کمانے، مضبوط مکانوں کی تعمیر اور جسمانی لحاظ سے صحت مند رہنے کے لیے بروقت علاج معالجہ پر کافی توجّہ دیتے نظر آتے ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو عارضی طور پر جنّت میں رکھا گیا تھا تو شیطان نے اسی دبی ہوئی خواہش پر اُکساتے ہوئے کہا تھا کہ جس درخت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع کیا ہے وہ ہمیشہ کی زندگی کا راز اور نہ ختم ہونے والی حکومت (کی علامت) ہے۔ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (120:20)۔ اور یہی دبی ہوئی خواہش تھی جس کے تحت ہمارے جدامجد حضرت آدم (اور ہماری اماں حوا) نے اسے کھالیا۔ یہ خواہش آج بھی ہر انسان میں موجود ہے۔ سورۃ العصر میں اس خواہش کا متضاد لفظ 'خسارہ' آیا ہے جس کے معنی کسی نعمت کا انسان کے پاس پہلے موجود ہونا اور پھر چھن جانا ہے۔ یہ زندگی انسان سے چھین لی جائے گی یہ نعمتیں (مال، اولاد، مکان، رشتہ دار وغیرہ) سب چھن جانے والی ہیں۔ اس کا علاج یعنی خسارے سے بچنے اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے لیے قرآن مجید کا بتایا ہوا طریقہ یہ ہے کہ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ تشریح منتخب نصاب میں درج تشریح سے اضافی طور پر ہے اسی نقطہ نظر سے اہل علم اس پر غور فرمائیں۔

Marfat.com

نجات کا معنی ہے کسی سے چھٹکارا حاصل کرنا یا کسی تکلیف دہ چیز سے، پریشانی والی چیز سے یا نقصان سے بچ جانا۔ انگریزی میں اسے SALVATION کہتے ہیں۔ انسان کو اس دنیا میں جو زندگی ملی ہے، آپ بھی زندگی گزار رہے ہیں میں بھی گزار رہا ہوں، اس طرح کچھ بچے ہیں کچھ نوجوان ہیں، کچھ ابتدائی سٹیج پر ہیں کچھ زندگی کے آخری مراحل میں ہیں، ہر شخص کو اپنی زندگی کے بارے میں بہت سارے خدشات لاحق ہیں۔ آدمی بیمار ہو جاتا ہے، کبھی مالی نقصانات ہو جاتے ہیں، ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے یا کسی حادثے میں آدمی اپاہج ہو جاتا ہے، کسی کا والد فوت ہو جاتا ہے، کسی کے عزیز واقارب فوت ہو جاتے ہیں، کبھی اپنا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کو پالا تھا بڑا افسر بنانا تھا اور اسے بڑھاپے کا سہارا بننا تھا لیکن بہت ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے، بہت ساری خواہشات مٹی میں مل جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اس دنیا میں ایک خواہش ہے کہ اسے دائمی زندگی ملے۔ نوجوان اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن بڑی عمر کے آدمی اس کو تسلیم کریں گے کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ ہمیش زندہ رہوں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ آدمی چاہتا ہے لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو۔ جس آدمی کو اس دنیا میں سہولتیں میسر ہوں وہ مرنا نہیں چاہتا، عمر چاہے سو سال سے زیادہ ہو لیکن آسودہ حال ہو، بیمار پڑا ہوا نہ ہو، وہ مرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ بھی ایک دائمی زندگی چاہتا ہے۔ یہ تو انسان کی خواہشات ہیں لیکن اس کے برعکس جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی پچاس سال کا ہوتا ہے (آج پاکستان میں اوسط عمر پچاس سال ہے) بہت سارا پیسہ کماتا ہے بہت ساری خواہشات رکھتا ہے مکانات بناتا ہے کاروبار چلاتا ہے لیکن بالآخر ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کی روح کو لے جاتا ہے۔ رشتہ دار اور تعلق والے سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ آدمی جو چاہتا تھا کہ ہمیشہ زندہ رہوں اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی شاید تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے درمیان کے وقفے کا نام ہے لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ علامہ اقبال کی ایک مشہور نظم ہے بانگ درا میں 'زندگی' جس میں انہوں نے کہا ہے: ؏ جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اس دنیاوی زندگی کی جو شام ہوتی ہے وہ ایک آنے والی لمبی زندگی کی صبح ہے۔ اس دنیاوی زندگی کی موت آئے گی تو دوسری زندگی کی ابتدا ہو جائے گی۔ زندگی کی اس حقیقت سے جو بات سامنے آتی ہے اسی کی روشنی میں دراصل ہم نے نجات کی راہ پر بھی غور کرنا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے لوگ آئے ہیں ہر شخص کے دل میں ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے۔ کسی نے تاج محل بنا دیا کہ چلو میں تو نہیں رہوں گا میرے بعد لوگ یاد کریں گے کہ کسی نے تاج محل بنایا تھا۔ کسی نے کوئی اور یادگار بنا دی، کسی نے قطب مینار بنا دیا، کسی نے عراق میں بابل کے معلق باغات بنا دیے، کسی نے اہرامِ مصر بنا دیے۔ آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے مصر میں فرعون نام کے حکمران بادشاہ تھے جن کے پاس بڑے وسائل تھے اور ان میں ہر بادشاہ یہی چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ رہے لیکن یہ اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ آدمی نے تو مرنا ہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اہرام مصر بنائے۔ جو بھی بادشاہ آتا تھا وہ فرعون کہلاتا تھا فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ان کا لقب تھا، ہر بادشاہ کا نام الگ تھا لیکن کہلاتا فرعون تھا۔ جیسا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت آئی تھی اس میں بابر، ہمایوں، اکبر یہ سارے حکمران مغل بادشاہ کہلاتے تھے، لیکن نام ان کے الگ ہیں شاہ جہان، اورنگ زیب وغیرہ۔ اسی طرح فراعنہ مصر تھے وہ فرعون کہلاتے تھے یہ ان کا لقب تھا۔ ان میں ایک بڑا بادشاہ تھا جس کا نام خوفہ تھا۔ اس نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں ہی بنوالیا تھا اس نے 16 ایکڑ پر رقبے پر ایک ہی عمارت بنائی 900 فٹ لمبی، 900 فٹ چوڑی اور 500 فٹ اونچی ایک عمارت بنائی، ایک سائز کے بڑے بڑے پتھروں والی، جو آج بھی موجود ہے۔ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا؟ اسی میں اس کو دفنایا گیا اور اسی میں اس کا خزانہ رکھ دیا گیا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ میں نہیں رہوں گا لیکن دنیا کے اندر میری یاد ہمیشہ رہے گی کہ فلاں بادشاہ نے یہ عمارت بنوائی۔ یہ اہرام بتا رہے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک خواہش ہے، اندر سے ایک 'ہوک' اٹھتی ہے کہ میں کسی طرح ہمیشہ زندہ رہوں، مجھے دائمی زندگی مل جائے، مجھے موت نہ آئے۔ قرآن مجید میں

Marfat.com

ہے کہ کافر ایسی عمارتیں بناتے ہیں جیسے انہوں ہمیشہ رہنا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (129:26) آج بھی انسان کا یہی حال ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔ جھنگ کی کوٹھیاں ہوں یا لاہور کی یا کراچی کی، بحریہ ٹاؤن ہو یا ڈیفنس، ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید بنوانے والا سمجھتا ہے کہ میں نے ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔

نجات کی راہ کیا ہے؟ اب اس پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو خواہش ڈالی ہے اس کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ ہر انسان کا خواب ہے کہ میں ہمیشہ رہوں تو اس خواب کی کوئی تعبیر بھی ہے۔ اس کی حقیقی تعبیر یہ ہے کہ ایک راہ ایسی ہے جس پر چلنے سے انسان کو دائمی زندگی مل سکتی ہے کہ انسان کبھی نہیں مرے گا، وہ راہ 'نجات کی راہ' ہے اگر انسان اس راستے پر نہ چلے تو نقصان ہی نقصان ہے اور اس صورت میں انسان کی جو دائمی زندگی ہوگی اس میں لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی کی کیفیت ہوگی۔

نجات کی راہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو پریشانیاں اور جو تفکرات ہیں کہ یہ ہوجائے گا وہ ہوجائے گا، صلاحیتیں چھن جائیں گی، بینائی ختم ہوجائے گی، زندگی مشکل ہوجائے گی کدھر کدھر بھاگیں گے...... ایک وقت میں جسم بھی چھین لیا جائے گا، یہ زندگی ختم ہوجائے گی۔ قرآن بتا رہا ہے کہ ایک نجات کی راہ ہے۔ اگر آپ اللہ کی بات مان لیں، اللہ کے رسول ﷺ کی بات مانیں تو نجات کی راہ موجود ہے۔ اگر آپ اس راستے پر چل پڑیں جو بتایا جا رہا ہے تو پھر آپ کو ایک دائمی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی مل جائے گی۔ اس بات کو ایک دوسرے انداز میں قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ العصر تیسویں پارے میں 103 نمبر سورت ہے اور تین آیات پر مشتمل ہے، قرآن مجید کی مختصر سورتوں میں سے ہے۔ فرمایا:

وَالْعَصْرِ ۝ .... ''زمانے کی قسم ہے۔ زمانہ گواہ ہے''

آپ دائیں بائیں دیکھیں، آج کے زمانے میں دیکھیں۔ پاکستان میں دیکھیں جاپان میں امریکہ میں غرض ہر جگہ دیکھیں اور ماضی میں سو سال پہلے، ہزار سال پہلے، ہزاروں سال پہلے دیکھ لیں

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

''بے شک تمام انسان (HUMANITY AT LARGE) خسارے میں ہیں''

Marfat.com

خسارے سے بچنے والے بھی کچھ لوگ ہیں ایک اقلیّت ہے تھوڑے سے لوگ ہیں جو اس خسارے سے بچ جاتے ہیں جن کو دائمی زندگی نصیب ہو جائے گی۔ وہ کون لوگ ہیں؟ جو چار شرطیں پوری کریں یا جو چار کام کریں اُن کو دائمی زندگی مل سکتی ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا "جو ایمان لائے" وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ "اور جنھوں نے اچھے کام کئے" ایمان کے تقاضے پورے کیے، اس راستے پر جو آگے بڑھانے والی چیزیں ہیں ان کو اختیار کیا۔

وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ "اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کی" یعنی دوسروں کو بھی مشورہ دیا کہ آپ بھی ایسے کر لیں تو آپ کی بھی دائمی زندگی سنور جائے گی یا آپ کو یہ کوتاہیاں نہیں کرنی چاہیے ورنہ آپ کی آئندہ زندگی میں مشکلات ہوں گی۔

وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝ "اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی"

اس راستے میں کچھ مشکلات بھی آئیں گی اور مشکلات آتی ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک آدمی کوئی بات کہہ رہا ہو تو دوسرا لازمی اس کی تصدیق کرے۔ بحث و مباحثہ ہوتا ہے اور کبھی لڑائی جھگڑا بھی ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے کہا ہے کہ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ اگر آپ لوگوں کو راہِ نجات کی تلقین کریں گے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ سب آپ کی بات مان بھی لیں لیکن پھر بھی آپ اپنی بات کہتے رہیں کوئی مانے یا نہ مانے۔ یہ چار شرائط ہیں جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ چار ٹارگٹ حاصل کر لیں تو بس آپ نقصان سے بچ سکتے ہیں اور آپ کی زندگی دائمی خوشگوار زندگی بن سکتی ہے۔

اس آیت کی رو سے خسارے کا لفظ غور طلب ہے۔ خسارہ کسے کہتے ہیں؟ قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں کہ زمانہ گواہ ہے کہ اللہ نے سب انسانوں کو ایسا بنایا ہے کہ اگر وہ اُس راستے پر چلیں جس سے انہیں دائمی زندگی ملے مگر اکثریت انسانوں کی ایسی ہے کہ اس راستے کے تقاضے پورے نہیں کرتی اور عیاشی بدمعاشی وغیرہ میں لگ کر اپنے فوری فائدے کے لئے اپنا دائمی نقصان کر لیتی ہے۔ فرمایا: وَالۡعَصۡرِ زمانہ اس پر گواہ ہے۔ اکثر لوگوں کو دائمی زندگی کی خواہش ہے لیکن اس کے تقاضے پورے نہیں کر رہے ہیں اس کے لئے جو قربانی دینی چاہیے اس کے لئے جو ایثار کرنا چاہیے، وقت خرچ کرنا چاہیے، خواہشات پر کنٹرول کرنا چاہیے وہ کام نہیں کرتے ہیں۔ خواہشات

Marfat.com

پوری کرنا چاہتے ہیں ساتھ ہی دائمی زندگی چاہتے ہیں، ایسا نہیں ہوگا۔اس خسارے پر سارا زمانہ گواہ ہے۔اس وقت دنیا کی آبادی 700 کروڑ سے زیادہ ہے، لیکن ان میں سے کتنے لوگ ہیں جو آخرت کے متعلق سوچتے ہیں اور ان شرائط کو پورا کر رہے ہیں بہت کم لوگ ہیں شاید ایک فیصد بھی نہیں۔خسارہ عربی لفظ ہے اردو میں بھی بولا جاتا ہے۔کوئی آدمی ہے جس کے پاس کئی لاکھ کا سرمایہ ہے وہ کوئی کام شروع کرتا ہے سال بعد اس کا سارا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے اس کے پاس پہلے سرمایہ تھا اب ختم ہو گیا اس کو کہتے ہیں کہ خسارہ ہو گیا۔ایک چیز اس کے پاس تھی وہ کچھ عرصے میں ختم ہو گئی۔کسی کے پاس آج صحت ہے مگر وہ ایسے کام کرتا ہے کہ وہ صحت خراب ہو جاتی ہے کسی کے پاس آج عہدہ ہے اور کل وہ عہدہ ختم ہو جاتا ہے کسی کو آج عزت حاصل ہے لیکن وہ کام ایسے کرتا ہے کہ کل اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے یہ خسارہ ہے۔آپ کے پاس کوئی چیز موجود ہے اور آپ اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے لہٰذا وہ آپ سے چھن جاتی ہے۔اسی طرح اُردو میں بیوی کے والد جس کو انگریزی میں FATHER IN LAW کہتے ہیں اس کو سسر یا خسر کہتے ہیں یہ بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔ایک آدمی کے گھر ایک بیٹی ہے 18-20 سال کھلایا پلایا ہے پالا پوسا ہے لیکن وہ اس سے چھن جاتی ہے وہ اسے دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔کوئی چیز اس کے پاس تھی اب وہ نہیں رہی اب وہ اس گھر کا فرد نہیں رہی کبھی کبھار آتی ہے۔یہ خسارہ کا مفہوم ہے۔قرآن مجید ایک دوسری جگہ پر کہتا ہے کہ سب سے بڑا خسارہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ دنیا کا خسارہ ہے کہ انسان کے پاس صحت ہے، مال ہے، عزت ہے، عہدہ ہے بہت ساری مثالیں دنیا میں موجود ہیں حکمران ہوتے ہیں اس وقت فرعون بنے ہوتے ہیں پھر دو، چار یا پانچ سال بعد دیکھتے ہیں کہ ہتھکڑیاں پہنی ہیں پولیس کبھی اس عدالت میں کبھی اس عدالت میں لے جا رہی ہے۔ایک آخرت کا خسارہ ہے۔انسان کے اندر اس بات کا امکان ہے اللہ نے انسان کے اندر وہ سارا POTENTIAL رکھا ہے کہ اگر انسان نیک کام کرے تو اس کو دائمی زندگی حاصل ہو۔اچھے کام کرے تو آخرت میں دائمی زندگی مل جائے جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہو۔لیکن اکثر لوگ ایسی زندگی گزارتے ہیں کہ دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی خسارہ۔خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَۃَ۔صرف دنیا کا خسارہ کم نہیں تھا لیکن دنیا میں بھی خسارہ ہو جائے اور آخرت میں بھی کچھ نہ ملے ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ

Marfat.com

یہ سب سے بڑا خسارہ ہے اس سے زیادہ انسان کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت اور کوئی نہیں۔

یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ ہم میں ہر شخص جو دائمی زندگی چاہتا ہے اس کا جواب اگر ہے تو صرف قرآن مجید میں ہے اس کے علاوہ دنیا کا کوئی فلسفہ، مذہب، سوچ، کسی آدمی کے خیالات انسان کو دائمی زندگی کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ وہ محمد ﷺ ہی ہیں جنہوں نے یہ بتایا ہے کہ ایک اور زندگی آئے گی جو دائمی زندگی ہے۔ اگر کوئی یہاں ایسے کام کر جائے جو اللہ بتا رہا ہے تو دنیا بھی اچھی گزر جائے گی اور موت کے بعد والی زندگی بھی۔ موت ختم ہونے کا نام نہیں ہے، موت تو ایک دائمی زندگی کے آغاز کا نام ہے۔ جیسے بچے سکولوں میں پڑھتے ہیں پھر کالج میں پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر تعلیمی زندگی ختم کر کے عملی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک طریقہ زندگی سے گزر کر تعلیمی زندگی ختم کر کے عملی زندگی میں قدم رکھ دیتے ہیں۔ پہلے آدمی اکیلا ہوتا ہے پھر شادی ہو جاتی ہے یہ زندگی کی مختلف STAGES ہیں۔ اسی طریقے پر اس دنیا کی زندگی سے موت کے بعد انسان دوسری زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ موت ختم ہونے کا نام نہیں اگر موت ختم ہونے کا نام ہو تو پھر اس دنیا کے نتائج ہی اور ہوں۔ بے شمار لوگ جو لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں دوسروں کا حق مار رہے ہیں ناجائز پیسہ جمع کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کے نزدیک اس کا نتیجہ نکلنا ہے اور ہر آدمی کا حساب کتاب ہونا ہے اگر موت ختم ہونے کا نام ہو تو جو لوگ اربوں روپے کھا جاتے ہیں فائدے میں ہیں یعنی حرام کھایا، مر گیا اور ختم ہو گیا، کوئی حساب ہی نہیں۔ یہ خواہش تو ہو سکتی ہے کہ ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے ایک اور زندگی مرنے کے بعد آنے والی ہے یہ زندگی عارضی زندگی ہے موت کے ذریعے ہمیں ایک دوسری زندگی میں داخل ہونا ہے اور وہ زندگی دائمی زندگی ہے۔ حضور ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ نے خوبصورتی کے ساتھ آخرت کی دائمی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَ اللّٰہِ اِنَّکُمْ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ

اللہ کی قسم! اے لوگو، تم سب مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو۔

ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ

پھر یقیناً اُٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو،

Marfat.com

ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعمَلُونَ

پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا

ثُمَّ لَتُجزَوُنَّ بِالِاحُسَانِ اِحُسَانًا وَ بِالسُّوءِ سَوءً

اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا۔

وَ اِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوِ النَّارُ اَبَدًا (الرحیق المختوم)

اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی

موت ختم ہونے کا نام نہیں یہ ایک آرام کا وقت ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ یہ ہے آخرت کی زندگی، ہمیشہ ہمیش کی زندگی۔ دائمی زندگی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آدمی اس دنیا میں غلطیاں کرے اور وہاں سزا پائے۔ وہ بھی زندگی ہے لیکن اصل دائمی زندگی ہم اس کو کہیں گے کہ انسان یہاں اچھے کام کرے وہاں امن وسکون واطمینان کے ساتھ دائمی زندگی گزارے جس میں نہ کوئی پریشانی ہو نہ کوئی دباؤ ہو نہ کسی عزیز کے فوت کی غمی ہو اور نہ کسی اور نقصان کا کوئی خدشہ ہو وہاں آرام ہی آرام اور سکون ہی سکون ہو۔ قرآن مجید ہمیں اس حوالے سے بات سمجھا رہا ہے کہ ہر انسان کی جو دائمی زندگی کی خواہش ہے اس کے لئے اس دنیا میں اپنی یادگاریں چھوڑ کر جاتا ہے، تختیاں لگواتا ہے، پتھر لگواتا ہے، کسی افتتاح پر اپنے نام کی تختیاں لگاتا ہے تاکہ لوگ یاد رکھیں کہ یہ اس نے بنوائی تھی۔ تاج محل اسی طرح بنا ہے، بابل کے باغ اسی طرح تھے، باشاہوں کے محلات اسی طرح ہیں وغیرہ۔ ہر آدمی کے اندر دائمی زندگی کی خواہش ہے اور یہ خواہش آپ کے اندر بھی ہے میرے اندر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو مخاطب کر رہا ہے اسی کو زیر بحث لا رہا ہے کہ جناب یہ خواہش ہے تو یہ نہیں ہے کہ اس کو ایک طرف ہی رکھ دیا جائے۔ اس خواہش کا ایک حصہ آپ کو مل سکتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے قربانی دیں۔ آخرت کی دائمی زندگی آپ کو بھی میسر آسکتی ہے بشرطیکہ آپ یہ چار کام کر لیں جو قرآن مجید کہتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جنت میں جو خوش نصیب لوگ جائیں وہ خالدین فیھا ابدا وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے۔

قرآن مجید کی یہ سورۃ العصر ہمیں نجات کی راہ اور خسارے سے بچاؤ کا راستہ بتا رہی ہے اور سادہ الفاظ میں خسارے سے بچاؤ یہ ہے کہ میاں تم کیا سوچ رہے ہو تمہارے پاس جو چیز

Marfat.com

بھی ہے وہ تم سے چھن جاتی ہے آج تمہارے پاس صحت ہے چھن جائے گی، آنکھیں ہیں چھن جائیں گی جسم ہے ختم ہو جائے گا، حتیٰ کہ تمہاری یہ جو دنیا کی زندگی ہے تمہیں موت آئے گی تمہارے رشتہ دار تمہیں قبر میں دفنا آئیں گے۔ ایک ہی شکل ہے کہ اگر تم آخرت پر ایمان لا کر اس کے مطابق کچھ کام کر لو تو تمہیں مثبت دائمی زندگی مل سکتی ہے جہاں پر نہ کمانے کی فکر ہوگی، نہ انسانی مصیبتیں مثلاً بیماری، پریشانی، تھکاوٹ۔ ان ساری پریشانیوں سے اس زندگی میں مستقل طور پر نجات مل جائے گی۔ وہاں سے متعلق قرآن مجید اور احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ انسان وہاں ایک خاص عمر میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث کے مطابق 30-35 سال کی عمر میں انسان (چاہے جوانی میں فوت ہوا ہو چاہے بوڑھا ہو کر) اس میں داخل کیا جائے گا عمر نہیں بڑھے گی، ناخن نہیں بڑھیں گے، بال نہیں بڑھیں گے، بیماری نہیں ہوگی، پریشانی نہیں ہوگی، یہ وہ دائمی زندگی ہے جس کا اس دنیا میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دنیا میں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک بحریہ ٹاؤن یا کسی اور سوسائٹی میں ایک بہت بڑا بنگلہ بنالیا ہے یا خرید لیا ہے بہت اچھی جگہ ہے چاروں طرف باغ ہیں اس میں ہرن ہیں پرندے ہیں جانور ہیں اور بہت سی خاص جگہیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ کہ اس دنیا میں آپ جتنا بڑا گھر بنالیں اور کتنے ہی اچھے ماحول میں بنالیں کبھی بجلی چلی جائے گی کبھی پنکھا خراب ہو جائے گا۔ اس طرح کی اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنا بڑا گھر بنایا جاتا ہے اس کا اتنا ہی زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دنیا میں گھر بنالیتے ہیں مگر وہ دائمی نہیں ہوتا، مشاہدہ میں آیا ہے کہ کتنے لوگ ہمارے سامنے ریٹائر ہوتے ہیں پہلے آرزو کرتے ہیں کہ ریٹائر ہوں گے تو گھر بنانا ہے (کیونکہ ساری عمر کرائے کے مکان میں گزاری ہوتی ہے) ریٹائر ہوتے ہی مکان بنایا مگر ابھی پورے طریقے سے شفٹ نہیں ہوتے کہ ملک الموت آجاتا ہے۔

اس دائمی زندگی کو حقیقتاً حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر میں چار شرائط بیان کی ہیں۔ یہ چاروں شرائط لازمی ہیں تب ہمیں وہ دائمی زندگی مل سکتی ہے اور ہم خسارے سے بچ سکتے ہیں اور اگر چاروں شرائط پوری نہ ہوں گی تو کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ مزید یہ کہ یہاں کم سے کم کا ذکر ہے، اونچے درجوں کا ذکر نہیں۔ اگر یہ ہو کہ یہ چار کام کرنے سے اعلیٰ درجے کی زندگی ملے گی تو پھر آدمی سوچ سکتا ہے کہ چلو 1st ڈویژن نہ سہی 2nd سہی، 3rd سہی، پاس تو ہو جائیں

Marfat.com

گے۔انداز یہ نہیں ہے۔انداز یہ ہے کہ کم از کم پاس مارکس جو ہو سکتے ہیں اگر تم چار کام کر لو تو پھر فیل ہونے سے بچ جاؤ گے۔ وہ سزا والی دائمی زندگی سے بچ جاؤ گے۔لہٰذا یہ چاروں شرطیں پوری کرنا لازمی ہیں۔اور وہ یہ ہیں:

1 پہلی شرط ہے ایمان۔الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور کئی اصطلاحات اور الفاظ کی طرح ہمارے گھروں میں ایمان کا لفظ بولا جاتا اور بچے بھی اگر کسی کا حق مارا جائے، باری نہ ملے تو کہتے ہیں کہ بے ایمانی ہو گئی۔ایمان کا مطلب ہم سمجھتے ہیں مگر اس کے تقاضے پر بھی غور کرنا ہوگا۔ایمان کا لفظ امن سے بنا ہے اور جس کو ایمان حاصل تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کو سکون کی کیفیت حاصل ہو۔ایمان کا ایک حصہ اقرار باللسان کہلاتا ہے دوسرا تصدیق بالقلب ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان زبان سے گواہی دے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ"۔ یہ اقرار باللسان ہے۔ جو آدمی یہ کہے وہ مسلمان کہلاتا ہے اسے صاحب ایمان کہتے ہیں۔لیکن کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غلطی کر کے کہیں پکڑا جاتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کام کیوں کیا؟ تو دل میں اور بات ہوتی ہے مگر آدمی زبان سے اور بات کہہ رہا ہوتا ہے۔ بچہ سکول سے گھر لیٹ پہنچے اور اس سے پوچھا جائے تو وہ دل میں حقیقت جاننے کے باوجود زبان سے اور بات کرے گا کہ صحیح بات کرنے سے پٹائی ہو گی۔گھر سے سکول دیر سے جائے تو بھی یہی معاملہ ہوتا ہے کہ بچہ جھوٹ بولتا ہے یہ عام مثالیں ہیں کہ دل میں اور بات ہو اور زبان پر اور بات ہو۔اس بات کی تصحیح ہونی چاہئے۔اس کو قرآن کہتا ہے کہ اور معاملات میں تو اصلاح ہوتی رہے گی مگر ایمان کے بارے میں انسان زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین نہ ہو تو بات نہیں چلے گی۔اس لئے کہا گیا کہ پہلا حصہ زبان سے اقرار ہے اور دوسرا یہ ہے کہ زبان کی کہی ہوئی بات دل میں بھی ہو۔ اور دل اور زبان کی کیفیت ایک ہی ہو یہ ایمان حقیقی ہے۔اگر ایسا ایمان پیدا ہو جائے تو قرآن اس ایمان کی بہت شان بیان کرتا ہے۔اچھے انداز سے تذکرہ کرتا ہے گویا انسان دائمی زندگی کے راستے پر چل پڑا ہے۔

2 دوسری شرط ہے عمل صالح۔ یہ بات ایمان کا حصہ ہے کہ ہم اللہ کو، محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں قرآن اور فرشتوں کو مانتے ہیں آخرت کی زندگی کو مانتے ہیں۔ یہ دنیاوی زندگی مکمل نہیں

Marfat.com

ہے کہ اچھوں کا اچھا نتیجہ اور بروں کا برا نتیجہ نہیں نکلتا۔ مرنے کے بعد اور زندگی ہے جو نبیوں نے بتائی ہے۔ کوئی فلسفی یا سائنسدان نہیں بتا سکتا۔ صرف نبیوں نے یہ بات بتائی ہے۔ یہ ایمان ہے یہ پہلا نشان ہے اگر آپ صحیح راستے پر ہیں تو یہ نشان آتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ جھنگ سے ٹوبہ جا رہے ہیں۔ 10 کلومیٹر کے بعد قصبہ باغ آتا ہے۔ آپ گاڑی پر سفر شروع کریں اور پندرہ بیس منٹ تک قصبہ باغ نہ آئے تو آپ سمجھ جاتے ہیں کہ غلط سڑک پر آگئے ہیں۔ اگر آپ سیدھے راستے پر ہیں تو یہ منزل آنی چاہئے۔ اگر نجات کی راہ پر چل پڑے ہیں، ایمان آپ نے پالیا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے تو اگلی منزل نظر آنی چاہئے اور وہ منزل ہے عمل صالح۔ جیسے ٹوبہ جاتے ہوئے باغ آنا چاہئے اسی طرح ایمان صحیح ہے تو انسان کا عمل بھی بدلنا چاہئے اس کی سوچ، باتیں، گفتگو، اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہونا چاہئے۔ البتہ اس میں غلطی کوتاہی ہو جانا الگ بات ہے۔ اگر کسی شخص نے دائمی زندگی حاصل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تو وہ رات کو جب چاہے سوئے، صبح جب چاہے اٹھے۔ لیکن اگر اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں آخرت کی زندگی چاہتا ہوں اور ایمان بھی حاصل کر لیا ہے اور عمل صالح پر چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو سونے جاگنے کے اوقات بدلنے ہوں گے، زندگی بدلنی ہوگی۔ ورنہ ایمان صرف زبان تک محدود ہے۔ یہ تبدیلی دراصل عمل صالح ہے۔ مزید یہ کہ انسان کے اندر خواہشات ہیں ان کو قابو کرنا عمل صالح ہے۔ اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ عمل صالح کس کس چیز کا نام ہے؟ آخرت کے بارے میں آنحضور ﷺ نے بتایا ہے اور دائمی زندگی اللہ نے دینی ہے۔ لہٰذا اس راستے کے تقاضے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ بتائیں گے۔ عمل صالح وہی ہوں گے جو اللہ نے بتائے ہیں جو آنحضور ﷺ نے واضح کر دیے ہیں۔ امریکہ کا ایک نوجوان جو اللہ کو نہیں مانتا یا جو عیسائی ہے اس کے اور مسلمان کے ٹائم ٹیبل میں فرق ہوگا۔ مسلمان اور ہندو کے ٹائم ٹیبل میں فرق ہوگا لائف سٹائل، سونے، جاگنے میں فرق ہوگا۔ ہم مسلمان دائمی زندگی کی بات کرتے ہیں وہ دائمی زندگی کو مانتا ہی نہیں ہے۔ تو اس کا طرز عمل اور ہوگا ہم مسلمانوں کا طرزِ عمل اور ہونا چاہیے، ترجیحات کا فرق ہوگا۔

عمل صالح ہر اس عمل کا نام ہے جو اللہ نے ہمارے لئے معین کر دیے ہیں۔ سادہ الفاظ

Marfat.com

میں ہر وہ کام جو حضرت محمد ﷺ نے اختیار کیا ہے اور ہمیں بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ نے بعض کام ایسے کیے ہیں جو خصوصی طور پر صرف آپ ﷺ کے لئے تھے، ان کو چھوڑ کر باقی سب کام جو آپ ﷺ نے بتائے ہیں اور حکم دیا ہے وہ سارے کام کرنے ہوں گے اور یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ دین کے سارے کام ایک ہی وقت میں کرنے کے نہیں ہیں۔ ایک کام آج ہے۔ ابھی آدمی کھانا کھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اذان ہوگی نماز پڑھنی ہوگی پھر جہاد کا حکم دیا جائے گا تو جہاد کے لئے نکلنا ہوگا۔ کاروبار میں جائے گا تو اس کے معاملات ہوں گے۔ ایک نوجوان کے تقاضے اور ہیں جب اس کی شادی ہوگی اس کے تقاضے اور ہوں گے۔ ابھی کوئی آدمی اکیلا ہے پھر اس کے بچے ہوں گے پھر اس کے بچے جوان ہوں گے اس وقت کے تقاضے اور ہیں۔ سارے احکامات پر ایک ہی وقت میں عمل نہیں کیا جا سکتا۔ آدمی میں جذبہ ہونا چاہیئے کہ جو آج تقاضے ہیں وہ آج ہی پورے کر رہا ہوں جو 20 سال بعد کے تقاضے ہوں گے وہ تب پورا کروں گا جو 30 سال کے بعد کے تقاضے ہوں گے وہ تب پورا کروں گا۔ تو ہر شخص کو ارادہ کرنا چاہیئے کہ مجھے بہر حال دین پر چلنا ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے دائرے کے اندر اندر زندگی گزارنی ہے۔

3 تیسری شرط ہے تواصی بالحق۔ اگر اسے بھی عمل صالح کا حصہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عمل صالح یعنی تواصی بالحق بھی کرو۔ اور اگر الگ سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ عمل صالح بھی کرو اور تواصی بالحق بھی کرو۔ نماز روزہ بھی کرو اور دین کو دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اللہ کے دین کو اللہ کی مخلوق تک پہنچانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ آج محمد ﷺ کے بعد 1400 سال گزر چکے ہیں لیکن اگر آج ہم اللہ کا نام لیتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ چیزیں ہمیں کس نے پہنچائی ہیں براہ راست آپ ﷺ سے ہم نے نہیں سنی بلکہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا اور عمل کر کے بتایا۔ انہوں نے اس کو سمجھا اور آگے پہنچایا پھر انہوں نے آگے پہنچایا پھر انہوں نے آگے پہنچایا۔ اسی طرح کسی نے ہم تک یہ دین پہنچا دیا ہے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے آگے پہنچائیں۔ بڑی کوتاہی ہوگی کہ ہم تک تو یہ پیغام پہنچ جائے، ہم کامیابی کے راستے پر چل پڑیں، مگر اگلی نسل کو نہ پہنچائیں۔ اگلی نسل ہمیں بُرا کہے کہ خود عمل کر لیا مگر ہم تک نہ پہنچایا۔ تو یہ بھی

Marfat.com

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم حق بات کرتے رہیں، کہتے رہیں، لوگوں کے کانوں میں ڈالتے رہیں کوئی سنے یا نہ سنے، کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی بات نہیں، ہمارا کام پیغام پہنچانا ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں رسول کو انگریزی میں MESSANGER کہتے ہیں اور رسالت کو MESSAGE۔ محمد ﷺ پیغامبر ہیں۔ اس کے معنی بھی پیغام لانے والے کے ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے جو پیغام آیا تھا اس کو لوگوں تک پہنچانا آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا۔ اسی طرح یہ پیغام آج ہمارے پاس ہے اگر ہم اس کو جوں کا توں آگے پہنچائیں (یہ نہیں کہ آدھا چھپالیں) تو یہ تواصی بالحق ہے۔ جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے سیکھا اور آگے پہنچایا۔

4 چوتھی شرط ہے تواصی بالصبر۔ اگر تم دائمی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ راستہ اپناؤ۔ مگر عمل صالح اور تواصی بالحق کا راستہ مشکل راستہ ہے۔ اپنے بھائی کو بتانا، برادری کو بتانا، حکمرانوں کو بتانا مشکل ہے؛ اسی لیے فرمایا اس راستے میں مشکلات آئیں گی۔ کبھی ایسا ہوگا کہ آپ بات کہیں گے تو لوگ WELCOME کریں گے لیکن کبھی ایسا ہوگا کہ لوگ نہیں سنیں گے۔ کبھی کبھی ایسا ہوگا آپ کو ناپسند کریں گے۔ آپ ﷺ کے ساتھ یہ سارے معاملات پیش آئے ہیں آپ ﷺ سے بہتر کوئی معلم نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے بہت اعلیٰ سطح پر کام کیا جیسا کرنے کا حق تھا مگر مخالفتیں ہوئیں۔ ہمارا راستہ بھی روکا جاسکتا ہے رکاوٹیں آسکتی ہیں، نہ آئیں تو کوئی بات نہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ اس کام میں مشکلات آتی ہیں۔ قرآن مجید کے دوسرے پارے میں ارشاد ہے، جس میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ غلط فہمی میں نہ رہنا کہ ہم ہجرت کر کے اللہ پر احسان کر کے آئے ہیں بلکہ عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ جانیں جائیں گی توقعات ختم ہوں گی اور مشکلات آئیں گی اور اس آیت سے پہلے فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝﴾ ”جو اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہے مگر تم جان نہیں سکتے۔“ یہاں کوئی موت ہو جائے تیسرے دن ساتویں دن اکٹھ ہوتا ہے اور لوگ چیزیں پیش کرتے ہیں کہ متوفی کو یہ چیزیں پسند تھیں پتا نہیں وہاں مل رہی ہیں کہ نہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ اگر وہ نیک آدمی ہے تو وہ ایسی دائمی زندگی میں

Marfat.com

ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے ساتھ برداشت کرنا ہوگا صبر کرنا ہوگا۔ بات آسان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق دے کہ ہم ایک دائمی زندگی حاصل کرنے کا فیصلہ کریں۔ اس کے ضمن میں ایمان درکار ہے، عمل صالح درکار ہے، قربانی درکار ہے۔ ہر آدمی کے ایمان کا جو درجہ ہے اس سے اسی طرح کا عمل صالح درکار ہے۔ مثلاً دیہاتی آدمی جو شہر نہ آتا ہو پھر بھی دائمی زندگی کی خواہش اس کا حق ہے۔ اس سے تھوڑا ایمان اور تھوڑا عمل درکار ہے اس سے تواصی بالحق اور بالصبر بھی تھوڑا درکار ہوگا۔ دوسری طرف ملک کا وزیر اعظم یا صدر یا کوئی باحیثیت شخص ہو سکتا ہے اس کا ایمان بہت اعلیٰ ہونا چاہیے اور عمل صالح بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہئے۔ ایمان بڑا ہے تو عمل صالح بھی بڑا اور تواصی بالحق بھی بڑا اور صبر بھی بڑا درکار ہے۔ اور چاروں چیزیں ضروری ہیں لازمی ہیں شاعری میں ایسا ہوتا ہے شعر میں کئی الفاظ صرف وزن پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اچھے شاعروں کے شعروں میں فضول اور زائد الفاظ کم ہوتے ہیں۔ غالب کو اس بات پر مان تھا کہ جو لفظ میرے شعر میں آئے اسے عام نہ سمجھو۔ لیکن قرآن مجید جو اللہ کا کلام ہے اس کا ہر لفظ 101 فی صد ضروری تھا تو اللہ نے استعمال کیا۔ لہٰذا اللہ نے اگر آخرت کی کامیابی کی چار شرائط بتائی ہیں تو وہ پونے چار نہیں ہو سکتی۔ چار ہی ضروری ہیں دو نہیں ہو سکتیں۔ آج ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم عام مسلمان تواصی بالحق اور تواصی بالصبر تو دور کی بات ہے نماز روزہ بھی نہیں کرتے صرف ایمان بلکہ صرف زبانی کلمہ پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ نجات حاصل ہو گئی۔ ہم آدھی شرط کو لے کر بیٹھے ہیں۔ کوتاہی تو ہو سکتی مگر انسان چار شرطوں کو آدھا کر دے تو یہ ذاتی فیصلہ ہے اللہ کی طرف سے گارنٹی نہیں ہے۔ اسی کو مثال سے سمجھئے۔ ڈاکٹر کا نسخہ سامنے رکھئے اصل دوا ایک ہوتی ہے باقی دوائی اس کے SIDE-EFFECT ختم کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر کوئی انسان زیادہ عقل مند بنے اور کہے کہ میں صرف ایک گولی استعمال کروں گا تو کیا شفا ہو جائے گی۔ اسی طرح حکیموں کے نسخے ہیں۔ ایک چیز 10 گرام ہو اور دوسری 500 گرام اور آپ تو گھر آ کر 10 گرام والی کو 500 گرام اور 500 گرام والی کو 10 گرام کر دیں تو وہ نسخہ شفا نہیں ہو بلکہ وہ نسخہ ہلاکت ہوگا۔ اسی طرح جو شرائط اللہ کی بتائی ہوئی ہیں اگر انسان ان میں کمی کر دے۔ عمل صالح صفر کر دے،

Marfat.com

دوسرے کام بہت اونچے بھی ہوں تب بھی خسارے سے بچاؤ نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ سورۃ العصر ہے جس میں اللہ نے ہمیں ایسے راستے کی نشان دہی کی ہے کہ جس سے انسان کی ایک دبی ہوئی خواہش کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کی سہولیات والی زندگی حاصل کرلوں، پوری ہوسکتی ہے۔اس دنیا میں رہتے ہوئے ہزار میں سے ایک آدمی بھی یہ خواہش پوری نہیں کرسکتا اور آخرت میں ایک غریب سے غریب آدمی بھی اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو اس کو دائمی زندگی مل جائے گی۔اللہ نے اس کے لیے چار شرائط بتائی ہیں:

وَالْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O

زمانہ گواہ ہے کہ بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں۔ان سے ہر چیز چھن جانے والی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اس کے شایان شان عمل کیے اور اسی کی پرچار اور تبلیغ کی اور اس راستے کی مشکلات پر صبر کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھی اور آپ کو بھی ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ دائمی زندگی جس کی ہم خواہش رکھتے ہیں جنت میں ہمیں عطا فرمادے۔آمین۔

اہرامِ مصر کے بارے میں انگریزی زبان کا ایک قطعہ

Calm & resolute, the pyramids
equal into eternity, they define
the cry of man's will to survive
and conquer the strolls of time.

Marfat.com

3

ذِکرُ اللہ

'استحضار اللہ فی القلب'

کے لیے 'وَلَذِکرُ اللّٰہِ اَکْبَر' یعنی قرآن مجید

کے فہم کو

دیگر تمام اذکارِ مسنونہ وماثورہ ومجوّزہ سے

زیادہ اہمیّت دیتے ہوئے

اِسے 'اطمینانِ قلب' کا ذریعہ سمجھنا

اور

ایمان میں اضافہ کا موجب بھی

کیا قرآن مجید میں 'ذِکرُ اللہ' کے الفاظ

خود قرآن مجید کے لیے آئے ہیں؟

(حکمت بالغہ اکتوبر 2009ء)

Marfat.com

Marfat.com

قرآن مجید بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سبحانہ کا کلام ہے اور کلام متکلّم کی صفت ہوتا ہے۔ کلام سے متکلّم کی ہی شانیں جھلکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانیں جس طرح ہمہ گیر اور متنوّع قسم کی ہیں اسی طرح کلام پاک کی شانیں بھی ہمہ گیر اور متنوّع ہیں۔ قرآن مجید کے لئے خود قرآن میں الذکر، ذکریٰ، تذکرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ O (09:15)

"بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا O (19:73)

"یہ (قرآن) تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے) کا راستہ اختیار کرلے"

وَ مَا ھِیَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡبَشَرِ O (31:74)

"اور یہ تو بنی آدم کے لئے نصیحت ہے"

فَمَا لَھُمۡ عَنِ التَّذۡکِرَۃِ مُعۡرِضِیۡنَ O (49:74)

"ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے روگرداں ہورہے ہیں"

کَلَّاۤ اِنَّہٗ تَذۡکِرَۃٌ O فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ O (74:54-55)

"کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد رکھے"

"ذکر" کے لفظی معنی ہیں استحضار اللہ فی القلب (دل میں اللہ کو حاضر کرنا)۔ ہر کام، نصیحت، عمل، تحریر، تقریر، گفتگو ذکر کے درجے میں ہے جس سے قلب میں اللہ کی یاد تازہ ہوجائے یا دل اللہ کی یاد سے بھر جائے۔ اسی معنی میں ذکر کے لفظ میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اللہ نے فطرتِ انسانی میں بعض بدیہی باتیں ڈال دی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں اللہ نے اپنی محبّت کی کوئی نہ کوئی رمق رکھی ہے، نیکی اور بدی کی تمیز رکھی ہے، آخرت اور جوابدہی کا احساس رکھا ہے یہ احساس

Marfat.com

تازہ رہے تو کیا ہی کہنے انسان، انسان رہتا ہے مگر انسان میں نسیان کا مادہ ہے جس کی وجہ سے انسان ان بنیادی حقائق کو بھی کبھی کبھی بھول جاتا ہے ہر چیز یا نصیحت، واقعہ، عمل، تحریر، تقریر یا منظر جو دل میں اللہ کی یاد دوبارہ تازہ کردے اور انسان کو نسیان سے نکال کر 'حضور' کی کیفیت میں لے آئے یہی ذکر ہے اسی لئے ذکر کے معنی پنجابی (یا ھندی) میں لفظ 'چیتا' کرانا کے بھی کیے گئے ہیں جو اس کے حقیقی مفہوم کے بہت قریب ہے۔

اسی مفہوم میں سورۃ ق میں اللہ نے اپنی نعمتوں اور آخرت کے تذکرہ کے بعد فرمایا:

تَبۡصِرَةً وَّ ذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ O (08:50)

''تاکہ رجوع لانے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں''

اسی سورۃ میں موت کے تذکرے، دوزخ اور جنت کے مناظر کے بعد فرمایا: لوگ قرآن مجید کی باتوں پر کیوں توجہ نہیں کرتے؟ بعض لوگ قرآن پر متوجہ ہوتے ہیں مگر اس کے لوازم پورے نہیں کرتے یقیناً قرآن مجید سے فائدہ وہی حاصل کر پاتا ہے جس کا دل زندہ ہو اندر کا انسان زندہ ہو ضمیر زندہ ہو یا ذرا کمزور اور زنگ آلود ہو گیا تو پھر زیادہ ریاضت اور محنت سے قرآن کو سنے اور بار بار سنے! تو شاید بات دل میں اتر جائے اور دل کا زنگ دور ہو جائے۔

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى

اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے

لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَى السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِيۡدٌ O (37:50)

جو دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے

مثبت طور پر قرآن مجید کو ''ذکر'' فرما کر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف اضافت کی نسبت سے بھی ترکیب کئی جگہ وارد ہے اور تفخیم شان اور جلالتِ خداوندی کی مظہر ہے۔ سورۃ الجمعہ میں نماز جمعہ کی اہمیت کے ضمن میں جہاں خصوصی حکم آیا ہے وہاں خطبہ جمعہ کے لئے ذکر اللہ کا لفظ ہے جس کی مزید وضاحت احادیث مبارکہ میں آتی ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے:

كَانَ يَخۡطُبُ بِسُوۡرَةِ 'ق' فِىۡ كُلِّ جُمُعَةٍ

''رسول اکرم ﷺ ہر جمعہ میں سورۃ ق کا خطبہ دیا کرتے تھے''

Marfat.com

ورامام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ کی شان یہی بیان کی ہے:

كَانَ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَ يُذَكِّرُ النَّاسَ

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے''

یعنی جمعہ کے دو خطبے دراصل قرآن مجید اور کلام پاک ہی کے تذکرے سے لبریز دو مختصر تقریروں کا نام ہے جس کی وجہ سے قرآن خطبہ جمعہ کو بطور حال ''ذکر اللہ'' کہہ رہا ہے یا بطور ''رمز'' اور اشارہ کے ذکر اللہ کہہ رہا ہے کہ خطبہ جمعہ کا مزاج اللہ کے ذکر یعنی قرآن پر مبنی ہونا چاہیے۔

سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ ترتیب مصحف میں بھی متصل ہیں اور معنوی لحاظ سے جوڑا سورتیں ہیں (جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتیں معوذتین یا سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو بھی معنوی لحاظ سے جوڑا ہی کہا گیا ہے جس کا اشارہ ایک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں (سمجھ کر پڑھنا) پر دو بدلیوں کی شکل میں سایہ فگن ہوں گی (اس لئے کہ بغیر سمجھے پڑھنے والا اکثر ان سورتوں میں وارد اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑتا ہے اور خلاف ورزی کا مرتکب رہتا ہے۔ واللہ اعلم)

چنانچہ سورۃ الصف میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصدِ رفیع کا ذکر ہے اور تذکرہ ہے قرآن مجید کے ہدایت کے پہلو اور دین حق کی طرف۔ چنانچہ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O (09:61)

تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے۔ خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے''

اس دین حق کی سربلندی کے لئے جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ترغیب ہے۔ سورۃ الجمعہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک عطا فرمایا سابقہ امت کو بھی ایسی کتاب (تورات) دی گئی تھی اس کے طرز عمل سے واضح ہے وہ اس کتاب کے حامل ہونے کے تقاضے پورے نہیں کر رہے تو اس پر وعید آئی ہے۔

ان دو سورتوں کے ساتھ متصل ہے سورۃ منافقون جو معناً یہ مقام رکھتی ہے (جیسا کہ

Marfat.com

سورۃ حدید میں اشارہ ہے) کہ جو لوگ دین کی تقاضے اور سچے مسلمان کی ذمہ داریاں ادا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں وہ نفاق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس نفاق سے بچنے کا طریق کیا ہے؟ کہ خود بھی اور اپنی اولاد اور متعلقین اور متوسلین کو ذکر اللہ یعنی قرآن سے دور نہ ہونے دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد (ذکر اللہ) سے غافل نہ کر دے

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ O (09:63)

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں"

یہاں ذکر اللہ کے لفظ کے معنی سورۃ الجمعہ میں فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کے پس منظر میں دیکھنا صحیح ہے کہ خطاب جمعہ اور تعلّم قرآن سے منہ نہ موڑا جائے ورنہ نفاق پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعَاتٍ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ كُتِبَ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ

"جس نے تین جمعے بغیر کسی عذر کے چھوڑ دیے وہ منافقین میں سے لکھ دیا جاتا ہے"

(طبرانی۔ عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ)

لہٰذا یہاں بھی ذکر اللہ سے مراد قرآن مجید ہی زیادہ اقرب ہے۔

بعینہٖ اسی طرح سورۃ المجادلہ آیت 19 میں منافقین ہی کے پس منظر میں ذکر اللہ کے الفاظ آئے ہیں جن سے مراد بھی قرآن مجید ہی ہے۔ یہاں منافقین کو حزب الشیطان سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اس گروہ سے دلچسپی اور ہم آہنگی رکھنے کے سبب انہیں میں شامل ہیں۔

سورۃ النور آیت 37 میں اہل ایمان کی شان میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح سورۃ الجمعہ آخری آیت کے مطابق' ہے ہی تذکرہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو کسی وجہ سے خطبہ جمعہ سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

سورۃ الحدید آیت 16 میں قیامت کے دن اہل ایمان کے جنت میں کامیابی سے داخلے اور منافقین کے محروم رہنے اور کفار کے ساتھ انجام بد میں شریک ہو کر جہنم میں داخلے کا ذکر وضاحت کے ساتھ ہے۔ اب اس "مرض" سے بچاؤ کی تدبیر اور علاج کی صورت "توبہ" کی

Marfat.com

صورت ہے کہ تمہارے دل اب بھی رجوع کریں توبہ کریں اور دیگر اہل ایمان کی طرح اللہ تعالیٰ نے جو آیات بیّنات (قرآن مجید یا ذکراللہ) اتارا ہے اس کے مندرجات کی طرف آ کر آمادۂ عمل ہو جائیں تو تمہارے لئے بھی اعلیٰ درجات کے دروازے کھلے ہیں۔

اسی طرح سورۃ المائدہ آیت 91 میں شراب اور جوئے کی حرمت اور دیگر احکام الٰہیہ اور حدود اللہ کے پس منظر میں ارشاد ہوا ہے کہ اے اہل ایمان تم گھبراؤ نہیں یہ شیطان تمہیں ان فضولیات (شراب جوا وغیرہ) میں لگا کر اللہ کے کلام اور نماز اور دیگر احکام خداوندی سے روکنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تمہیں اس روش سے باز آنا چاہیے اور قرآن سے تمسک واعتصام کر کے منکرات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سورۃ العنکبوت (21 واں پارہ) میں "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس ترکیب کو سب سے زیادہ بارُعب، باوقار اور ہیبت و دبدبہ دلانے والی ترکیب بنا دیا ہے۔

چنانچہ اوپر مثالوں سے جو بات واضح ہے اور اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کے مصداق قرآن پاک میں وہ تمام مقامات جہاں ذِكْرُ اللّٰه یا اَلذِّكْر، ذِكْرٰى، ذِكْرُنَا کے الفاظ وارد ہیں ان مقامات پر ذکراللہ سے مراد کلام اللہ، وحی الٰہی یا قرآن مجید یا کتاب اللہ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں اور اس سے معانی میں زیادہ ربط اور بیان میں زیادہ فصاحت اور تاثیر کے اعتبار سے بلاغت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

سورۃ طٰہٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور زمین پر تشریف آوری کا تذکرہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ انسانی کے لئے آسمانی ہدایت اور ''وحی'' کا تذکرہ فرمایا ہے:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى

پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى O (20:124-123)

Marfat.com

اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

اور اس وحی (سابقہ کتب سماوی اور قرآن سمیت سب) کو "ذِکریٰ" میں اذکر فرمایا ہے اور ذکر کا اشارہ "ھُدیٰ" کی طرف ہے۔

یہاں تک گفتگو میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ذکر اللہ سے مراد قرآن مجید ہے مزید برآں قرآن پاک میں سورۃ الرعد کی ایک ہی آیت میں دو دفعہ "ذکر اللہ" کی ترکیب آئی ہے۔ فرمایا:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے۔

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ○ (27:13)

کہہ دو: اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوا

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد (ذکر اللہ) سے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ○ (28:13)

سنتا ہے! اللہ کی یاد (ذکر اللہ) ہی سے چین پاتے ہیں دل۔

یہ ترجمہ تفسیر عثمانی کا ہے۔ جس کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کا بیان ہوا یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوتی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین و اطمینان حاصل کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن مجید ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر) جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر، قلبی سکون و راحت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ غرض ان کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب

Marfat.com

سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ دور کر دیتا ہے''۔

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقتباس کا ترجمہ یہ ہے:

''جو لوگ ایمان لائے (محمد ﷺ پر اور قرآن پر) اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں (اور راضی ہوتے ہیں اور سکون پاتے ہیں) اللہ کی یاد سے (قرآن سے اور کہا گیا ہے اللہ کی قسم کھا لینے سے) باخبر رہو کہ اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہے (یعنی دل سکون حاصل کرتے ہیں اور راضی رہتے ہیں)''۔

اطمینان قلب کے لئے ''ذکر اللہ'' قرآن مجید ہے چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے لئے جنت اور نہایت اعلیٰ بدلے کا ذکر ہے جو قرآن پاک یعنی ذکر اللہ سے تمسک کرتے ہیں اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پر عمل کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ O (29:13)

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے ان کے لئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے''

اور اہل مکہ اور دیگر اقوام عالم جو امت دعوت کے مقام پر تھے ان کے لئے تنبیہ فرمائی اور قرآن پاک ہی کی تعلیم و تعلّم اور تمسک اور اعتصام کا اشارہ فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ

(جس طرح ہم اور پیغمبر بھیجتے رہے ہیں) اسی طرح (اے محمدؐ) ہم نے تم کو اس اُمت میں بھیجا جس سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں

لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ

تاکہ تم ان کو وہ (کتاب) جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے پڑھ کر سنا دو۔ اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ O (30:13)

کہہ دو وہی تو میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں

سورۃ الکہف میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اور کھلے الفاظ میں ذکر اللہ اور

Marfat.com

"ذکری" کے بعد "ذکرنا" کے الفاظ وارد ہیں۔ فرمایا:

وَ اتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ

اور پڑھتے رہا کرو اپنے پروردگار کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے،

اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں

وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا O

اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ

اور صبر کرتے رہو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں

یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ

اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں

وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا

اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آسائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَ اتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا O

(28-27:18)

اس شخص کا کہا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہاں "تلاوتِ کتاب" کو ہی "ذِکْرُنَا" کہہ کر یہ بات واضح فرمادی کہ آپ ﷺ خود بھی قرآن پاک کی تلاوت فرمائیں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہی سکھائیں اور انہیں اس قرآن پاک کے ساتھ تذکیر اور غور و فکر کا حکم دیں اور ان کی نگرانی فرمائیں اور اس مصروفیت سے آپ کی نگاہیں کہیں اور نہ اٹھیں اور جو لوگ اس قرآن مجید (ذکرنا) کو قبول کر کے کی تلاوت سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ آگے پھیلانے سے گریزاں ہیں ان کی باتوں میں نہ آئیں۔

اوپر درج کردہ آیات اور اس کے تفسیری اقتباسات سے واضح ہے کہ الذکر، ذکرنا،

Marfat.com

ذکری اور ذکر اللہ سے اصلاً مراد قرآن مجید ہے اس کے بعد ادعیہ مسنونہ و ماثورہ ہیں اور پھر اذکار مسنونہ و ماثورہ ہیں، کسی ماہر معالج کے بتائے نسخہ پر عمل کرنے کی طرح کسی روحانی معالج کے بتائے اذکار و اشغال بھی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر چیز کو اپنے مقام اور محل پر رکھنا ہی حکمت اور عقلمندی ہے۔

"ذکر اللہ" کی ترکیب قرآن پاک میں زیادہ اہتمام ظاہری کے ساتھ جس مقام پر استعمال ہوئی ہے وہ سورۃ الزمر میں 23 ویں پارے کے بالکل اختتام پر ہے۔ اس جگہ پس منظر میں قرآن پاک اور کلام اللہ کی شان ارفع کا تذکرہ ہے اور اہل کلمہ کو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ یہ کلام اللہ ایسا کلام ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں ذرا بھی حق کی رمق ہو تو تمہیں اس "احسن الحدیث" کے سامنے موم ہو جانا چاہیے چنانچہ دو دفعہ "ذکر اللہ" کی ترکیب قریب قریب آتی ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے)۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (22:39)

پس ان پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں اور یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ

اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں

Marfat.com

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

یہی اللہ کی ہدایت ہے، وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ O(23:39)

اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں''

یہاں پھر ذکر اللہ سے مراد واضح قرائن کی روشنی میں ''کتاب اللہ'' اور قرآن مجید ہی ہے اس لئے کہ سیاق کلام میں خطاب عام ہے اور کفار سے خطاب میں ''ذکر اللہ'' کا اشارہ ''وحی الٰہی'' زیادہ بلیغ ہے۔ ہمارے ہاں کے مروّجہ ذکر الٰہی ''ذکر اللہ'' کے حوالے سے اطمینان قلب اور غموں اور پریشانیوں کو دور کرنے والا قرآن مجید منبع ایمان اور سرچشمہ یقین ہے لہٰذا قرآن پاک سے ایمان پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ الانفال میں ہے ''اہل ایمان جب قرآن پاک کو توجہ سے سنتے ہیں (سمجھتے ہیں عمل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں) تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے'' گویا قرآن پاک سے تمسّک اور اس کے علم کا حصول اور اس کے اندر ہدایت پر غور وفکر سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں اضافہ غموں اور پریشانی کے خرمن کو بھسم کر کے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اہل ایمان کی شان کئی جگہ یہی بیان ہوئی ہے کہ ''لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ'' (نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

گویا سورۃ الرعد کی آیات میں ذکر اللہ کے اشتغال سے اطمینانِ قلب کا پیدا ہونا اور ایمان کے نتیجے میں خوف، حزن، ملال، رنج وغم ہر چیز کا ظاہری اور معنوی خاتمہ ہو جاتا ہے ان دونوں باتوں میں قدرِ مشترک کلامِ پاک اور وحی الٰہی ہے۔

خوف اور غم کا خاتمہ

تعمیر سیرت و کردار کے ضمن میں ہر انسان کو اپنے مقصد حیات کی طرف یکسوئی سے بڑھنے کے لیے خوف اور حزن سے نجات ضروری ہے ورنہ انسان اسی دائرے میں ساری زندگی گزار دیتا ہے۔ زندگی ختم ہو جاتی غم ختم نہیں ہوتے۔ خوف ہوتا ہے 'مستقبل' کا، کہ نا معلوم کیا ہوگا اور حالات کیسے ہوں گے اور غم ہوتا ہے ماضی کا، کہ یہ میرے ساتھ جو واقعہ پیش آیا یہ کیوں ہوا؟

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص بندوں کے لیے جو اس کی خوشنودی کے لیے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہتے ہیں ان کے لیے خوف اور حزن کی اس دلدل سے نکلنے کے مختلف اسباب پیدا کیے ہیں۔ ان میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ قرآن مجید کا پڑھنا، پڑھانا اور علومِ قرآنی کا حصول سب سے اہم ہے۔ ہمارے آقا اور ہادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور اس راستے کے دیگر کئی گوشے بھی بیان فرمائے ہیں اور عام فہم انداز میں قرآن مجید کی عظمت واہمیت کو بیان کیا ہے تا کہ اس 'ذکر' سے زبانیں تر رہیں اور اس کے معانی پر غور وفکر کر کے انسان رب کی دھرتی پر رب کا نظام نافذ کرنے کے لیے ذہنی اور قلبی طور پر تیار ہو کر آگے بڑھ سکے۔

کے ضمن میں دو ہدایات	غموں اور پریشانیوں سے نجات	فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں

اس ضمن میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت وصراحت فرمادی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ، كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ

جو شخص سارے غموں کو ایک ہی غم یعنی آخرت کا غم بنالے، اللہ اس کے دنیاوی غم کے لئے کافی ہو جاتا ہے

وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ (ابن ماجہ۔ عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

اور جس شخص کے افکار اسے دنیا کے حالات میں بکھیر دیں، اس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ کس وادی میں ہلاک ہو"۔

گویا آخرت کو ترجیح دے دینا اور صرف آخرت کے پیش نظر دنیاوی مشغولات اور مالی معاملات کو حلال کے حدود کے اندر لے آنا انسان کو پریشانیوں سے نجات دلانے والا ہے

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث جو ایک شاندار دعا ہے اس میں جناب نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی بے حد تعریف اور اپنی بے بضاعتی کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید سے ایسے لگاؤ اور محبت (بمعنی عمر اور صلاحیت کے لحاظ سے اس کتاب کو سمجھنے اور سیکھنے کی عمر میں ہیں) کی استدعا کی ہے جو کہ تمام غموں اور پریشانیوں کے ازالے کا سبب بن جائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ

اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں

وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ

تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنی کنیز کا بیٹا ہوں

فِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ

مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے

مَاضٍ فِیَّ حُکْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَائُكَ

نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم اور عدل ہے میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ

اَسْئَلُكَ

میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں

بِکُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَكَ

تیرے ہر اس پاک نام کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا

اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِكَ

یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا

اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ مَکْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ

یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ

کہ تو بنادے قرآن مجید کو

Marfat.com

رَبِیعَ قَلْبِیْ   وَ   نُوْرَ صَدْرِیْ

میرے دل کی بہار   اور   میرے سینے کا نور

وَجِلاَءَ حُزْنِیْ   وَ   ذِھَابَ ھَمِّیْ وَ غَمِّیْ

اور میرے رنج وحزن کی جلا   اور   میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب

(امین یا رب العلمین)

ایسا ہی ہوا اے تمام جہانوں کے پروردگار!

(عبداللہؓ ابن مسعود مسند احمد: حوالہ 4306/452)

گویا اس عظیم ماثور دعا میں بھی اطمینان قلب اور غموں کے ازالے کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن پاک ہی قرار دیا گیا۔

انسان کے صحیح راستے پر چلنے اور صراط مستقیم پر استقامت کی راہ میں ایک دشمن شیطان حائل ہے وہ انسان سے کچھ غلطیاں، نافرمانیاں کرا کر انسان کے لئے اپنے رب کے سامنے شرمندہ اور پشیمان ہونے کے مواقع پیدا کرتا رہتا ہے اس شیطان سے بچاؤ کے لئے بھی قرآن مجید کا علم سیکھنا اور آگے سکھانا اور حقوق قرآن کا ادا کرنا ہی واحد ذریعہ ہو سکتے ہیں۔

کشتن ابلیس کارے مشکل است   زاں کہ او گم اندر اعماق دل است

خوش تر آں باشد مسلمانش کنی   کشتہ شمشیر قرآنش کنی

''ابلیس کو ہلاک کر دینا مشکل (ناممکن) ہے کہ وہ انسان کے باطن کی گہرائیوں میں بھی چھپا ہوا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو اپنے تابع کر لو یعنی قرآن مجید کی شمشیر سے اس کو گھائل اور زخمی کر دو (کہ وہ اس کلام پاک کا توڑ نہیں کر سکتا)''۔

کلامِ پاک میں اسے جہاد بالقرآن "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" فرمایا گیا ہے یعنی جہاد کبیر۔ سبحان اللہ کیا عالی شان ہے رب کائنات اور کیا عالی شان ہے اس کے کلام کی۔

Marfat.com

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

(152:02)

وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا

اور میرا احسان مانتے رہو اور ناشکری نہ کرو

Marfat.com

4

حقیقتِ عمل صالح

ہر مسلمان کا شمار

عِبَادُ الرَّحْمٰن

میں ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ

تمام ذہنی، فکری، عقلی اور تفقّہ کی قابلیتیں

ایمان کے تقاضوں کی تکمیل میں

لگادے

اور اس راستے کی تمام چھوٹی بڑی

رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے

جہاد کرے

تذکیری نشست کیڈٹ کالج جھنگ میں 12 جنوری 2014ء کو "حقیقتِ عمل صالح" کے موضوع پر خطاب ہوا تھا، جسے استفادہ کے لیے حکمت بالغہ سے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

(حکمت بالغہ اپریل 2014ء)

Marfat.com

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ اَمَّابَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قال تبارك وتعالى : وَالْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O (103:1-3)

وقال تبارك وتعالى : اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ O (49:15) صدق الله العظيم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَيَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ يَفْقَهُوْا قَوْلِیْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

عزیز طلباء، معزز حاضرین اور اساتذہ کرام! ہماری آج کی گفتگو کا عنوان ہے ”حقیقت عمل صالح“۔ اس سلسلۂ درس میں ہم پہلے سورۃ العصر پڑھ چکے ہیں، جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَ الْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O

زمانہ گواہ ہے کہ بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں، نقصان میں ہیں۔ سوائے ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور حق کا پرچار کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

اس سورۃ العصر کے مطابق جو آدمی چار شرائط پوری کردے گا وہ کامیابی حاصل کرلے گا اور اس کامیابی سے مراد ہے دنیا میں بھی بہت سارے نقصانات سے بچنا اور آخرت میں ایک دائمی زندگی کا حصول۔ اور جو آدمی ایسا نہیں کرسکے گا وہ نقصان میں رہے گا، اس کے پاس اس وقت جو کچھ ہے وہ سب چھن جانے والا ہے زندگی، صحت، وسائل، طاقت، سماعت، بصارت یہ سب کچھ چھن جائے گا اور جو آدمی چاہتا ہو کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں بڑھوتری ہو اور ہمیشہ ہمیش اس کے پاس رہے اُسے یہ چار کام کرنے چاہئیں۔ ہر آدمی کے اندر ایک دبی ہوئی خواہش ہے کہ

Marfat.com

مجھے موت نہ آئے، سارے سائنس دان اسی میں لگے ہوئے ہیں، بڑھاپا ختم کر دیا جائے یا DELAY کر دیا جائے، آدمی کمزور نہ ہو، موت نہ آئے، لیکن یہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس اُصول پر بنائی ہے کہ اس دنیا میں جو آیا ہے اسے جانا ہے۔ عام طور پر وہ لوگ جو دین سے دور ہیں جو اللہ کو نہیں مانتے، جو پیغمبروں کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک یہ موت تو بس زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ موت سرے سے آئے ہی نہ، اور بس یہیں جو عیش کر سکتے ہو کر لو۔ لوٹ گھسوٹ، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ اور بہت سارے غلط کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں وہ اسی لئے کرتے ہیں کہ یہیں عیش کر لو، موت آ گئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ جبکہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ موت ختم ہونے کا نام نہیں ہے۔ موت تو ایک طرح سے زندگی کے سفر میں ایک تبدیلی ہے۔ جیسے پہلے بچہ پرائمری سکول میں ہوتا ہے پھر ہائی سکول اور کالج میں چلا جاتا ہے تو وہاں سارا ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ اسی طرح ہم یہاں ایک زندگی گزار رہے ہیں پھر موت ایک دروازہ ہے اس سے گزر کر ایک اور زندگی میں چلے جائیں گے اور انسان کی یہی صلاحیتیں ہوں گی یہی سوچ ہو گی یہی دماغ ہو گا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو اور اچھی زندگی دے دے گا اور جو یہاں اللہ کا کہنا نہیں مانیں گے ان سے یہ ساری چیزیں چھین لی جائیں گی اور عذاب ہو گا۔

پہلی شرط 'ایمان' ہے۔ ایمان ہونا چاہیے یعنی انسان کے نظریات اور سوچ صحیح ہونی چاہیے۔ جس شخص کی سوچ صحیح ہو گی اس کو سب کچھ مل سکتا ہے ایک دائمی زندگی بھی مل سکتی ہے اور جس شخص کی سوچ صحیح نہیں ہو گی اس کو کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ سوچ کے مطابق آدمی کام کرتا ہے، سوچ صحیح ہو تو آدمی کا طرزِ عمل صحیح ہو گا۔ مثال کے طور پر ایک ایسا بچہ سکول میں داخل ہوتا ہے جس کی سوچ یہ ہے کہ میرے والدین مجھ پر بہت محنت کر رہے ہیں پیسہ خرچ کر رہے ہیں ان کو مجھ سے بڑی توقعات ہیں مجھے صرف اپنی پڑھائی سے تعلق رکھنا ہے اور وقت ضائع نہیں کرنا اور پڑھنا ہے تو وہ بچہ پڑھائی میں لگا رہے گا اور اپنی پڑھائی پر توجہ دے گا اور نا گزیر کام کرتا ہوا معینہ وقت میں کامیاب ہو کر زندگی کے اگلے مرحلے میں چلا جائے گا اور جس بچہ کی سوچ یہ ہو کہ کھاؤ پیو عیش کرو، میرے ابو کے پاس تو بہت پیسے ہیں وہ ختم ہی نہیں ہوتے میں پاس نہ بھی ہوا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تو صاف ظاہر ہے کہ ایسا بچہ پڑھ نہیں سکتا وہ آگے نہیں بڑھ سکتا وہ وہیں کا وہیں رہ

Marfat.com

جائے گا ناکام ہو جائے گا۔ تو آدمی کے دماغ میں جو نظریات ہوتے ہیں وہ بہت فیصلہ کن ہیں۔

اسی طرح یہ کائنات ہے اس کے بارے میں بھی ہر آدمی کا کچھ نہ کچھ نظریہ ہے کہ دنیا کیسے بن گئی؟ کس نے بنائی؟ کیوں بنائی؟ کب بنائی؟ اس میں انسان کا رول کیا ہے؟۔ اس کے بارے میں ایک وہ نظریہ ہے جو اللہ نے ہمیں بتایا ہے۔ اللہ نے پیغمبر بھیجے جن کو اللہ نے بتایا پھر انہوں نے ہمیں بتایا۔ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں اور ہم سارے پیغمبروں کے ماننے والے ہیں سارے پیغمبروں کو اس لئے ماننے والے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے ہیں سارے پیغمبر ان سے پہلے گزرے ہیں اور ہم سب پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں محمد ﷺ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آئے تھے وہ سب برحق تھے اور محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں وہ ان سب کی تعلیمات کا خلاصہ، نچوڑ اور ان کا لبِ لباب لے کر آئے ہیں۔ ہم پچھلے سارے نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں وہ اپنے اپنے زمانے میں صحیح پیغمبر تھے ان کی تعلیمات صحیح تھیں وہ اللہ کی طرف سے آئے تھے۔ ہم محمد ﷺ کے ماننے والے ہیں لہٰذا ہم اِن کی باتوں پر عمل کر رہے ہیں۔ اللہ نے پیغمبروں کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ یہ کائنات کیسے بنی۔ اس کائنات کے بارے میں ایک مسلمان کا نظریہ...... کہ یہ کیسے بنی ہے؟ کب بنی ہے؟ کیوں بنی ہے؟ سب سے صحیح نظریہ ہے کیونکہ اللہ نے بتایا ہے۔ جس نے دنیا بنائی ہے اسی نے بتایا ہے کہ میں نے کس لئے پیدا کی ہے۔ جبکہ دوسرے انسان جو پیغمبروں کو نہیں مانتے، وحی کو نہیں مانتے، اللہ کو نہیں مانتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا خود بخود بن گئی ہے اور جیسے گدھے دنیا میں موجود ہیں، جانور موجود ہیں، کتے موجود ہیں، شیر موجود ہیں، گھوڑے موجود ہیں اسی طرح ہم بھی زندہ ہیں بس ذرا تھوڑا سا دماغ ہمیں مل گیا ہے ہم جانوروں سے ذرا اچھے کام کر لیتے ہیں لہٰذا کھاؤ پیو عیش کرو بس۔ اب صاف ظاہر ہے دنیا میں جس کا یہ نظریہ ہوگا وہ زندگی اور طرح گزارے گا اور جس کا یہ نظریہ ہوگا کہ ایک خالق و مالک اللہ ہے جس نے یہ کائنات بنائی ہے اور اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اشرف المخلوقات بنایا ہے پھر انسان کو ایک ذمہ دار بنایا ہے یہ اللہ کی RESPONSIBLE مخلوق ہے۔ اللہ نے ہمیں سمجھ دی ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا اور کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ جو آدمی اللہ کو مانتا ہے وہ صحیح کام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو نہیں مانتا وہ من مانی کرتا ہے۔ ہم نے پہلے پڑھا تھا کہ جو اللہ کو ماننے والا ہے وہ سوچتا ہے کہ یہ کام جو میں کرنے

Marfat.com

جارہا ہوں کیا اللہ اس کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں دیتا؟ یہ کام، مجھے کرنا چاہئے کہ نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی ایسا کام ہو جائے جو بعد میں پتا چلے کہ کل جو میں نے جھوٹ بول دیا تھا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا ہے مجھے آج پتا چلا ہے کہ مجھے تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا تب بھی احساس ہو جائے تو آدمی توبہ کرتا ہے۔ لیکن جس کے نظریات دوسرے ہوں وہ اللہ کو نہ مانتا ہو تو اس کی زندگی اور طرح کی ہوتی ہے کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو، جو چاہو کرو، جو چاہو دیکھو، جو چاہو سنو اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ کا ماننے والا بندہ تو کانوں پر بھی پہرے بٹھاتا ہے کہ جس بات کے سننے کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے وہ میں نے سنی ہے اور جو ایسی نہیں ہے وہ میں نے نہیں سنی۔ اور آنکھوں پر بھی پہرے بٹھاتا ہے کہ یہ چیز میں نے دیکھنی ہے اور یہ نہیں دیکھنی، یہ کھانا ہے یہ نہیں کھانا ہے، یہ پہننا ہے یہ نہیں پہننا، یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا۔

سورۃ العصر میں یہ بات آئی تھی کہ کامیاب انسان وہ ہے جو ایمان لاتا ہے جس کا تصور زندگی صحیح ہے تصور کائنات صحیح ہے کہ ایک اللہ ہے جس نے کائنات بنائی ہے اور صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی کا تسلسل ہے موت تو بس ایک دروازہ ہے جس میں سے گزر کر دوسری زندگی میں ہم چلے جاتے ہیں اور اس کے بعد اصل زندگی وہ ہے جس کا آج ہم تصور نہیں کر سکتے۔ اُس زندگی میں جو یہاں اچھے کام کریں گے ان کو اعلیٰ درجے کی چیزیں ملیں گی جو اصل زندگی ہے وہاں موت نہیں آئے گی ہمیں ہمیشہ ہمیش کی زندگی مل جائے گی۔ اور جو یہاں غلط کام کریں گے ان کو وہاں سزا ہو گی ان سے سب کچھ چھین لیا جائے گا زندگی بھی، صحت بھی، طاقت، جوانی، دماغ ہر چیز ساری صلاحیتیں ختم ہو جائیں گی۔ تو ایمان سب سے پہلی چیز ہے۔

سورۃ العصر میں ایمان کے بعد بات آئی تھی وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اور وہ کامیاب ہیں جنہوں نے اچھے عمل کیے۔ یہی آج کی گفتگو کا ہمارا عنوان ہے "حقیقت عمل صالح" وہ اچھے عمل کیا ہوتے ہیں؟ سورۃ العصر میں اس کے بعد جن دو شرطوں کا ذکر ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اس کو یوں سمجھئے کہ اسی عمل صالح کی تشریح ہے۔ ایک ایمان اور دوسرے عمل صالح اور پھر اسی عمل صالح کا حصہ ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ وہ اچھے کام کرتے ہیں یعنی وہ تواصی بالحق کرتے ہیں اور تواصی بالصبر کرتے ہیں۔ خود بھی اچھے کام کرتے ہیں دوسروں کو

Marfat.com

بھی اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ تو انسانی فطرت ہے کہ اگر ایک نوجوان کو نماز پڑھنے کی توفیق مل جاتی ہے تو وہ اپنے اُس دوست کو بھی توجہ دلاتا ہے جو نہیں پڑھتا ہے کہ بھائی نماز پڑھنی چاہئے۔ گفتگو ہوتی ہے DEBATE ہوتی ہے بحث ہوتی ہے پھر دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مجھے یہ بات سمجھ میں آئی ہے تمہیں بھی ایسا کرنا چاہئے تمہارا فائدہ بھی اسی بات میں ہے۔ تو تواصی بالحق یہی ہے کہ دوسروں کو بھی آدمی بتائے جس سے بھی دوستی ہے۔ جس کے ساتھ اچھا تعلق ہے، جس کا آدمی فائدہ چاہتا ہے اس کو بھی بتانا چاہئے۔ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور وہ لوگ صبر کرنے والے ہیں۔ صبر سے کیا مراد ہے؟ جس آدمی کو ہم کہیں گے کہ بھائی نماز پڑھنی چاہئے، اللہ کو ماننا چاہئے، قرآن کی ہر روز تلاوت کرنی چاہئے، ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی اس کو WELCOME کرے کہ آپ نے بہت اچھا کیا، میں تو بھولا ہوا تھا، بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے بتا دیا۔ کچھ تو دوست کہیں گے کہ ہاں بھائی ٹھیک ہے بڑی مہربانی مجھ سے غلطی ہو رہی تھی والدین نے بھی مجھے کہہ رکھا ہے کہ اللہ کا کہنا ماننا چاہئے، نماز پڑھنی چاہئے مجھ سے سستی ہو رہی تھی آپ نے یاد دلا دیا بہت مہربانی۔ لیکن سب ایسے نہیں کہتے کچھ آگے سے بحث کرتے ہیں بلکہ تشدد پر اُتر آتے ہیں۔ ابھی تو آپ نوجوان ہیں معاشرے میں تو لوگ حق بات بتانے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ بہرحال لوگ مخالفت بھی کرتے ہیں اس مخالفت پر بھی صبر کرنا ہے کہ میں تو صحیح اور حق بات بتا کر ہی رہوں گا، تم مانو چاہے نہ مانو، صبر یہ ہے کہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی بات بیان کرتے رہنا ہے چاہے اس پر لوگ مخالفت کریں۔ صبر کرنا لوگوں کے غلط رویے کو برداشت کرتے رہنے کا نام ہے۔

عمل صالح کیا ہے؟ ایمان کے نتیجے میں ایسی زندگی گزارنا جس سے ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہوں وہ عمل صالح ہے۔ ہر ایسا کام جو ایمان کے تقاضوں کے مطابق کیا جا رہا ہے وہ عمل صالح ہے۔ صالح کا لفظ 'صلاحیت' سے بنا ہے۔ صلاحیت کا لفظ ہم عام بولتے ہیں اس میں بڑی صلاحیت ہے یہ اچھی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ کسی کو بولنے کی صلاحیت اللہ نے دی ہے، کسی کی دماغی صلاحیتیں اچھی ہیں، کسی کی جسمانی صلاحیتیں اچھی ہیں۔ تو یہ صلاحیت سے ہی صالح بنا ہے یعنی انسان کے اندر جو POTENTIAL اللہ نے رکھ دیا ہے۔ کسی کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ

Marfat.com

اس کے اندر کیا صلاحیتیں ہیں۔ جو نظر آ گئیں وہ تو ٹھیک ہیں جواب تک نظر نہیں آئیں کہ پانچویں کا امتحان دیا تھا تو اچھے نمبر لے لئے تھے، چھٹی کا دیا تو اچھے نمبر لے لئے تھے، دسویں کا دیا تو اچھے نمبر لے لئے تھے اب آگے میرا کیا بنے گا کتنی صلاحیتیں میرے اندر ہیں میں کتنی تعلیم حاصل کر سکوں گا، کتنے بڑے عہدے تک پہنچ سکوں گا کتنا میں قوم کی خدمت کر سکوں گا یہ کوئی نہیں جانتا، کل کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا لیکن اگر جذبہ صحیح ہو اور آدمی صحیح رخ پر لگا رہے تو امکان ہے کہ اگر اس کے اندر صلاحیتیں ہیں تو وہ پروان چڑھ جائیں گی اور اگر آدمی غلط رخ پر پڑ جائے گا تو وہ صلاحیتیں غلط مقصد کے لئے استعمال ہونی شروع ہو جائیں گی۔

تو عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ ایمان کے نتیجے میں ایسے کام جو ایمان کا تقاضا بنتے ہیں۔ ایمان ہے تو یہ کام ہونا چاہئے۔ لہٰذا ایسی زندگی گزارنا جس سے کہ ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہوں یہ عمل صالح ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ اس کی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عمل صالح کسے کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اکثر جگہوں پر جہاں ایمان کا لفظ آتا ہے اس کے ساتھ ہی عمل صالح کا بھی ذکر ہے کہ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔ اس سے مراد آپ سے آپ یہ ہو جائے گی کہ ایمان کے مطابق زندگی گزاری، ایمان کے شایانِ شان زندگی گزاری، جو ایمان کا تقاضا ہے اس کے مطابق زندگی گزاری۔ ایسی بھی جگہیں قرآن مجید میں ہیں جہاں صرف ایمان کا ذکر ہوتا ہے، کامیاب وہ ہیں جو ایمان لائے اب اس میں آپ سے آپ مراد ہے کہ ایمان ہوتا ہی وہ ہے جس کے تقاضے پورے کئے جائیں تو وہاں IMPLIED ہوگا کہ یہاں بھی عمل صالح مراد ہے۔

سورۂ والعصر جس کا ترجمہ میں آپ کے سامنے کر رہا تھا اس میں عمل صالح کی مزید تشریح آ گئی، اللہ نے مزید کھول کر بتا دیا کہ عمل صالح کیا ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں وہ تو ہم نے پورے کرنے ہی ہیں جو EXPLICITLY اور وضاحت کے ساتھ بتا دیے ہیں کہ یہ کام کرو نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور اللہ کے احکام ہیں یہ کام تو کرنے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یہ کام بھی اس کے ساتھ کرنے ہیں۔ تب عمل صالح کے تقاضے پورے ہوں گے اور ایمان کامل ہوگا۔ ایمان تو دل میں ہوتا ہے۔ ایمان تو یقین

Marfat.com

(CONVICTION) کا نام ہے۔ آپ میں کتنا ایمان ہے، اُس میں کتنا ایمان ہے، میرے اندر کتنا یقین ہے یہ ناپا نہیں جا سکتا، ابھی تک دنیا میں کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جس سے کسی انسان کے دل میں ڈال کر دیکھا جاسکے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے یا اس کے اندر ایمان کتنا ہے کوئی نہیں جانتا۔ یہ تو اللہ جانتا ہے یا بندہ خود کسی درجے میں جانتا ہے۔ یہ راز قیامت کے دن کھلے گا اور اس دن صاف ظاہر ہے اگر پہلے سے تیاری نہ کی ہو اسی دن پر چھوڑ دیا جائے کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا قیامت کے دن پتا چل جائے گا تو اس دن اگر بالکل ہی فیل ہوگئے تو کیا ہوگا اوہو مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں کچھ تیاری کر لیتا، مجھے پہلے تیاری کرنی چاہئے تھی۔ تو اللہ نے اس کے کچھ LAND MARKS بتائے ہیں کہ جو ایمان والا ہوتا ہے اس کی یہ شان ہوتی ہے، جو ایمان والا ہوتا ہے وہ سچ بولتا ہے، وہ خدمت خلق کرتا ہے، وہ لوگوں کے کام آتا ہے، وہ خیانت نہیں کرتا، وہ بدیانتی نہیں کرتا، وہ لوگوں کا حق نہیں مارتا۔ تو ہمیں اللہ نے کچھ ٹیسٹ بتادیے ہیں کہ اگر تمہارے اندر ایمان ہے اور ایمان کی اہمیت ہے تو اپنے آپ چیک کرتے رہا کرو۔ مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: ''کہ ایمان والے آدمی اور جو ایمان نہیں رکھتا اس کے درمیان فرق نماز ہے''۔ اب خود بخود ایک ٹیسٹ آ گیا کہ دو آدمیوں میں ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ میرے اندر ایمان ہے۔ لیکن جب اذان ہوتی ہے مسجد سے مؤذّن بلاتا ہے کہ ایمان والے اِدھر آجائیں نماز کا ٹائم ہو رہا ہے تو ان دو میں سے ایک نماز کے لیے چلا جاتا ہے دوسرا جاگ بھی جاتا ہے پھر بھی لیٹا رہتا ہے اور پھر بھی وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو سوچنا پڑے گا کہ ایک نے ایمان کا تقاضا پورا کر لیا سردی میں یا جیسا بھی سخت موسم تھا اُٹھا اور نماز کے لیے مسجد چلا گیا اور دوسرا بھی یہی دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ اٹھ کر نہیں گیا تو دونوں میں کوئی فرق تو ہوگا۔ صاف ظاہر ہے ایک آدمی دل سے کہہ رہا ہے اور دوسرا آدمی اوپر اوپر سے کہہ رہا ہے، ایک آدمی ایمان کا تقاضا پورا کر رہا ہے دوسرا آدمی ایمان کا تقاضا پورا نہیں کر رہا۔ تو عمل صالح ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انسان کرتا ہے۔

عمل صالح کس نے بتائے ہیں؟ یہ کوئی خود مشورہ کر کے نہیں طے کیے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو باتیں اتاری ہیں اور محمد ﷺ نے

Marfat.com

ان کی وضاحت فرمادی ہے۔قرآن مجید میں حکم ہے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃ نماز قائم کرو۔اب نماز کب پڑھنی ہےاور کیسے پڑھنی ہے؟ قرآن مجید میں صرف اشارے ہیں کہ صبح کے وقت نماز ہوتی ہے، جب سورج ڈھل جاتا ہے،'دلوک الشمس' کے وقت، غروب کے وقت اور رات کے وقت نمازیں ہیں لیکن نماز کیسے ہوتی ہےاس کی وضاحت قرآن مجید میں نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے جوقرآن لائے ہیں۔اللہ نے ان کو بتایااور سمجھایاانہوں نے وضاحت کی کہ نمازایسے پڑھی جاتی ہےاب ہم عملاً جونماز پڑھتے ہیں پاک صاف کپڑے پہنتے ہیں،طہارت کرتے ہیں،وضوکرتے ہیں اورمسجد میں یاکسی اورجگہ پرخاص طریقے سے کھڑے ہوکرنماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔توجوپیغمبرحضرت محمد ﷺ قرآن لائے ہیں انہوں نے جوقرآن کی وضاحت کی ہےاورعملاً بتایا ہےوہ بھی عمل صالح کا حصہ ہے۔

قرآن مجیدلانے والےحضرت محمد ﷺ کی جوتشریحات ہیں یعنی احادیث مبارکہ ان کو درمیان سے نکال دیں تو قرآن مجید سے نماز کا طریقہ نہیں نکالا جاسکتا۔قرآن اور حدیث،قرآن اورسنت، اللہ کی باتیں اوررسول ﷺ نے جووضاحت کی ہے دونوں کوملا کرعمل صالح بنتا ہے۔بس یوں سمجھئے کہ سیرت النبی، رسول ﷺ کا طرزِ زندگی سارے کے سارے درمیان میں آگئے ہیں۔

عمل صالح کیا ہے؟اگرایک جملےاس کا جواب دیں تو یہ ہے کہ جیسے زندگی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے زندگی گزاری ہے اس کوعمل صالح کہتے ہیں۔اب سیرت النبی ﷺ پڑھنی پڑے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی کیسے گزاری۔چالیس سال سے پہلے کی زندگی کی نہ ہمارے پاس تفاصیل ہیں اور نہ ہی اس کوریکارڈ کیا گیا ہےاور نہ ہی خودرسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی حوالہ دیا ہےلیکن چالیس سال کے بعدجب سے رسول اللہ ﷺ پروحی آئی ہے اس کے بعد کی جو باتیں اوراحکام ہیں وہ پورے کے پورے قرآن میں، حدیث میں اور سیرت النبی ﷺ میں ریکارڈ ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سامنے موجود تھےانہوں نے بتایا ہے کیا کرنا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ کی آغازِ وحی کے بعد سے وفات تک کی زندگی ہمارے لئےعمل صالح کا ایک نمونہ ہےاوراگر ایمان کے تقاضے پورے کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہےتو جیسے زندگی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے گزاری ہےاسی طرح آپ کوبھی زندگی گزارنی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) لوگو! تمہارے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک نمونہ (ROLE MODEL) ہے۔ آج دنیا کی زندگی میں بھی لوگوں کی FAVOURITE اور IDEAL شخصیات ہوتی ہیں۔ ہر آدمی ہر نوجوان ایک IDEAL رکھتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر ہیں، علامہ اقبال ہیں، قائداعظم ہے، کسی کا کوئی اور IDEAL ہوسکتا ہے جس کے بارے میں انسان سوچتا ہے کہ میں نے اس جیسا انسان بننا ہے۔ کوئی کسی شاعر کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی فوجی کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی وزیراعظم کو پسند کرتا ہے، کوئی کسی غیر ملکی شخصیت کو پسند کرتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے نمونہ کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ۔ انہوں نے جیسی زندگی گزاری ہے اس طرح کی زندگی گزارنے کی ایک مسلمان سے توقع کی جارہی ہے۔ وہ سارے کام جو رسول اللہ ﷺ نے کئے ہیں عمل صالح کی حقیقی تشریح ہیں۔ ایک جملے میں اگر بیان کرنا ہو کہ عمل صالح کی حقیقت کیا ہے اور عمل صالح کسے کہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جیسے زندگی گزاری وہ عمل صالح ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی زندگی کیسے گزری اس کا ہمیں مطالعہ کرنا چاہئے، کتابیں موجود ہیں چھوٹی بھی، بڑی بھی، نوجوانوں کے لئے بھی، بڑوں کے لئے بھی، ریسرچ پیپر بھی ہیں، کئی کئی جلدوں میں بھی کتابیں موجود ہیں۔ ہمارے اندر جیسے قرآن پڑھنے کا جذبہ ہونا چاہیے اسی طریقے پر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطالعے کا بھی شوق ہونا چاہیے۔ ہمارے دل میں جو FAVORITE شخصیات ہیں ان میں TOP پر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا نام درج کرلینا چاہیے۔ ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ ہم کو وہ سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہوں ہم سب سے زیادہ ان کو چاہیں۔ اگر ہم اس فہرست میں TOP پر ان کا نام لکھ لیں گے تو پھر یقیناً یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ ان کے حالات بھی پڑھنے چاہئیں۔ اخبارات میں کہیں نظر آجائے یا کہیں پڑھا جائے یا لیکچر میں کوئی بات سننے میں آجائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے، تو اس کو دماغ میں نوٹ کو لینا چاہئے کہ یہ بھی مجھے کرنا ہوگا انہوں نے فرمایا ہے تو یہ کام ضرور کرنا ہوگا۔ تو اصولی طور پر جو زندگی رسول اللہ ﷺ نے گزاری وہ ہمارے لئے نمونہ ہے اور بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہی حقیقی عمل صالح ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی 23 سالہ زندگی کو اس تھوڑے وقت میں آپ کے سامنے بیان تو نہیں

Marfat.com

کر سکتا لیکن اصولی طور پر کچھ باتیں یہ ہیں۔

عمل صالح کے سلسلے میں کچھ کام تو وہ ہیں جو ہم نے انفرادی زندگی میں کرنے ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جو ہر شخص پر لاگو ہیں جو ہمارے دین میں فرائض کہلاتے ہیں، وہ کام ہمیں کرنے ہیں۔ اور وہ اسی بات کو یاد دلانے کے لئے ہیں۔ جیسے سبق بار بار دہراتے ہیں تو یاد ہوتا ہے جتنی مرتبہ زیادہ دہرایا جائے اتنا زیادہ یاد ہوتا ہے امتحان کے قریب سب بچے کچھ یاد کرنے کے لیے بار بار دہرا رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم دین کے بارے میں جو معلومات حاصل کر رہے ہیں یا اللہ کو مانتے ہیں اور آخرت کو مانتے ہیں اور یہ قیامت کے دن کام آنا ہے تو کہیں بھول نہ جائے۔ اللہ نے پانچ مرتبہ دن میں نماز فرض کر دی ہے، یہ REPETITION ہے۔ آپ وضو کر کے پاک صاف ہو کر مسجد میں گئے ہیں اور وہاں قرآن پڑھا جا رہا ہے آپ سن رہے ہیں وہ یاد دہانی ہو رہی ہے۔ جو مسجد میں نہیں آیا اس کے دماغ میں پتہ نہیں کیا ہے جو آ گیا ہے وہ مسلمان سمجھا جاتا ہے کہ یہ اللہ کو مانتا ہے یہ اللہ کے احکام بار بار سنے گا یاد دہانی رہے گی۔ اس سے زندگی کا مشن سمجھ میں آتا ہے اس کی REPETITION ہوتی رہتی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور آخرت کی کامیابی اور ایک دائمی زندگی کا میں خواہش مند ہوں اور یہ نماز، روزہ، قرآن پڑھنے پڑھانے، سچ بولنے میں جو تھوڑی سی تکلیف ہے یہ میں برداشت کروں گا لیکن میں دائمی زندگی کو ختم نہیں کر سکتا یہ گویا کہ یاد دہانی ہے۔ جو پانچ وقت نماز پڑھتا ہے وہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں اور میں بار بار اس کو یاد کر رہا ہوں تا کہ مجھے وہ سبق بھولے نہیں۔ اسی طرح زکوۃ اللہ کا حکم ہے۔ یہاں اکثر نوجوان ہیں جو ابھی عملی زندگی میں نہیں آئے۔ بڑا ہو کر آدمی عملی زندگی میں آتا ہے تو کماتا ہے کھاتا ہے گھر بناتا ہے FAMILY LIEF ہے اس سب میں آدمی اپنے ASSETS بناتا ہے زمین خرید لی، مکان بنا لیا، دکان، کاروبار لین دین۔ یہ عملی زندگی کی چیزیں ہیں۔ کمانا کیسے ہے اس میں وہ جو کما کر لائے ہیں اس کے بارے میں اللہ کے احکام کیا ہیں؟ یہ زکوۃ کے احکام ہیں۔ پھر ہمارے دین میں حج فرض ہے۔ حج کیسے کرنا ہے کس پر فرض ہوتا ہے۔ پھر سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا ہے یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ تو یہ سارے فرائض جو اللہ نے مقرر کر دیے ہیں یہ ایمان کو FEED کر رہے ہیں اسی کو سیراب کر رہے ہیں۔ نماز پڑھنے سے

Marfat.com

یاددہانی رہتی ہے۔حج کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ جولوگ حج کو جاتے ہیں (آپ نوجوانوں کو بھی اللہ حج نصیب فرمائے) تو وہاں ساری دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، اُس سے پرے مشرق کی طرف فجی آئی لینڈ ہیں وہاں سے لے کر اور مغرب میں امریکہ تک ساری دنیا سے مسلمان وہاں آئے ہوئے ہوتے ہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہو رہی ہوتی ہے، وہاں ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ رہے ہوتے لیکن آنکھوں میں جذبات ہوتے ہیں کہ یہ پاکستان سے آیا ہے، یہ ترکی سے آیا ہے، یہ ایران سے آیا ہے، یہ مراکش سے آیا ہے، یہ لیبیا سے آیا ہے، انڈیا سے ہے، یہ بنگلہ دیش سے ہے۔تو یہ ایک بہت بڑا مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے کہ مسلمان ساری دنیا میں موجود ہیں ہر رنگ، ہر نسل، ہر برادری، ہر قوم، ہر علاقہ کے لوگ مسلمان ہیں۔اس لئے کہ اسلام تو ایک نظریہ ہے اسلام کسی خاص RACE اور کسی خاص برادری یا نسل کے لئے نہیں ہے کہ جو پنجابی ہے وہ مسلمان ہو سکتا ہے یا جو بلوچ فیملی سے ہے وہ مسلمان ہو سکتا ہے۔نہیں۔ اسلام تو کلمے کی ایک سطر ہے "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه مُـحَـمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" کہ جو انسان اس کو تسلیم کرلے وہ مسلمان ہے ہمارا بھائی ہے۔وہ امریکہ کا رہنے والا ہو، جاپان کا رہنے والا ہو، فرانس کا، جرمنی کا کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کوئی برادری ہو ہمارا بھائی ہے۔تو یہ حج اس بات کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔اسی طرح روزے ہیں تو اس سے بھی ہمارا ایمان اور اس کا جو نتیجہ عمل صالح ہے اس کی یاددہانی ہوتی ہے۔عام طور پر آج دنیا میں فاقے نہیں ہیں، ہمارے درمیانے درجے کے گھر ہیں ان میں ایسا نہیں ہوتا کہ کسی دن گھر میں کھانا نہ پکے کہ آج آٹے کے پیسے بھی نہیں تھے اور سبزی اور گوشت کے پیسے نہیں تھے تو اس لیے آج گھر میں کچھ نہیں پکا اور کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔فاقہ اسی کو کہتے ہیں۔اور دو تین فاقے اکٹھے آجائیں تو دن میں ہی تارے نظر آجائیں گے کہ جناب نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو کچھ ہے۔تو الحمدللہ کہ آج عام گھروں میں فاقے نہیں ہیں اس لیے ہم ان گھروں کی یا ان لوگوں کی تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے جو فاقے کرتے ہیں دنیا میں ایسے علاقے جہاں فاقے بھی ہوتے ہیں لیکن جب ہم فاقے نہیں کر رہے تو ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔تو اللہ نے روزہ ایک عبادت بنائی ہے اس کے بے شمار فوائد بھی اللہ نے رکھے ہیں کچھ ہمیں سمجھ میں آتے ہیں کچھ تاحال سمجھ نہیں آئے۔شاید آپ بڑے ہو کر سمجھنے کی

Marfat.com

کوشش کریں تو مزید سمجھ بھی آئیں گے آگے نئی نسل مزید غور وفکر کرے گی ترقی ہوگی تو اس میں مزید باتیں سمجھ میں آجائیں گی لیکن جو باتیں ابھی تک سمجھ میں آگئی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ کسی غریب آدمی کے گھر میں فاقہ ہے اور اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور شام کا بھی نہیں کھایا۔کوئی آدمی خود آ کر کہے میں کل سے بھوکا ہوں تو YOU CAN'T FEEL HIS POSITION کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کھانا نہیں کھایا تو یار پاپے کھالو، کیک کھالو یا پیسٹری کھالو ہمارے ہاں کہا تو یہی جاتا ہے لیکن اگر پاس پیسے ہوتے تو وہ روٹی ہی کھالیتا۔روزہ رکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ بھوک کیا چیز ہوتی ہے اگر دوپہر کے وقت کھانا نہ کھایا جائے تو شام کو کیا احساسات ہوتے ہیں اور پھر شام کو بھی نہ ملے تو کیا احساسات ہوں گے۔تو وہ ایک غم خواری کا مہینہ ہے جس میں احساس ہوتا ہے کہ فاقہ کیا چیز ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک حدیث میں اسی طرح فرمایا ہے کہ یہ مواساۃ (غم گساری) کا مہینہ ہے۔عام آدمی کے احساسات آدمی کو محسوس ہوتے ہیں کہ واقعتاً جو غریب ہیں اور جن کے گھر روٹی اس طرح نہیں پکتی ان کے مسائل کس طرح ہوتے ہیں وہ کیسے سوچتے ہوں گے ان پر کیا گزرتی ہوگی۔تو یہ جو فرائض عبادات ہیں یہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی طرف ہی لے جاتے ہیں۔پھر اس سے آگے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہے۔

جو آیت شروع میں میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی وہ سورۃ حجرات کی ہے اس میں اللہ نے تشریح کر دی کہ ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ مومن تو بس وہ ہیں۔کلام میں حصر کا انداز ہے۔یہ نہیں فرمایا کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو یہ یہ کام کریں بلکہ فرمایا: مومن تو صرف وہ ہیں جو یہ کام کریں یعنی جو یہ کام نہیں کرتا وہ ایمان والا نہیں کہلا سکتا۔اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ "مومن تو بس وہ ہیں" اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر"۔ایمان نام ہے یقین کا، ان کے دل میں CONVICTION ہو، یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک اللہ خالق اور مالک ہے اور محمد ﷺ اس کے آخری رسول ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے (جو آج ہمارے سامنے اصل شکل میں موجود ہے) آخرت ہے، قیامت ہے، حساب کتاب ہے، دائمی زندگی ہے۔

Marfat.com

بے شک اہل ایمان تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھیں۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ”اور پھر اس میں شک نہ کریں“۔ ایسا یقین ہو کہ جس کو بدلا نہ جا سکے۔ جس کا یقین کمزور ہو اس کی ذرا سی کسی سے بحث ہو جائے یا کوئی CROSS QUESTION ہو جائے تو وہ کہے گا کہ یہ بندہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اور جس کا یقین پختہ ہو تو پھر وہ اپنے یقین پر جان بھی دے دیتا ہے۔ بے شمار لوگ ہیں جو اپنے نظریہ پر جان دے دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانیں دیں ہیں۔ تو نظریہ ایسا ہو کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ مثلاً قرآن کی تعلیمات یہ ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اب کوئی بحث کرے کہ مرنا تو ختم ہونے کا نام ہے، سارے یورپ والے اور جدید دنیا کے سارے لوگ تو کہتے ہیں کہ موت ختم کر دیتی ہے، آپ پاکستان والے اور قرآن کو ماننے والے نئے آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی ہے آدمی اس سے CONVINCE ہو جائے تو پھر وہ شکوک شبہات میں پڑ جائے گا نماز چھوڑ جائے گا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے؛ عیش کرو دنیا میں۔ ایسا ایمان ہونا چاہیے جس میں شک وشبہ نہ ہو ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ریب نہ ہو شک نہ ہو AFTER THOUGHT نہ ہو۔ مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا پھر اس میں شک نہیں کرتے۔ یہ ایمان کا بیان ہو گیا آگے عمل صالح کا بیان ہے۔ وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہاں عمل صالح کا ایک ہی عنوان ہے ایک ہی وضاحت ہے ایک ہی تشریح ہے ”اور انہوں نے جدوجہد کی اپنی جانوں کے ساتھ اور مالوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں“۔ جہاد کا لفظ ہمارے ہاں ایسی اصطلاحات میں سے ہے جس کا حقیقی مفہوم عام نہیں ہے، بہت سے لوگ جنگ اور جہاد کو ہم معنی سمجھتے ہیں اور جہاد کو جنگ کے معنی میں لے لیا جاتا ہے۔ جہاد کے معنی بعض جگہ جنگ کے بھی ہیں لیکن ہر جگہ ہر جہاد جنگ نہیں ہو گا اور پھر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان جو بھی جنگ کرتے ہیں وہ جہاد ہوتا ہے۔ جہاد کا مفہوم بہت ہی PERVERTED سا ہو گیا ہے غلط ہو گیا ہے، ہمارے ذہنوں میں صحیح نقشہ نہیں بیٹھتا۔ دشمن پھر اس کو EXPLOIT کرتا ہے کہ دیکھو مسلمان اس کو جہاد سمجھتے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارے میڈیا میں شہید کی بحث آئی تھی کہ کون شہید ہوتا ہے۔ اب کوئی شہید کسے کہہ رہا ہے، کوئی کسے کہہ رہا ہے حتیٰ کہ اب مسلمانوں کی یہ اصطلاح غیر مسلموں

Marfat.com

کے ہاں بھی ہے ان کا بھی کوئی بندہ کسی دشمن کے ہاتھوں مارا جائے تو وہ بھی سکھ بھی ہندو بھی کہتے ہیں شہید ہو گیا۔ حالانکہ یہ اصطلاح ان کی نہیں ہو سکتی لیکن وہ یہ اصطلاح استعمال کر لیتے ہیں۔ تو جہاد کے لفظی معنی ہیں جدو جہد، جدو جہد کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں یہ جہد سے ہی جہاد بنا ہے اور انگریزی میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو STRUGGLE کے معنی میں آتا ہے جہاد کے معنی STRUGGLE۔ آدمی STRUGGLE کسی مشن یا نصب العین یا پیش نظر کسی چیز کے لیے کرتا ہے۔ کوئی اعلیٰ فوجی افسر بننا یا اعلیٰ سیاست دان یا کامیاب تاجر بننا چاہتا ہے اس کے لئے وہ محنت کر رہا ہے لگا ہوا ہے STRUGGLE کر رہا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی یہ چاہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں اللہ کو مانتا ہوں اللہ کے رسول ﷺ کو مانتا ہوں اور اس پر مجھے یقین ہے اور وہ جدو جہد کر رہا ہے کہ جو بھی اس کے تقاضے ہیں وہ پورے کرنے ہیں ہر سوال کا صحیح جواب دینا ہے ہر کام جس کا مجھ سے تقاضا ہے وہ میں نے کرنا ہے، یہ جہاد ہے۔ اگر مشن صحیح ہے تو اس کے لیے اپنے اندر وقت پر سونے اور جاگنے کی عادت ڈالنا بھی اسی کا حصہ ہو گا۔ کوئی اپنے آپ کو وقت کا پابند بنانا چاہتا ہے تاکہ زندگی میں جو آگے مرحلے آنے والے ہیں میرے اندر PUNCTUALITY پیدا ہو جائے تو یہ جہاد کا حصہ ہے۔ آدمی دنیا میں لذات کے پیچھے اتنا نہ جائے کہ پتہ نہیں زندگی میں مواقع ملیں گے یا نہیں ملیں گے لہٰذا کم سے کم پہ گزارا کر کے اپنے آپ کو قانع رکھنا یہ بھی جہاد کا حصہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک IDEAL زندگی گزاری ہے، ان کی سیرت پڑھ کر دیکھیں ان کے حالات پڑھ کر دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ جہاد والی زندگی ہوتی کیسے ہے۔ ایک مسلمان کی ایمان کے بعد کی ساری زندگی اوّل تا آخر جہاد ہی ہے۔ اس میں کچھ حصہ فرائض کی ادائیگی کا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہے، اسی کا حصہ ہے سچ بولنا، کسی سے ملنا ہے تو سلام کرنا ہے، خوش اخلاقی سے ملنا ہے، سکول کا کام کرنا ہے، استاد کی عزت کرنی ہے یہ بھی اسی عمل صالح کا حصہ ہے۔ انسان جس عمر میں ہے اس کے مطابق تقاضے پورا کرنا ہوتے ہیں۔ چار سال کا بچہ ہے اس سے دین کے اور تقاضے ہیں، چار سال کے بچے کو چالیس سال والے آدمی کی ذمہ داریاں تو نہیں بتائی جا سکتی۔ جس مرحلے میں بھی انسان ہے اگر مشن صحیح ہے، رخ صحیح ہے، نصب العین صحیح ہے تو آدمی جو کچھ کر رہا ہے وہ جہاد شمار ہو گا۔ اسی طرح ہمارے دین کی ساری

Marfat.com

عبادات ہیں۔حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ" اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: پہلا تو کلمہ شہادت ہے وہ الفاظ ہیں جو کوئی انسان بقائمی ہوش و حواس ادا کرتا ہے تو مسلمان ہوتا ہے "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ"۔ دوسرا ہے نماز قائم کرنا اور تیسرا ہے زکوٰۃ ادا کرنا اور پھر رمضان کے روزے رکھنا اور پھر صاحب استطاعت ہو تو حج کرنا۔اسلام کی بنیاد ان پانچ باتوں پر ہے۔جو آدمی مسلمان ہے اسے چار عبادات تو لازماً کرنی ہیں۔تب دنیا میں بھی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا ورنہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کے اندر ایمان ہے یا نہیں۔تو یہ تقاضے تو پورے کرنا بھی اسی جدوجہد کا حصہ ہے۔ایمان لائے ہو تو جدوجہد کرنی ہوگی جان اور مال کھپانا ہوگا وقت لگانا ہوگا۔جان سے مراد عام حالات میں وقت ہوتا ہے اور کبھی جان دینا بھی مراد ہوتا ہے۔

ان فرائض کی ادائیگی کے بعد ایک اس سے اگلا مرحلہ ہے۔آدمی کی زندگی میں کچھ اس کی مالی مصروفیات ہوتی ہیں کوئی ملازمت کرتا ہے کوئی زمیندار ہے کوئی کسی قسم کا بزنس کرتا ہے اس میں بھی اللہ کا کہنا ماننا ہوگا۔جو آدمی ملازمت کر رہا ہے وہ آٹھ گھنٹے تو کم از کم ادھر دیتا ہی ہے اور دو گھنٹے آنے جانے کے بھی ہوتے ہیں چوبیس میں سے دس گھنٹے ملازمت میں لگ جاتے ہیں۔اس میں اگر آدمی دین کے مطابق حلال کمانے کی فکر کر رہا ہے مثلاً کوئی کاروبار کرتا ہے یا کوئی ملازمت کرتا ہے یا جو کسی ذمہ داری کے عہدے پر ہے وہ یہ طے کرلے کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہو تو یہ بھی جہاد ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حلال کمانا بھی جہاد ہے" ★ جہاد کا حصہ ہے۔یہ کمانا بھی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہے اور اور اگر آدمی پابندی کرلے کہ میں نے دین کے مطابق کمانا ہے کوئی کام غلط نہیں کرنا، جھوٹ بول کر نہیں کمانا، ملاوٹ نہیں کرنی، دھوکا نہیں دینا، دونمبر چیز نہیں بیچنی، مہنگی چیز نہیں بیچنی۔ظاہر ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔یہ کمانا بھی جہاد ہے۔

اس سے آگے پھر اور بھی مراحل ہیں۔دیکھو ہم انسانوں کی زندگی میں مختلف WALKS OF LIFE ہیں۔زندگی اتنی سادہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے بہت سارے شعبے ہیں

★ طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ (جامع الصغیر بحوالہ القضاعی)

Marfat.com

اور ہر شعبۂ زندگی میں ہمیں سوچنا ہوگا کہ اسے متعلق دین کے تقاضے کیا ہیں۔ ہر آدمی کھاتا پیتا ہے، ہر آدمی کماتا ہے پھر ہر آدمی کے والدین رشتہ دار، برادری کنبہ، قبیلہ کے تقاضے ہیں ان کی توقعات ہیں۔ پھر ہم ایک ملک میں رہتے ہیں پاکستان ایک ملک ہے ہم اس کے رہنے والے ہیں، پاکستان کی عزت ہماری عزت ہے، اور پاکستان کو کچھ ہو جائے خدانخواستہ تو صاف ظاہر ہے ہمارا بھی نقصان ہوگا۔ پاکستان کی کرکٹ کی ٹیم جیت جائے تو پاکستان میں ہر آدمی کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے کہ آج ہماری ٹیم جیت گئی اور ٹیم ہار جائے تو، بہرحال دنیا میں کچھ نہ کچھ محسوس تو ہوتا ہے کہ پاکستان کی ٹیم ہار گئی ہے چاہے یہ کھیل کا میدان ہی ہے تاہم اس کا اثر ہو جاتا ہے۔ اسی طریقے پر ملک پاکستان کی عزت ہماری عزت ہے اور اس ملک کی ذلت اور شکست سے اس کے ہر رہنے والے کو افسوس ہوتا ہے۔ جب بنگلہ دیش الگ ملک بن گیا تھا تو پاکستان آدھا رہ گیا تھا تو لوگوں نے محسوس کیا تھا کہ یہ ہم سے غلطیاں کوتاہیاں ہوگئی ہیں جس کی اللہ نے ہمیں یہ سزا دے دی ہے۔ تو اس ملک کے بھی کچھ تقاضے ہیں جس میں ہم سانس لے رہے ہیں جس کے وسائل ہم استعمال کر رہے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں اور بحیثیت مسلمان ان تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہے۔ آپ غور کریں کہ دنیا میں اور بھی بہت سے مسلم ممالک ہیں ترکی ہے، مصر ہے، سعودی عرب ہے، اُردن، لیبیا، مراکش اور بنگلہ دیش وغیرہ کتنے مسلمان ممالک ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور وہاں بہرحال نماز روزہ بھی کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہی ہے لیکن دنیا میں پاکستان واحد ملک ہے جو بنا ہی اسلام کے نام پر ہے۔ 1947ء سے پہلے دنیا میں پاکستان نام کا کوئی ملک نہیں تھا ہم نے اس ملک کو ایک مقصد کے لیے بنایا ہے، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إلٰہ إلا اللہ، اس بنیاد پر یہ ملک بنا ہے۔ لہٰذا اس ملک کے اپنے کچھ تقاضے ہیں۔ ایک ترکی ملک ہے وہ ان لوگوں کا ملک ہے جو BY NATIONAL خاندانی طور پر ترک ہیں۔ اگر وہاں ساٹھ، ستر سال قبل اسلام غائب بھی ہوگیا، مصطفیٰ کمال اتاترک نے ایسے قوانین نافذ کر دیے تھے لیکن وہ پھر بھی ترک ہی ہے کیونکہ وہ ایک ہی برادری ہیں۔ لیکن پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے پاکستان میں سے اسلام کو نکال دیا جائے تو باقی پاکستان۔ پاکستان تو کوئی ملک نہیں ہے یہاں کوئی ایک قوم آباد نہیں ہے ایک زبان والے نہیں ہیں وہ تو پھر مسئلے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ملک ایسا ہے کہ اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ

Marfat.com

ہم نے ذاتی سطح پر مسلمان بن کر زندگی گزارنی ہے تو ہماری آخرت تو ٹھیک ہو ہی جائے گی دنیا میں بھی ہم پاکستان کو مضبوط کر رہے ہوں گے۔ جو آدمی مسلمان بن کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ پاکستان کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہے، پاکستان کو مستحکم بنا رہا ہے۔ جو ملک کی خدمت کر رہا ہے کہ اس میں کرپشن نہ ہو، کوئی لوٹ گھسوٹ نہ ہو، اس ملک کو اچھا بنایا جائے، اس ملک کو اسلام کے مطابق بنایا جائے وہ جہاد کر رہا ہے، وہ اپنے دین کی خدمت کر رہا ہے جو دین کی خدمت کر رہا ہے وہ ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ ہمارا ملک واحد ملک ہے جو اسلام کی وجہ سے بنا لہٰذا اپنے ملک کی خدمت خوش دلی سے کریں گے تو اسلام کی خدمت کریں گے۔ آپ COMPARE کریں میں مثال کے طور پر عرض کر رہا ہوں دیکھیں ہندوستان ہمارا پڑوسی ملک ہے اور جس کی ایک ارب سے زیادہ کی آبادی ہے اور 20 کروڑ کے قریب وہاں بھی مسلمان ہیں اور مسلمان وہاں فوج میں بھی ہیں وہ ملازمت کی وجہ سے ہر جگہ جاتے ہیں، کچھ مسلمان پولیس میں ہے۔ تو ہندوستان کا جو مسلمان فوج میں ہے تو اس کی ڈیوٹی کشمیر بھی لگتی ہوگی، اس کی ڈیوٹی پاکستان کی سرحد پر بھی لگتی ہوگی۔ جب 65ء کی جنگ ہوئی تھی تو ادھر سے مسلمان بھی لڑتے آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ بحیثیت مسلمان ان کا تعلق ہمارے ساتھ ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں قرآن اور حدیث کی ساری باتیں اس کے سامنے ہیں۔ اور اپنی JOB کی حیثیت سے وہ اپنے کمانڈر کا جو ہندو ہے اور انڈیا کے قانون کے جو تقاضے ہیں وہ ان کا پابند ہے کہ حکم مانو گولے برساؤ۔ اب وہ ایک DIVIDED PERSONALITY بن جاتا ہے کہ اس کی ملازمت یہ تقاضا کر رہی ہے کہ وہ مسلمانوں پر گولے برسائے، وہ دشمن ملک ہے۔ وہ فوج میں ہے اور تنخواہ لیتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ حکم مانے۔ اور مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان دینی بھائی ہیں اور ہندوؤں سے بہتر ہیں۔ اب اس کی سوچ کچھ اور ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے ٹریگر دباتے بھی سوچتا ہوگا کہ میرے ہاتھ سے ایک مسلمان مر جائے گا۔ جبکہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے اس کے تقاضے ہیں کہ اسلام پر چلیں اس طرح یہ ملک مضبوط ہوگا۔ خود اسلام پر چلیں گے تو اپنی آخرت ٹھیک کریں گے اور اگر ہم اپنے دوستوں کو اور سارے لوگوں کو اسلام پر چلنے کے لئے آمادہ کر لیں تو پاکستان کا نظریہ مضبوط ہوگا، پاکستان کا نظریہ مضبوط ہوگا تو ملک مضبوط ہوگا اور ملک میں

Marfat.com

اسلام کے نفاذ کی کوشش بھی عمل صالح کا حصہ اور جہاد شمار ہوگا۔اس ملک میں اسلام آجائے تو اس ملک کے قیام کا مقصد پورا ہو جائے گا اور بحیثیت مسلمان ہمارے دینی تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ہم ملک پاکستان کے رہنے والے،ایک لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے دینی تقاضے اور ملکی تقاضے ایک ہیں۔جو مسلمان امریکہ میں آباد ہیں اب وہاں اللہ کا حکم ماننا، جہاد کرنا وغیرہ دین کا تقاضا ہے۔اب وہی امریکہ افغانستان میں،عراق میں اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کو مار رہا ہے اب ان مسلمانوں کے کیا جذبات ہوتے ہوں گے،ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا کہ شاید اندر سے ان کے تعلقات افغانیوں کے ساتھ ہوں اور اوپر سے یہ امریکی ہیں NATIONALITY ان کی امریکی ہے۔تو دنیا میں واحد ملک پاکستان ہے کہ جہاں اللہ نے سب چیزیں جمع کردی ہیں، انفرادی تقاضے، دینی تقاضے،مسلمان ہونے کے تقاضے، پاکستان کے تقاضے، ملک کے شہری ہونے کے تقاضے،سارے کے سارے ایک ہی جواب ہے اسلام اور اسلام کے لئے کام کرنا۔اور اسلام کے لئے کام کرنے کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ یہ 'جہاد' ہے جان لگاؤ مال لگاؤ۔نماز، زکوٰۃ، حج، روزے کے لئے بھی جان مال لگتا ہے۔اور اس سے آگے ہے کہ عملی زندگی میں اللہ کے دین کو اپنی زندگی کا مشن بنانا اور اس کے جو بھی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا۔کہیں جان دینی پڑ جائے گی وقت دینا پڑ جائے گا، اپنے اثاثے دینے پڑ جائیں گے، اپنا نقصان اٹھانا پڑ جائے گا۔

تو عمل صالح کی حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دینی تقاضے پورے کرنے ہیں اور دینی تقاضے ایسے پورے کرنے ہیں جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے پورے کیے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے کیے ہیں۔افسوس کہ آج کل ہم مسلمان دینی تقاضے اس طریقے پر پورے نہیں کرتے۔ دعویٰ ہم کرتے ہیں لیکن اس طریقے پر پورے نہیں کرتے۔ہم نے ان کو DIVIDE کرلیا ہوا ہے کچھ لوگوں نے بعض چیزیں لے لی ہیں کہ ہم تو صرف یہی کریں گے باقی نہیں کرسکتے، اور کچھ لوگوں نے دو تین کام لے لیے ہیں باقی نہیں کرسکتے اور کوئی کہتا ہے یہ دو تین کام مجھے اچھے لگتے ہیں یہ میں کروں گا باقی نہیں کروں گا۔ جبکہ دین کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے سارے تقاضے TOTALLY پورے کیے جائیں۔تب کوئی شخص ایک IDEAL اور اچھا مسلمان بن سکتا ہے تب وہ آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے۔دین کے سارے تقاضے پورا کرنے کی کوشش تو کرنی چاہئے

Marfat.com

اور سارے پورے نہ ہو سکیں تو ٹھیک ہے کوشش کی ہے۔ مثال کے طور SCHOOL LIFE میں ایک کورس (SYLLABUS) بنا دیا جاتا ہے جو سارا سال طلباء کو پڑھایا جاتا ہے۔ اب اس میں سے پرچہ ہونا ہے اس کے لیے بچے سارے ہی محنت کرتے ہیں لیکن صد فی صد نمبر تو شاید ہی کوئی لے سکے۔ اس لئے کہ کبھی کسی وجہ سے پڑھ نہیں سکا، کبھی ذہن میں نہیں رہتا، کبھی استاد نہیں ہے تو کچھ چیزیں چھوٹ گئیں۔ تو اسی طرح عملی زندگی میں بھی کبھی کوئی آدمی تمام تقاضے پورے نہیں کر سکا۔ کسی کو زندگی میں مہلت نہیں ملی، بیمار رہا، ماحول مناسب نہیں ملا، والدین کے معاملات وغیرہ یوں اس طرح کے معاملات کی وجہ سے تمام تقاضے پورے نہیں کر سکا۔ لیکن FIRST DIVISION یا پاس مارکس تو لینے ہی چاہئیں۔ آدمی کا تصور صحیح ہونا چاہئے کہ یہ دین کے تقاضے ہیں اور پھر ہر آدمی کو سوچنا یہ چاہئے کہ مجھے دین کے سارے تقاضے پورے کرنے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کہا ہے میں نے اس کو پورا کرنا ہے اولاً اس کو قبول کرنا چاہئے اور ثانیاً اور اس کے لئے پھر کوشش کرنی چاہئے ایسے نوجوان بھی ہوں گے جو دوسروں سے بہت آگے نکل جائیں گے۔ اب دیکھیں! آپ ابھی نوجوان ہیں بڑے ہوں گے، آپ میں سے کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو ملک کا سربراہ بن جائے۔ کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا لیکن امکان تو ہے جیسا کہ آج جو سربراہ ہیں وہ آج سے 40-50 سال پہلے سکولوں میں ہی بیٹھے ہوں گے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کوئی طالب علم اپنے آبائی کام پر لگ جائے جاگیرداری میں وہ اپنے کسی مشن کو پورا نہ کر سکے تو ایسا ممکن ہے۔ لیکن جو ملک کا سربراہ بن جائے گا اس کے کاندھوں پر بہت زیادہ ذمہ داری ہو جائے گی کہ پورے پاکستان کی ساری آبادی کی طرف سے اس پر ذمہ داری آ گئی ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کرے۔ تو ہر آدمی کو دین کو TOTALLY اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ سے وعدہ کرنا چاہئے کہ اے اللہ میں پورے دین پر عمل کروں گا۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دل میں جذبہ ہونا چاہئے جیسے COMPETITION ہوتا ہے کہ پچھلے امتحان میں وہ مجھ سے دو نمبر زیادہ لے گیا اس دفعہ میں نے اس سے دو نمبر زیادہ لینے ہیں یہ COMPETITION دین کے بارے میں بھی کرنا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں دین کی خدمت کر کے دکھا دوں گا، آج تک جتنے ہی حکمران آئے انہوں نے دین کے تقاضے پورے نہیں کیے اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں

Marfat.com

کر کے دکھاؤں گا۔ یہ بھی COMPETITION کا حصہ ہے۔ آرزوئیں، امنگیں اور زندگی کا MOTO اور نصب العین بھی دین کے مطابق ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ہمارا ایمان ہے ہم مسلمان ہیں تو ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ پوری زندگی دین کے مطابق گزارنی ہے اس کے لیے جان و مال لگانا ہے اس سے باہر ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسی کا حصہ یہ بھی ہے کہ اے اللہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں پورے دین پر چلوں گا جو میرے لئے ابھی ممکن ہے نماز پڑھنا، سچ بولنا، چوری نہیں کرنی، کسی کا نقصان نہیں کرنا، جھوٹ نہیں بولنا وہ ابھی کروں گا اور آئندہ عملی زندگی میں جا کر میں تیرے دین کی خدمت کروں گا اسلام نافذ کر کے دکھاؤں گا جان مال لگا دوں گا اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ آرزو کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی مسابقت تھی جنگوں میں اور اللہ کے دین کی خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آج بھی یہ میدان کھلا ہے۔ اگر جذبہ ہو تو آدمی اللہ سے یہ دعا بھی کر سکتا ہے کہ میں مجاہد بنوں اور شہادت کا درجہ پاؤں۔

قرآن مجید میں سورۃ بنی اسرائیل میں رسول اللہ ﷺ کی دعا موجود ہے مکے سے ہجرت سے پہلے کی دعا ہے کہ اے اللہ مکے میں حالات صحیح نہیں ہیں، تو مجھے مکے سے نکال کر کہیں اور لے جائے تو مجھے وہاں حکومت عطا فرما، تاکہ میں تیرے دین کو غالب کروں۔ کیونکہ غلامی میں تو آدمی کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ اور سورۃ آل عمران میں بھی موجود ہے کہ اے اللہ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے اور تو جس کو چاہتا ہے حکومت دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لئے کسی اوباما کو نہیں SELECT کرے گا بلکہ جو مسلمان ہے اسی کو SELECT کرے گا۔ اگر آج کوئی کام کرنے کا ہے تو آج جو لوگ AT THE HELM OF AFFAIRS ہیں اور ملک چلا رہے ہیں اللہ ان کو توفیق دے گا اگر 10 سال بعد کوئی دین کی خدمت ہونی ہے تو اللہ تعالیٰ 10 سال بعد جو حکمران ہوں گے ان کو توفیق دے گا اور اگر 40 سال بعد ہے تو آپ میں سے جو اعلیٰ عہدوں پر جا کر بیٹھے ہوں گے ان کو توفیق دے دے گا۔ تو دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا کہ میں آج جو میرے لئے دین کے تقاضے ہیں وہ میں آج پورے کر رہا

Marfat.com

ہوں جو 10 سال بعد ہوں گے وہ اس وقت پورے کروں گا اور 40 سال بعد مجھے کوئی موقع ملا تو اس وقت کے تقاضے پورے کروں گا اور یہ بھی جذبہ رکھنا کہ اے اللہ تو مجھے دین کی خدمت کا موقع دے اور مجھے اختیارات دے اور طاقت دے حوصلہ دے تو میں پھر تیرے دین کی خدمت کر کے اس کو نافذ کر کے دکھادوں گا۔ یہ بھی دین کا تقاضا ہے یہ بھی اسی جہاد کا حصہ ہے اللہ کے دین کا کام کرنا۔ مختصر الفاظ میں یہ کہ ہر وقت دین کے کاموں، فرائض اور دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے جان مال تیار رکھنا کہ دین کا جو تقاضا آئے گا میرے پاس جو وقت ہوگا جو پیسے یا جتنے وسائل ہوں گے وہ بھی لگانے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔ یہ جذبہ ہوگا تو وہ آدمی عملی زندگی میں جہاد کر رہا ہے وہ آدمی مجاہد ہے اور دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان کو مجاہد ہی ہونا چاہئے قرآن و حدیث میں کہیں کہیں جنگ کو بھی جہاد کہہ دیا گیا ہے تو کبھی تقاضا ہو کہ جنگ کے لئے جانا ہے تو بھی آدمی گریز نہیں کرے گا جان اللہ کی دی ہوئی ہے اگر دین کی خدمت ہو سکتی ہے تو میں جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت اسی بات کو واضح کرنے والی ہے فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

بے شک اہل ایمان تو صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر

ایمان سے مراد یقین (CONVICTION) ہے دل میں ایسا یقین ہو کہ آدمی کی جان تو چلی جائے لیکن وہ یقین ادھر اُدھر نہ ہو۔

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا پھر اس میں شک نہ کریں۔

وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ (اہل ایمان اس یقین کے بعد) جہاد کریں، STRUGGLE کریں، کوشش کریں، تگ و دو کریں، جدوجہد کریں، لگے رہیں۔ (جہاد کے بہت سے تقاضے اور مراحل ہیں اور اس کے لیے علیحدہ سے وضاحت کی ضرورت ہے)۔

ہر آدمی طے کر لے کہ مجھے دین کے لئے کام کرنا ہے روزانہ کرنا ہے اپنی صلاحیتیں اور اپنا وقت لگانا ہے اور اپنے وسائل لگانے ہیں اور اللہ سے دعا کرتا رہے کہ اے اللہ تو مجھے موقع دے تو میں تیرے دین کی خدمت کروں گا جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ مقصد میں پورا کر دوں گا اے اللہ میرے سر پہ یہ تاج رکھ دے اور مجھے اس کام کا موقع دے دے تو یہ بھی بہت

Marfat.com

اچھی بات ہوگی۔ یہ کسی انسان ہی نے کرنا ہے اگر آپ میں سے کچھ دوست ایک گروپ بنالیں کہ جب موقع ملا ہم یہ کام کریں گے تو یہ ایک پسندیدہ کام ہے۔اس مقصد کو اپنے دل میں پالنا، آگے بڑھانا، اس کے لئے آرزوئیں رکھنا اس کے لئے دل میں اُمنگ پیدا ہونا یہ سب باتیں ایک اچھے مسلمان کی زندگی کی شان ہے اس طرح ہمیں زندگی میں اسلام کی سربلندی کے مقصد کے لئے جینا چاہئے اور اسی کے لئے مرنا چاہئے اس کے لئے جدوجہد ہو حتیٰ کہ اسی مقصد کی خاطر کھانا پینا چاہئے اور آرام کرنا چاہئے تاکہ میں صحت مند مسلمان بنوں اور اپنی طاقت کو اسلام کے حق میں استعمال کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ اور ان پر صِدق دل سے عمل کرنے اور ایک سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے — قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں — عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
اے مسلمان ہر گھڑی پیش نظر — آیۂ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَاد رکھ
یہ ”لسان العصر“ کا پیغام ہے
”اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ یاد رکھ“
علامہ اقبال

Marfat.com

5

رمضان المبارک کے روزے اور جہاد و قتال

سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی ہر لحاظ سے
انسانیّت کے لئے نمونہ ہے
جس کی روشنی میں
رمضان......نزولِ قرآن......لیلۃ القدر
روزہ......اور......جہاد
آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں

جناب رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارا
(حکمت بالغہ رمضان المبارک 1430ھ، اگست 2009ء)

Marfat.com

Marfat.com

ماہِ صیام کی آمد آمد ہے اور اس بابرکت اور عظیم مہینے کی عبادات کی اہمیت ہر باعمل مسلمان پر واضح ہے۔ تاہم ہمارا عام تصوّر یہ ہے کہ اس ماہ میں اپنی مصروفیات ــــــ اور ہو سکے تو ہر طرح کے میل جول کو منقطع کر کے بس دن رات عبادت میں لگے رہنا ہی شاید اس ماہِ صیام کا حق ادا کرنا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ہم عام طور پر فضائلِ رمضان المبارک میں احادیث نبوی اور تفصیلات ہی وہ بیان کرتے ہیں جو اسی مزاج کی حامل بھی ہیں اور اسی سوچ کو پختہ تر کرنے والی ہیں۔ ہمارے ہاں گزشتہ پانچ چھ سو سال کے بزرگانِ دین کے تذکروں میں جو نقشہ ماہِ صیام کی مصروفیات کا سامنے آتا ہے وہ ایسا ہی ہے کہ بس اسلاف کا طریقہ یہ ہے کہ اس ماہ ہر قسم کا سفر ترک کر دیا جائے اور عوام سے میل ملاقات میں وقت لگانے کی بجائے بس عباداتِ الٰہی اور نیکی کرنے میں وقت گزارا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کے سیاق کلام میں دیکھیں تو یہاں عبادتِ صوم اور ماہِ صیام کی مصروفیات اور تفصیلات کے بیان والے رکوع سے چند رکوع پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ــــــ تعمیر کعبہ کا ذکر ــــــ اور پھر عظیم المرتبت دعا کا ــــــ جس کی قبولیت میں تو اگرچہ 2500 سال لگ گئے مگر کامل اور اکمل ترین نبی، بلند پایہ رسول اور ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ بقول حالی

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحؑا

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے آغاز پر ہی اسی بیت اللہ کی تولیت کی ــــــ ”حق بحقدار رسید“ کے مصداق ــــــ سپردگی یعنی تحویل قبلہ کا تذکرہ ہے اور اس کی آئندہ مسلمانوں کی زندگی میں مرکزی اہمیت کا ــــــ کہ ہر روز نماز پنجگانہ کے لئے تم مسلمانو جہاں کہیں بھی ہو تمہیں اس قبلہ کی

Marfat.com

طرف رخ کرنا ہوگا۔

اس اہم ہدایت کی بعد شانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے تم حقیقت سے واقف نہیں تھے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس ہے کہ آپ انہیں وہ باتیں عام انداز میں سکھا رہے ہیں جو یہ جانتے نہیں تھے۔ اور اس شاندار تذکرے کے ساتھ ہی صبر اور صلوٰۃ کا ذکر ہے ـــــ بالواسطہ جنگوں اور کفار سے مقابلے کا ذکر ہے اور اس راہ میں شہادت کے اعلیٰ مقام کا ذکر ہے کہ شہید تو زندہ ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔

اس پس منظر میں بات یہود کے تذکرے سے ہوتی ہوئی آیاتِ الٰہی اور غلط قیادتوں اور الائمۃ المضلّون کی ملمع سازیوں کے حوالے کے بعد شیطان کے ذکر پر آتی ہے، حلال وحرام اور یہود کے انکار قرآن مجید پر رکوع ختم ہوتا ہے۔

اب یہاں ''نیکی کی حقیقت'' کا تذکرہ ہے، یہود کی معہود ذہنی کی نفی ـــــ کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا ہی کل نیکی نہیں بلکہ نیکی تو اللہ اور آخرت کو اور پیغمبر یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو نیکی کا تصور لائے ہیں اس میں جہاد اور قتال ہی نیکی کی اعلیٰ شکل ہے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت جو سفر تبوک سے متعلق ہے سامنے آتی ہے۔

بعد ازاں اسی جہاد سے پیدا شدہ مسائل یعنی شہادتوں کے بعد وراثت اور دیگر تفصیلات کے بعد روزے کی فرضیت اور اس کے احکام اور حکمتیں مذکور ہیں اور اس رکوع میں روزے کی عبادت کے ساتھ تجرّد کی زندگی کی تخفیف اور متاہّل زندگی کی بلند شان کا اشارہ ہے اور ساتھ ہی کسب حلال اور اکل حلال کا ذکر ہے۔ اس رکوع کے بعد حج اور ساتھ ہی پھر جنگ کا ذکر ہے۔ گویا قرآن مجید میں سیاق و سباق ـــــ جہاد، جنگ اور اس کے متعلقہ مسائل ہی کے درمیان ماہِ صیام کا ذکر ہے اور اس ماہ کی فضیلت اور قرآن مجید کی فضیلت کا ذکر ہے۔

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ روزہ ایک تربیت ہے اور قرآن مجید کا تراویح میں سننا ایک روحانی ترقی کا ذریعہ ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ ساری محنت مشقّت کس مقصد کے لئے ہے؟ یہ تیاری آئندہ کن مشکل مراحل کی طرف اشارہ کر رہی ہیں؟ ـــــ اس استخراج کی کوشش راقم خود اپنے ناقص ذہن سے کرے گا تو ایک ناپاک جسارت اور چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی جس کا

Marfat.com

راقم اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر سوچ بھی نہیں سکتا کہ دینی معاملات میں کوئی بات خیر القرون سے ہٹ کر یا بلا دلیل کی جائے۔

آیئے ـــــ اس ساری بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے سیرت النبی ﷺ کے ماہ و سال اور رسالت مآب ﷺ کے پیغمبرانہ کارناموں کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے رمضان المبارک کیسے گزارے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی معیت اور اتباع میں یہ وقت کیسے صرف کیا۔

یہ بات طے ہے کہ رمضان المبارک کے روزے 2 ہجری میں فرض ہوئے اور اس کے احکام دو تین سالوں میں مکمل ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کا رکوع 23 خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس کی آیات میں زمانہ نزول کا فصل موجود ہے۔

اب 2 ہجری کے رمضان المبارک سے آپ ﷺ کے وصال مبارک یعنی ربیع الاول 11 ہجری تک 9 ماہ صیام آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آئے ہیں۔ یہ 9 ماہ صیام آپ نے کیسے اور کن حالات میں گزارے اور اپنے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کی کیا تربیت فرمائی اور کیا پیغام دیا؟ وہ سیرت النبی ﷺ کی کتابوں کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔

رمضان المبارک 2 ہجری

یہ پہلا ماہِ صیام ہے، بڑے ذوق وشوق سے مدینہ منورہ میں اس عبادت کا آغاز ہوا، اہتمام کیا گیا۔ ساتھ ہی مکہ میں جو وادی نخلہ میں مہم حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ کی تھی اور ان کے ہاتھوں یکم رجب 2ھ کو ایک کافر مارا گیا اس کے اثرات اور ردّ عمل مکے میں جاری تھا اور نبی اکرم ﷺ اس پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ (حضرت) ابوسفیان کی زیر قیادت جو قافلہ ملک شام جا رہا تھا (جمادی الاول 2 ہجری، مطابق نومبر 625ء) میں اس کے تعاقب کے لئے ایک مہم روانہ کر چکے تھے۔

اب وہ قافلہ بھی واپس آ رہا تھا اس کی اطلاعات تھیں اور قریش بھی جوش انتقام میں جل بُھن کر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپؐ رمضان المبارک کے دوسرے ہفتے میں 313 جانثاروں کو ساتھ لے کر نہایت قلیل تیاری کے ساتھ قافلے کا راستہ روکنے کا ارادہ کر کے مدینہ سے

Marfat.com

نکلے اور اس سفر میں ہی اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ فرمایا اور اپنی تدبیر سے اہل ایمان اور کافروں کو بدر پہنچا دیا جہاں اللہ ﷻ نے تاریخی فتح دے کر ''یوم بدر'' کو ''ایام اللہ'' میں سے اہم دن بنا دیا۔ یہ واقعہ 17 رمضان المبارک کا ہے۔ گویا یہ پہلا رمضان المبارک جنگ بدر کی طرف پیش قدمی اور جنگ کے بعد کے حالات سے نپٹتے نپٹتے گزر گیا۔ مسلمانوں کی پہلی عید ——

میدانِ بدر کی شاندار کامیابی، سورۃ روم میں موعود یہود و نصاریٰ کی فتح کی خوش خبری کا مدینہ پہنچنا اور بدر کی فتح پر آس پاس کے علاقوں سے تہنیتی وفود کے جلو میں گزری۔

عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دین
عیدِ محکوماں ہجوم مؤمنین

رمضان المبارک 3 ہجری

رمضان المبارک 3 ہجری آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینے میں گزارا، اس دوران میں قریش کی سال بھر کی جنگی تیاریوں کی تکمیل کی اطلاعات آ رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشوروں میں وقت گزار رہے تھے کہ یکا یک آپ ﷺ کو ایک قاصد کے ذریعے مکہ سے تین ہزار افراد کا لشکر روانہ ہونے کی اطلاع ملی جو بھرپور تیاری کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے تحمل سے مشورے کیے اور دفاعی اور جنگی منصوبہ بندی فرمائی۔

عید الفطر اسی منصوبہ بندی میں گزاری، قریش کا لشکر 6 شوال 3ھ کو مدینہ اترا، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہر نکل کر رات گزاری اور 7 شوال 3ھ کو جنگ اُحد کا دن ہے۔ یہ دن یوں بھی بہت اہم ہے کہ آپ ﷺ زخمی ہوئے زمین پر گرے اور آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ اس جنگ میں 70 مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا جن میں حضرت امیر حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ انہیں حالات میں شوال 3ھ میں رسول اللہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

رمضان المبارک 4 ہجری

شعبان 4 ہجری میں کفار کے عہد کے مطابق ایک معرکہ پیش آیا جسے غزوہ بدر دوم کہتے

Marfat.com

ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ واپسی پر رمضان کا ماہ مبارک آیا جو آپ نے مدینے میں گزارا۔

رمضان المبارک 5 ہجری

الرحیق المختوم کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے بقول غزوہ احزاب شوال 5 ھ میں پیش آیا تھا۔ دو تین ماہ قبل سے ہی قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات مدینہ پہنچ رہی تھیں، عرب بھر سے قریش کے حلیف (اتحادی) قبائل کے لشکر تیار تھے اور مدینہ پر حملہ کے منتظر۔ اس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا، یہ آپ کی ذاتی بصیرت کا شاہکار ہے۔ یہ خندق تقریباً 9 کلومیٹر لمبی تھی اور مسلمانوں نے نہایت جانفشانی سے اس کی کھدائی کی تھی، خود رسول اللہ ﷺ بھی اس میں شریک رہے، سردی کا موسم تھا۔ ماہ رجب، ماہِ شعبان اور رمضان المبارک 5 ھ کا ایک حصہ اسی خندق تیاری میں گزر گیا۔ اور باقی رمضان المبارک، شوال کا مہینہ لشکر کی آمد اور حملہ کے خطرہ میں گزرا۔ شوال میں 28 دن یہ محاصرہ رہا تاہم کفار کا لشکر بغیر فتح کے نامراد لوٹ گیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے بڑی کامیابی تھی۔ یہ رمضان المبارک بھی جنگی تیاریوں اور پہروں کے جلو میں اور جہاد کے ماحول میں گزرا۔

رمضان المبارک 6 ہجری

2 شعبان کو غزوہ بنی المصطلق کے لئے روانگی ہوئی اور اواخر شعبان میں واپسی، اسی غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف کا واقعہ پیش آیا جس سے 40 روز تک آپ ﷺ گھریلو معاملات میں منافقین کے رویے کی وجہ سے سنگین کیفیت سے دوچار رہے، پورا رمضان المبارک ظاہری طور پر ایک طرح کی بے سکونی میں گزرا۔

رمضان المبارک 7 ہجری

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان عمرہ نہیں کر پائے تھے اس لئے قضائے عمرہ کے لئے 7 ھ میں روانگی ہوئی۔ صلح کے بعد امن کا زمانہ رہا اور ہمارے نبی ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد یہ پہلا رمضان المبارک ہے جو نہایت سکون کے ساتھ گزارا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو روزے کی

Marfat.com

برکات اور احکام سکھائے اور 130 صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک مہم کے لئے مقام میفعہ روانہ فرمایا۔

رمضان المبارک 8 ہجری

8 ہجری میں رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی حدیبیہ کا معاہدہ قریش کی بدعہدی کی وجہ سے ٹوٹ چکا تھا۔ حضرت ابوسفیان اس کی تجدید کی کوشش کے لئے مدینہ حاضر ہوئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے ملاقات ہی نہیں فرمائی۔ حضرت ابوسفیان کی واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور تیاری کے بعد سفر کا آغاز کیا اور دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، بغیر جنگ کے مکہ فتح ہوگیا۔ یہ واقعہ 20 رمضان المبارک 8ھ کا ہے۔ 15 دن مکہ میں قیام رہا۔ گویا اوائل رمضان المبارک سے ہی مکہ روانگی ہوگئی تھی۔ یہ ماہِ صیام بھی جہاد اور جنگ کی کیفیات میں بسر ہوا۔

رمضان المبارک 9 ہجری

یہ ماہِ صیام سفر تبوک میں صرف ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس جنگ کی تیاری فرمائی، نفیر عام دی 30,000 کا لشکر لے کر مقام تبوک روانہ ہوئے۔ ایک ماہ جانے میں صرف ہوا، ایک ماہ کے لگ بھگ وہاں قیام رہا، قیصر روم جنگ میں مقابلہ پر نہیں آیا۔ واپسی کا سفر رمضان المبارک میں ہوا، اور شوال کے اوائل میں مدینہ تشریف آوری ہوئی۔ یہ ماہ صیام پورا سفر جہاد میں گزرا۔

رمضان المبارک 10 ہجری

یہ ماہِ صیام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً چھ ماہ پہلے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں گزارا اور چونکہ 8ھ اور 9ھ کے ماہ صیام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم نہ ہونے کی وجہ سے اعتکاف نہیں کر سکے تھے؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ماہ کا اعتکاف فرمایا۔ واللہ اعلم

<u>خلاصہ کلام یہ ہے کہ:</u>

1 ماہِ صیام مسلمانوں کی فوجی قسم کی ایک تربیت کرتا ہے اور روحانی برکات تو جو ہیں وہ ہیں

Marfat.com

ظاہری برکات میں سے بھی ڈسپلن اور نظم وضبط کا عادی بناتا ہے اس نظم وضبط کا ہدف اور استعمال کیا ہے؟ یہ آج کا عام مسلمان اور رہنمایانِ قوم نہیں سوچتے صوفیاء کرام اپنے مریدوں کی تربیت کر رہے ہیں مگر اس تربیت کا ہدف کیا ہے؟ یہ بات بھی بتانا اور عام کرنا ضروری ہے اس تربیت کا ہدف سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے نہیں ہے صوفیائے کرام مصلحتاً مریدین کو یہ ہدف نہیں بتاتے کہ پھر وہ جلد یا بدیر جہاد پر جانے کا مطالبہ کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تربیت میدان جہاد میں بھی دی اور سفر جہاد میں بھی دی اور روزے کی برکات کا صحیح مصرف اور صحیح استعمال سکھایا۔

2 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مدنی دور میں 9 ماہ صیام آئے جن میں رمضان 2ھ جنگ بدر میں اور رمضان 3ھ جنگ اُحد سے قبل کی تیاری میں صرف ہو گئے۔ رمضان 5ھ جنگ احزاب سے قبل خندق کی کھدائی اور جنگی تیاریوں میں گزرا۔ رمضان 6ھ غزوہ بنو المصطلق سے واپسی پر منافقین کی شرارت کے نتیجہ میں واقعہ افک کے پریشان کن حالات اور کرب میں گزرا۔ رمضان المبارک 8ھ فتح مکہ کے سفر اور فتح مکہ اور اس کے بعد جنگی انتظامات میں صرف ہو گیا۔ 9ھ کا ماہ صیام قیصر روم کے مقابلے میں جنگ کے لیے لشکر کی روانگی قیام اور واپسی میں گزر گیا۔ صرف 4ھ، 7ھ، 10ھ کے 3 ماہِ صیام مدینے میں حالت امن میں گزرے۔

3 اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ماہ کی عبادت کے نتیجے میں حاصل توانائی اور روحانی جذبے اور شوق کا اصل ہدف سوائے جہاد کے اور کچھ نہ تھا۔

4 کاش آج ہمارا اور ہمارے سارے مسلمان بھائیوں کا رمضان المبارک گزارنے اور اس کی برکات کے حصول کا ہدف ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِتباع میں جہاد کا شوق اور جذبہ جہاد اجاگر کرنا ہی ہو جائے تو شاید اس سے اُمت مسلمہ کی تقدیر بدل جائے۔ وما ذالك على الله بعزيز

Marfat.com

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے (الحدیث)

Marfat.com

6

حدودُ اللہ کی حفاظت

ایک سچے مسلمان کی
جنگ یعنی جہاد و قتال
بھی صرف وقتی اور جذباتی عمل نہیں ہے
بلکہ
اجتماعی سطح پر 'حدودُ اللہ' کے نفاذ کی جنگ
سے کہیں پہلے انفرادی سطح پر
زندگی کے مخفی اور ذاتی گوشوں میں بھی
حدود اللہ کی محافظت کی نازک ذمّہ داری بھی
'احسان' کے معیار پر ادا کرنا ہے

قیامِ نظامِ خلافت کے داعیوں اور کارکنوں کے ذاتی اوصاف کے ضمن میں اہم ترین بنیادی وصف اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہ یعنی حدودُ اللہ کی حفاظت

(حکمت بالغہ جولائی 2010ء)

Marfat.com

Marfat.com

نظامِ خلافت کا قیام ایک کثیر الجہتی کام ہے جس کے شیدائیوں اور فدائیوں کے (مختلف پہلوؤں سے) کئی اوصاف قرآن مجید اور فرامین رسالت ﷺ میں وارد ہوئے ہیں۔ خلافت کا قیام انفرادی و اجتماعی زندگی میں جن بنیادی تبدیلیوں کو بروئے کار لا کر ایک عادلانہ اجتماعی معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتا ہے____ وہ ناگزیر بنیادی اوصاف پہلے اس نظامِ خلافت کے قیام کے لئے کام کرنے والوں میں خالص ترین شکل میں موجود ہونا لازمی ولابدی امر ہے۔

سورۃ المائدہ میں نظام خلافت کے ایسے شیدائیوں اور فدائیوں کے لئے ان کی اللہ سے محبّت اور فدائی جذبہ سے پہلے ان کے لئے محبوب الٰہی ہونے کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔ اسی طرح آپس میں رحیم وشفیق اور عدل اجتماعی کے قیام کے مخالفوں کے لئے ناقابل تسخیر اور لوہے کا چنا ہونے کا ذکر بھی ہے (54:05)۔ بقول اقبال

؎ ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

یا فارسی میں انہوں نے یہی مضمون اس طرح ادا کیا ہے

؎ بروز بزم سراپا چوں پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ و خود فراموشند

ان خوش بخت لوگوں کے کچھ اوصاف ایک دوسرے انداز میں سورۂ توبہ کی آیات 110، 111 میں وارد ہوئے ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ میں سب سے آخر میں "اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہ" کے الفاظ آئے ہیں اور انگریزی محاورے LAST BUT NOT THE LEAST کے مصداق اہمیت میں ایک لحاظ سے سب پر بھاری ہیں۔

پہلی نظر میں تو 'حدود اللہ' کے الفاظ بڑے سادہ سے ہیں اور مفہوم بھی بڑا واضح

Marfat.com

ہے اور خدائی خدمت گار اور خدائی فوجدار کا تصور ابھرتا ہے تاہم قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں ذرا گہرائی میں جائیں تو کئی دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں جو اخلاقی اور عملی ہر دو لحاظ سے بڑے معنی خیز ہیں۔

حُدُودُ اللہ

'حُـدُود' کا لفظ جمع ہے اور اس کا واحد 'حَـدٌّ' ہے۔ حدود کا لفظ قرآن پاک میں 14 مرتبہ آیا ہے۔ 12 مرتبہ لفظ اللہ کے طرف مضاف ہو کر اور 2 مرتبہ اس کے علاوہ۔

حد (جمع حدود) کے معنی اُردو زبان میں مستعمل مفہوم کی طرح کسی معاملے میں ملکیت یا استعمال کی اجازت کے آخری نشان اور خط کے ہیں جیسے ملکوں کی حدود ہوتی ہیں اسی طرح حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں حدود متعیّن کر دی ہیں تا کہ ان کے اندر رہ کر انسان زندگی گزارے اور اس سے ہر گز تجاوز نہ کرے۔ (اِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا۔ مستدرک، عن ابی ثعلبہ)

ایک عام دینی مزاج کے مسلمان کے ذہن میں ''حدود اللہ'' سے مراد اکثر و بیشتر بدکاری، چوری، ڈاکہ، قتل وغیرہ کی قرآنی سزائیں ہیں اور 'حدود اللہ' کے نفاذ یا اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کے قیام کا مطلب انہیں حدود اللہ کے نفاذ کا اہتمام کرنا ہے۔ ایک حدیث میں یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے:

اِقَـامَةُ حَـدٍّ مِـنْ حُـدُودِ الـلّٰـهِ، خَيْـرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (سنن ابن ماجه عن بن عمر رضی اللہ عنہ)

''اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کو قائم کرنا چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے''

تاہم قرآن مجید میں 'حدود اللہ' کی اصطلاح وسیع تناظر میں استعمال ہوئی ہے اور اس طرح حدود اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور انسان کی نجی اور متاہّل زندگی (FAMILY LIFE) کا ایک اہم اور بظاہر نجی اور RECREATION کے انداز کا حصّہ بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ دین کے وہ احکام جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، قاتل کی گرفتاری اور سزا وغیرہ یہ مسلمانوں کے لئے انفرادی سطح کا کام نہیں ہے بلکہ اس

Marfat.com

کے لئے ایک حکومت، ریاست، عدالتی نظام، پولیس، حوالات، جیل خانہ جات کے ساتھ تفتیش اور شہادتوں کا پورا ڈھانچہ ضروری ہے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اور ایسا نہ ہو کہ لوگ جس کو چاہیں چور چور کہہ کر پکڑ لیں اور ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اس کے لئے نظامِ خلافت کا قیام ناگزیر ہے اس کے بعد ہی ان حدود کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ جبکہ ـــــــ نجی زندگی اور عائلی زندگی میں مذکورہ 'حدوداللہ' کے ضمن میں انفرادی سطح پر ہی انسان جوابدہ ہے اور عمل درآمد ضروری ہے۔

اس مضمون کا مدعا ہی یہ ہے کہ 'حدود اللہ' کی تشریح کر کے واضح کر دیا جائے کہ کونسی 'حدود' اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں جن کے نفاذ کا معاملہ قیام نظام خلافت سے منسلک ہے اور کونسی 'حدود' انسان کی نجی اور متاہل زندگی سے متعلق ہیں جن کے لئے خادمانِ دین مبین اور نظام خلافت کے شیدائیوں اور فدائیوں کو خود ذاتی سطح پر اہتمام کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس ضمن میں پوری طرح جوابدہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَسِیْرًا۔ آمین (ہم یہاں آسانی کے لئے نجی اور متاہل زندگی سے متعلق حدود کی نشان دہی کریں گے جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے علاوہ دیگر جن معاملات پر حدوداللہ کے الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے وہ اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔)

قرآن مجید میں 'حُدود اللہ' کی اصطلاح

1۔ قرآن مجید میں حُدود اللہ کی اصطلاح ترتیب مصحف میں سب سے پہلے دوسرے پارے میں روزے کے احکام کے ساتھ آئی ہے جہاں روزے کی حکمت، احکام اور تفاصیل آئی ہیں وہیں احکام صوم کی تفصیل میں رمضان المبارک کی راتوں میں اعتکاف کی حالت میں مرد (اور عورت) کے لئے کچھ پابندیوں کا تذکرہ ہے اور وہاں الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ○ (187:02)

''یہ اللہ کی حدیں ہیں ہرگز ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔''

گویا یہاں انسان کی نجی، ذاتی اور ازدواجی زندگی میں آزادروی اور آزاد منش سوچ پر پابندیاں عائد کر دی گئیں ہیں اور یوں بندۂ مومن کو جو دل میں آئے کر گزرنے والی حیثیت سے نکال کر

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرنگوں اور فرمانبردار کی حیثیت سے سامنے لایا گیا ہے اور ان 'حدود' کا روزے کی روحانی عبادت کے ساتھ تذکرہ کر کے اس سے جوڑ دیا گیا ہے گویا یہ اس کا حصہ ہے ضمنی طور پر ہمارے ذہنوں میں معروف دینی اور دنیاوی کاموں کی تقسیم کے تصور کو توڑ کر احکام الٰہی اور اس کی بندگی کی وحدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

2۔ قرآن پاک کے آخری حصے میں سورۃ الطلاق میں بھی 'حدود اللہ' کی اصطلاح آئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے گھریلو زندگی میں طلاق جیسے اہم مسئلے کی تفصیلات دی ہیں اور ان تفصیلات کو 'حدود اللہ' سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہاں ایک ہی آیت میں دو دفعہ 'حدود' کی اصطلاح آ گئی ہے۔

3۔ اسی طرح سورۃ النساء کے آغاز میں دو مرتبہ یہ اصطلاح وارد ہوئی ہے اس سورۃ کے نام 'النساء' پر بحث کرتے ہوئے مفسرین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سورت میں خواتین، یتامیٰ اور معاشرے کے دیگر کمزور طبقات کے حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہیں وراثت کے احکام بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو بھی وراثت کا حقدار ٹھہرایا ہے اور عورت کو بڑی عزت کا مقام دیا ہے۔

ان احکامِ وراثت کی تعمیل پر جنت کا وعدہ ہے اور عدمِ تعمیل پر 'خلود فی النار' کی وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (13:04)

اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

Marfat.com

اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا

یُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَ لَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ O (14:04)

اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

یہاں بھی دو مرتبہ حدود کی اصطلاح آئی ہے اور انسان کی نجی اور گھریلو زندگی کے ضمن میں آئی ہے۔

4۔ قرآن پاک کے 28ویں پارے میں یہ اصطلاح آئی ہے جہاں فیملی لائف اور ازدواجی زندگی میں عرب جاہلیت کے دور کے ایک مذموم رواج اور قبائلی روایت 'ظہار' کو کالعدم قرار دینے کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کے لئے سزا تجویز کی گئی ہے گویا ازدواجی زندگی میں مردوں کو اگر قوامیّت حاصل ہے تو اس خاندان کے ادارے کو معروف معنی میں چلانا بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے۔ عورت کو بیوگی اور بچوں کی پرورش کے بوجھ کی سزا سے بری الذمہ قرار دیا ہے اور ظہار کرنے والے مردوں کے لئے سزا مقرر فرمادی ہے اور ساتھ ظہار کو ایک 'لغو' فعل قرار دیا ہے کہ تمہاری مائیں تو صرف وہ ہیں جنہوں نے تمہیں جنا ہے، منہ سے کہنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی ہاں ـــــ یہ قول جھوٹ کا پلندا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ O (4:58)

"اور یہ اللہ کی حدیں ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے"

5۔ سورۃ البقرۃ میں دوسرے پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نجی اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضابطے اور احکام بڑی تفصیل کے ساتھ ایک ہی جگہ بیان فرمادیے ہیں اور یہ بحث تقریباً چار رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس بحث کے آغاز میں (آیات 221 تا 228) ازدواجی زندگی کے بارے میں انسانی فطرت اور خواہشات کے ضمن میں بعض بنیادی باتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض ناپسندیدہ انسانی رویوں پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

اس کے بعد حیران کن بات یہ ہے کہ دو آیتوں میں چھ مرتبہ 'حدود اللہ' کی اصطلاح آئی ہے اور یقیناً حکمت خداوندی میں ازدواجی زندگی کے بارے میں ان مذکورہ حدود کی اہمیت

Marfat.com

کے پیش نظر ہی آئی ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ

طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے

وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا

اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔

اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ

پھر اگر تم کو ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا

یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلو

وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (229:02)

اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہ گار ہوں گے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور وہ عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین رکھیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O (230:02)

Marfat.com

اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں (جو دانش ور ہیں)

ان آیات میں احکامِ الٰہی کی حکمت کے پیشِ نظر 'حدود' کی اصطلاح کے متعدد بار آنے کے باوجود اگلی آیت میں ارشاد ہے:

......وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا

......اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ

وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ

اور اللہ نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے ان کو یاد کرو

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ O (231:02)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے"

6۔ قرآن پاک میں 14 مرتبہ وارد شدہ اس اصطلاح (حدود اللہ) میں سے 12 مرتبہ صرف ازدواجی زندگی سے متعلق وارد ہونا یقیناً ازدواجی زندگی میں اللہ کی متعین کردہ 'حدود' کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور علم و حکمت الٰہی میں چونکہ انسان ان 'حدود' کی دانستہ و نادانستہ خلاف ورزی کر رہا ہے اور صرف کافر نہیں مسلمان بھی کر رہے ہیں لہٰذا اس پر تاکید اور تکرار کے ساتھ عمل کا مطالبہ 'حدود اللہ' کے محافظوں کے لئے بڑا اہم باب ہے۔

سورۂ طلاق میں جہاں 'حدود اللہ' کا ذکر ہے وہاں ازدواجی زندگی میں طلاق کے احکام کے پس منظر میں یہ ذکر آیا ہے۔ انسان ماضی میں بھی اور آج بھی جب کہ تعلیم، وسائل اور ترقی کا غلغلہ ہے، گھریلو زندگی میں من مانی کرنے اور کوئی ضابطہ اور قانون ماننے کو تیار نہیں ہے جس کی وجہ سے آج دنیا بھر میں 'خاندان' کا وقار داؤ پر لگ گیا ہے اور یہ خاندان کا ادارہ مغربی مفکرین دانستہ طور پر تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

نسلِ انسانی کے تسلسل کے لئے اللہ نے انسان میں جنسی جذبہ رکھا ہے اور ہر مرد اور

Marfat.com

عورت کو تخلیق فرما کر اپنے اپنے دائرہ کار میں ذمہ داریاں تفویض فرمائی ہیں تاکہ انسانی تمدن ترقی پذیر رہے۔ تاریخ انسانی میں انسان اور مذہب ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں جب تک انسانی زندگی میں فکری اور عملی طور پر مذہب کا غلبہ رہا انسانی زندگی میں اخلاق و کردار کا پلڑا بھاری رہا اور معاشرے روبہ زوال ہو کر بھی پیغمبروں علیہ السلام اور مصلحین کے ذریعے مذہب اور آسمانی ہدایت کی طرف لوٹ آتے رہے۔ مگر ختم نبوت کے بعد اور سولہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے زوال کے بعد جنم لینے والے مغربی نظریات و افکار گزشتہ پانچ چھ صدیوں میں ایسے بے لگام اور منہ زور ہو گئے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ آج کا انسان کسی شعبہ زندگی میں بھی 'اخلاق' کی بات سننے کو تیار نہیں اور ازدواجی زندگی اور جنسی تعلقات میں تو سرے سے کسی قدغن، پابندی اور سرزنش کا قائل نہیں رہا چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ آج کا انسان اس معاملے میں حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔

مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں قرآن کی تعلیمات واضح ہیں اور وہ انسان اور نسل انسانی کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے اور انسانی رویوں کو حیوانی رویوں سے بہت بالاتر توقع کرتا ہے۔ چنانچہ انسانوں کا لباس، قریبی رشتوں کا لحاظ اور اخلاقی حس ایسی بدیہی باتیں ہیں جو انسانوں کو حیوانوں سے ممیز کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق انسانوں میں وراثت کی تقسیم اور نکاح کے لئے اپنے اور دوسرے خاندان کے لوگوں کے باپ دادا کے بارے میں بھی معلومات ضروری ہیں اور رشتوں کا لحاظ ضروری ہے اور حسب نسب کا واضح ہونا شرف انسانی ہے۔

آج مغرب کا ترقی یافتہ انسان اس ضمن میں نہ جنسی تعلقات میں رشتوں کا پاس کرتا ہے، نہ طلاق کے احکام کا، نہ وراثت کا؛ لہٰذا ــــــ قرآن مجید کے نزدیک یہ ایسا گھناونا جرم ہے کہ فطرت اس کی سخت ترین سزا دیتی ہے۔ اسی سورۂ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ

اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی

فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا وَّ عَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا O (08:65)

تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر عذاب نازل کیا انوکھا (جو نہ دیکھا

Marfat.com

تھا نہ سنا)۔

ایسے معاشروں میں بے راہ روی کی وجہ سے نہ مرد خاندان کی ذمہ داریاں اُٹھانے کو تیار ہے اور نہ عورت زچگی اور امومت (ماں کی حیثیت سے ذمہ داریوں) کی سختیاں جھیلنے کو تیار ہے لہٰذا ایسے معاشرے گھریلو زندگی سے باہر اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کر لیتے ہیں جیسے آج کے مغربی اور دیگر ترقی یافتہ معاشروں میں سیر و سیاحت، ٹورازم، ہوٹلنگ، سوئمنگ پول، ساحلِ سمندر کی سیر وغیرہ وغیرہ۔ اس کا ایک نتیجہ ـــــــ اور سب سے بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ایسے معاشروں میں بچوں کی شرح پیدائش انتہائی گر جاتی ہے اور یوں ایسے معاشرے تہذیبی 'فنا' کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ سورۂ طلاق کی اسی آیت میں جہاں عذابًا نُکرًا (انوکھا عذاب) کے الفاظ آتے ہیں اور مزید فرمایا

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا O (09:65)

''سوانہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ لیا اور ان کا انجام تھا (مکمل طور پر) مٹ جانا''

آبادیات اور نسل انسانی کی شرح نمو کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کسی معاشرے اور تہذیب کے لئے بقا کی ضامن کم از کم شرح پیدائش 2.2 فی خاندان ہے اگر یہ شرح اس سے کم ہو جائے تو جلد یا بدیر وہ معاشرہ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ چنانچہ حیران کن بات یہ ہے کہ تمام یورپی ممالک اور امریکہ کینیڈا کی شرح پیدائش 2.2 سے کہیں کم ہے جو کوشش کے باوجود واپس نہیں لائی جا سکتی ہے اور جلد ایسی قوموں کا فنا ہو جانا نوشتۂ دیوار ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ میں نکاح و طلاق کے مسائل کے ضمن میں جہاں چھ مرتبہ 'حدود' کی اصطلاح آئی ہے وہاں سابقہ آیات میں ازدواجی زندگی کی ایسی باتوں کا تذکرہ ہے جو بالعموم بیان میں کم آتی ہیں مگر انسانی نفسیات اور مزاج کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر ازدواجی تعلقات میں حیض (MENSES) کا خیال نہ رکھنا وغیرہ۔ اس بحث میں چھ مرتبہ 'حدود' کا لفظ آنا بتاتا ہے کہ اس شعبہ زندگی میں بہت کمزوریاں ہیں جہاں انسان ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اسی لئے غالبًا قرآن میں سورۃ المؤمنون اور المعارج میں اہل ایمان کے اوصاف میں یہ بات بھی آتی ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔ یہ وہی حفاظت کا لفظ ہے جو یہاں سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت میں بھی

Marfat.com

استعمال ہوا ہے (اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہ)۔ خاندانی اور ازدواجی زندگی کی تفصیلات پر بحث کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ازدواجی زندگی کی خرابیاں سامنے آ بھی جائیں تو اکثر و بیشتر ان کا بیان ـــــ ناپختہ ذہنوں اور نہ جاننے والوں کو راستہ دکھانے (EDUCATE) کے مترادف ہوتا ہے اسی لئے ان تفصیلات سے عموماً احتراز ہی اچھی روش سمجھا جاتا ہے۔

'حدود اللہ' کی ایسی تفصیلات کے لئے ایک طرف نہ ہمارے نطق کی یہ طاقت ہے نہ قلم میں مجال کہ ان کو بیان کر سکے دوسری طرف ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور مغربی دنیا چونکہ ان میں غرق ہے اور میڈیا کے ذریعے ہماری نوجوان نسل میں بھی یہ باتیں پھیل رہی ہیں؛ لہٰذا ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی ضروری ہیں۔

معرکۂ روح و بدن یا دو قومی نظریہ

اخلاقی میدان میں نچلے درجے کے زوال تک پہنچے ہوئے ممالک میں امریکہ، کینیڈا اور یورپی ممالک تو شامل ہیں ہی مشرقی اور ایشیائی ممالک میں بھارت بہت اہمیت رکھتا ہے جہاں عریانیت اور بے حیائی ان کے مذہب کا حصہ ہے اور روایات کی جان ہے ان کی مذہبی رسومات یعنی مختلف مندروں کی زیارات اور مذہبی اسفار انسان کے اندر سفلی جذبات کو ابھارنے اور ان کے استحصال کا ذریعہ ہیں اور اس لحاظ سے بھارت مغربی اقوام سے بہت آگے ہے عالمی سطح پر انسانیت کو 'خالص حیوان' بنانے کے ایجنڈے میں یورپ نے بھارت کو اپنا امام بنایا ہوا ہے۔ ہندومت میں ہمارے مقابلے میں پاکیزگی اور طہارت کا اُلٹا تصور ہے جس سے بے حیائی کے فروغ میں مدد ملتی ہے۔ ہندومت میں مسلمان کو دیکھنے اور ہاتھ لگ جانے سے ہندو ناپاک ہو جاتا ہے جبکہ گائے کا پیشاب ان کے نزدیک دنیا کی متبرک ترین چیز ہے اور انسان کا اپنا پیشاب جمع کرنا اور پینا یہ صرف ہندومت کا طرہ امتیاز ہے۔ گزشتہ صدی میں 1980ء۔1982ء میں بھارت کے وزیراعظم مرارجی ڈیسائی برملا کہتے تھے کہ میں اپنا پیشاب جمع کرتا ہوں اور 24 گھنٹے بعد دوبارہ پی جاتا ہوں۔ یہیں سے ہندومت اور اسلام کی راہیں جدا ہوتی ہیں اور ایک صدی قبل اسی بنا پر دو قومی نظریہ کو فروغ ہوا۔ اس لئے کہ آسمانی وحی کے زیر سایہ انسان، حقیقتِ انسان، انسانی بود و باش، طرزِ زندگی اور ازدواجی معاملات کا ایک خاص ڈھب (STYLE) ہے اور اس سے انسانی تمدن

Marfat.com

میں حسب ونسب کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے۔ جبکہ ہندومت اور مغربی فکر و فلسفہ میں انسان کو ایک حیوان سمجھ کر زندگی گزارنے اور معاشرت کے اُصول طے کیے جاتے ہیں یہی چیز آسمانی وحی کے تحت زندگی گزارنے والے مسلمان معاشرے (اگرچہ آج کل مجموعی طور پر ایسے مسلمان کم ہیں) اور مغرب زدہ معاشروں میں واضح تفریق پیدا کرتی ہے اور گزشتہ صدی میں وہ معرکہ جو صرف جنوبی ایشیا کی سطح پر دوقومی نظریہ کی شکل میں سامنے آیا تھا آج وہی معرکہ حق و باطل یا معرکہ روح و بدن یا معرکہ انسانیت وحیوانیت عالمی سطح پر نسل انسانی کو درپیش ہے۔

ان حالات اور پس منظر میں اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے شیدائیوں کے لئے ذاتی زندگیوں میں انقلاب کی جدوجہد کے دوران وہ کونسی 'حدود اللہ' ہیں جن سے اجتناب ناگزیر ہے وہ واضح ہیں تاہم اپنے مدعا کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اہم باتوں کو ترتیب وار درج کر دینا فائدے سے خالی نہیں ہوگا ـــــ اور وہ ترتیب وار تفصیل یہ ہے:

- انسان کے ازدواجی معاملات اور مرد وزن کے باہمی قریب آنے کے معاملات میں سے پہلا مرحلہ بچوں کی تربیت کے لئے گھر کا ماحول ہے جہاں دیگر باتوں کے علاوہ 'معقول' اور 'ساتر' لباس (جس کا دین نے حکم دیا ہے) ضروری ہے تاکہ بچے کو اس عمر میں بھی (غیر شعوری طور پر) 'سوچ کے عدمِ توازن' کے فتنہ سے بچایا جا سکے۔ واضح رہے کہ دورِ جدید میں مغربی مفکر سگمنڈ فرائڈ نے اس مسئلے کو جہاں تک پہنچا دیا ہے اُس کے لحاظ سے بھی یہ بات ضروری ہے۔ مغربی عورت کے لباس کا سٹائل ہی بچے کو سات سال کی عمر سے پہلے جنسی سوچ دے دیتا ہے جس سے معاشرتی اقدار تباہ ہو رہی ہے۔
- 18 سال کی عمر کے بعد ایک مسلمان کے لئے گھر، بازار، دفتر، پارک، بس، اسٹیشن، سکول، غرض جہاں بھی عورت و مرد کا اختلاط (INTERACTION) ناگزیر طور پر ہوتا رہتا ہے وہاں ضمیر انسانی کے مطابق اور دینی تعلیمات کے تحت انسان کو اپنی نظروں کی حفاظت ضروری ہے اور فَاِنَّ لَكَ الْاُولٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ (تمہارے لیے پہلی نظر قابل معافی اور دوسری نظر کی اجازت نہیں ہے) کا اہتمام سوچ کی پاکیزگی کو جنم دیتا ہے۔ اگرچہ دورِ حاضر میں اس کا اہتمام ہمت طلب ہے تاہم کسی دور میں بھی ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جنسی اشتعال پیدا

Marfat.com

کرنے والی تمام تصاویر، فلمیں، اخبارات، کتابیں، میوزک، اجتماعات، دوستیاں، ملاقاتیں اسی ضمن میں آتی ہیں ان کے بارے میں انسان واضح سوچ کے ساتھ آگے بڑھے آسمانی ہدایت سے متعارف ہوکر ہی اجتناب کی راہیں سامنے آتی ہیں جب ضمیر انسانی جھنجھوڑتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اور دل سے دعائیں پاکیزگی کی منزل تک لے جاتی ہیں۔ زندگی کا یہ دور بھی 'حدوداللہ' کی حفاظت کا متقاضی ہے۔

○ انسان کی بلوغت کی عمر کے بعد (عورت ہو یا مرد) 'حدوداللہ' کے ضمن میں سب سے ضروری 'حد' نکاح کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ہمارے آقا محمد ﷺ نے فرمایا: اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ [نکاح (کا راستہ) میری سنت (کا اہم حصہ) ہے]۔ گویا یہ بات ازخود واضح ہے کہ نکاح کے علاوہ جو راستے بھی انسان اختیار کرسکتا ہے وہ سب کے ـــــ سنّت رسول ﷺ کی 'ضد' اور مخالفت اور 'حدود' سے تجاوز ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں سیّدنا محمد ﷺ نے فرمایا: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (متفق علیہ۔ عن انس رضی اللہ عنہ) (جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں) اور کلام الٰہی میں اس کا تذکرہ دو مرتبہ ان الفاظ میں آیا ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ○ (7:23) ، (31:70)

''اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں''

یعنی نکاح کے علاوہ مرد اور عورت کا ازدواج وحی اور منشائے الٰہی کے خلاف ہے اور 'حدود اللہ' سے تجاوز بھی ہے ایک بندہ مومن کو جنّت کے حصول کے لیے جس کی 'حفاظت' کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کلام پاک میں اپنی اصطلاحات کے مفہوم کی حفاظت کے لئے خود قرائن بیان کردیے ہیں۔ جیسے 'حدوداللہ' کے ضمن میں 'وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ' کے الفاظ کی وضاحت کے لئے دوبارہ بندۂ مؤمن کے اوصاف کے تذکرہ میں یہ الفاظ آتے ہیں وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ یعنی 'حدود' کا تعلق اہل ایمان کی نجی زندگی کے بشری پہلو سے جوڑ دیا گیا اور حفاظت اور 'حافظ' کی تشریح کے لئے حافظون کا لفظ قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں بھی وارد ہے

Marfat.com

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ O (09:15)

''بے شک یہ کتاب نصیحت ہمیں نے نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن مجید کو اتار کر اس کی حفاظت کے ضمن میں کیا کیا اسباب پیدا کر دیے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی 'حدود اللہ' کی حفاظت کے لئے مختلف احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہوں گی جس کی رہنمائی قرآن پاک میں یوں ہے کہ کہیں 'حدود اللہ' کا تذکرہ کر کے فرمایا: فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا (ان سے باہر نہ نکلو) اور کہیں فرمایا: فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا (ان کے قریب نہ جاؤ) گویا حفاظت کے ضمن میں ہمیں یقینی بچاؤ کے لیے موقع بہ موقع اور CASE TO CASE مناسب حفاظتی تدابیر کرتے رہنا ہوگا۔

◐ سنّت رسول ﷺ سے اعراض کر کے 'رَغِبَ عَنۡ' کے تحت انسان کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے اس کا احصاء کسی ایک انسان کے لئے شاید ممکن نہیں اور بالفرض ممکن ہو تو بیان سے باہر ہے (اور بیان کر دیا جائے تو اس سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے کہ ناپختہ ذہنوں کے لئے نئی بات ہوتی ہے اور لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں) تاہم اس کے کچھ مراحل یا صورتیں ہیں جو سامنے رہنی چاہئیں۔

(ل) ◐ انسان تنہائی میں ہے (آج کل آسودہ حال گھروں میں بچوں کے علیحدہ کمرے ہیں) یا کبھی تنہائی میسّر ہے تو بھی بندہ مؤمن آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے۔ یہاں بھی بہت ساری پابندیاں ہیں حتیٰ کہ انسان باتھ روم یا WASH ROOM میں بھی آزاد نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے وہاں بھی کچھ اخلاقی اور فطری 'حدود' کا تصور ذہن میں رکھنا لازم ہے۔ اس میں بھی بہت افراط و تفریط کے امکانات ہیں۔

◐ انسان کی تنہائی کے لمحات اس کی شخصیت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتے ہیں آدمی لوگوں کے سامنے ریاکارانہ طور پر مصنوعی رکھ رکھاؤ (ACTING) کر سکتا ہے مگر اس کی تنہائی کے لمحات اس کا حقیقی روپ ہوتے ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ انسان تنہائی کے لمحات میں یا فرشتہ سے بہتر ہوتا ہے یا شیطان سے بدتر۔ لہٰذا ان تنہائی کے لمحات کی نگرانی ضروری ہے اور حدود اللہ کی سچی پاسداری۔ چنانچہ حافظ شیرازی کے یہ اشعار کئی مذہبی لوگوں کی نجی زندگی کا عکس بن جاتے ہیں

Marfat.com

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند کارِ دیگراں می کنند

اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کو بھی صالح بنادے اور ظاہر کو بھی۔ مسنون دعا ہے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ، وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً، (ترمذی)

''اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو نیک بنادے''

یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ انسان کی شخصی اور خالص نجی سطح کی زندگی میں ان 'حدود اللہ' کی خلاف ورزی کے سنگین ہونے یا نہ ہونے کی ایک حد فاصل ہے اکیلے انسان کی تنہائی کی 'لغزشیں' اور 'من مانیاں' بھی بعض اوقات مباحات کی حدود سے نکل جاتی ہیں۔ تاہم جہاں دو یا دو سے زیادہ انسان جمع ہو کر کوئی بے حیائی یا فواحش میں ملوث ہونے لگیں چاہے مرد ہوں یا عورتیں یا عورتیں مرد جمع ہوں ان کے افعال و اعمال برائی کے کبیرہ درجے کو پہنچ جاتے ہیں اور سخت قابل مذمت ہیں۔

(ب) دو مرد یا دو عورتیں ایک کمرے میں ہوں تو ان کے بارے میں بھی 'حدود اللہ' ہیں اور وہ باہمی مشورے اور رضا مندی سے جو چاہیں کرلیں اس میں آزاد نہیں ہیں یہ 'حدود اللہ' کی خلاف ورزی ہے۔ (گو مغرب نے اس بات کی آزادی دے دی ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں دو مردوں اور دو عورتوں کی شادی جائز اور LEGAL ہے جب کہ ایک بندہ مومن کے نقطہ نظر سے یہ حد درجہ کی اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے واضح طور پر منع فرمایا ہے)

مغربی تہذیب کے پیچھے چونکہ ایک مافیا ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے لئے ایک نئی سیکولر عالمی سوچ کو جنم دے کر آگے بڑھا رہا ہے سارے مغربی ممالک اور ان کے حکمران، تاجر، ملٹی نیشنلز اس مافیا کے آلہ کار ہیں لہٰذا یہ ابلیسی اور حیوانی مہم جوئی آگے بڑھ رہی ہے اور یہ لعنت ہمارے مسلمان معاشرے میں بھی سرایت کرچکی ہے، اس لعنت سے بچاؤ کی تدابیر ضروری ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی پیروں کا (غیر محرم) مرید عورتوں سے جسم دبوانا تو غیر شرعی ہے ہی، مرد مریدوں سے بھی جسم ٹانگیں اور پاؤں دبوانا اسی قبیل کی شے ہے اور YOUNG مریدوں سے یہ

Marfat.com

خدمت لینا تو اور زیادہ خطرناک ہے اور حصولِ لذت کے ضمن میں آتا ہے۔ (محرم رشتوں میں ایک دوسرے کو دبانا بعض مخصوص صورتوں میں اس سے مستثنیٰ ہے۔)

(ج) نکاح کی صورت میں بھی شوہر (مرد) اور بیوی (عورت) کے تنہائی کے لمحات میں 'سب جائز' نہیں ہے یہاں بھی فطرتِ انسانی میں ودیعت کردہ 'بعض حدود' ہیں جن کا پاس کرنا حفاظت حدود اللہ کا حصہ ہے۔ یہ حدود کیا ہیں اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ اس کا تذکرہ نہ ضروری ہے اور نہ فائدہ مند۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر 'زندہ ضمیر' کی قوت رکھ دی ہے جو خود انسان کو خبردار کرتی رہتی ہے اور انسان چاہے تو اس کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے آقا محمد ﷺ نے فرمایا: اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ (اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لے) اور دَعْ مَایَرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَایَرِیْبُكَ (جو چیز دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دے......) وغیرہما۔

(پنجاب کے معروف روحانی پیشوا اور پیر جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عالمی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے کچھ عرصہ قبل 'حیاء اور پاکدامنی' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مغربی دنیا کی ازدواجی زندگی میں حدود اللہ سے تجاوز کی کافی تفصیل لکھ دی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ آنجناب نے یہ تفصیلات کس کیفیت میں لکھی ہیں تاہم قارئین میں سے جو حضرات اس تفصیل میں جانا چاہیں وہ اس کتاب کے متعلقہ حصے کا مطالعہ کر لیں۔)

(د) سورۂ بقرہ میں جہاں چھ مرتبہ حدود کی اصطلاح آئی ہے اور ساتھ ہی طلاق کے احکام ہیں اس سے ایک اشارہ یہ بھی ہے نکاح کے پردہ میں ہر فعل جائز نہیں ہے اور اگر 'حدود' کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو طلاق کی اجازت سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس صورت میں بھی مرد طلاق دے سکتا ہے یا عورت طلاق لے سکتی ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ انسانی فطرت وسرشت کی روشنی میں اور قرآن پاک میں چھ مرتبہ 'حدود اللہ' کی اصطلاح ایک جگہ آنے میں یہ بات واضح ہے کہ ایسی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں اور معاشرہ زوال پذیر ہو اور باطل کا فروغ ہو، بے عملی اور دین سے دوری ہو تو یہ خلاف ورزیاں مزید بڑھ جائیں گی۔

دوسری طرف یہ بات بھی اپنی جگہ ——— کہ ان خلاف ورزیوں کا زیادہ تر حصہ

Marfat.com

پوشیدہ رہتا ہے اور انسان کا ضمیر ہی اس کو متوجہ کرسکتا ہے گویا عام طور پر یہ خلاف ورزیاں کسی تعزیر اور سزا کی گرفت میں نہیں آتیں۔ مزید برآں یہ بات کئی گنا اہمیت اس وجہ سے اختیار کرجاتی ہے کہ ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تین اوقات میں (یا موقعوں پر) کراماً کاتبین ہٹا لیے جاتے ہیں جن میں ایک موقع وہ ہے جب میاں بیوی تنہائی کے لحات میں ہوتے ہیں (یا دو انسان (مرد یا عورتیں) کسی برائی اور بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کوتاہیوں اور خلاف ورزیوں کی سزا کہاں اور کیسے ملتی ہے؟ یہ سوال بڑا دلچسپ سوال ہے یہاں اس کا موقع نہیں ہے عنقریب کسی موقع پر اس کا جواب سامنے لائیں گے۔ ان شاء اللہ

دنیا کے تمام معاشرے تغیر پذیر رہتے ہیں اور فرسودہ نظام کی جگہ نئی سوچ اور افکار جنم لیتے ہیں اور بالآخر غالب آتے رہتے ہیں اسلام کے علاوہ تمام نظریات اور افکار کی نوعیت بالعموم ایک جیسی ہے اور ابلیسی فکر کے ساتھ خالق ارض وسماء کے احکام کی خلاف ورزی، آخرت اور وحی کا انکار اور نتیجے کے طور پر من مانی اور خود ساختہ انسانی قانون وغیرہ (MAN MADE LAW) کے تحت زندگی گزارنا ہے۔ ایسے انقلابات کے لئے انسان کا ذاتی سطح پر ہمارے نقطہ نظر سے عیاش، بے حیا، شرابی و کبابی ہونا ایک مثبت (VALUE) شمار ہوتی ہے ——— جبکہ نظام خلافت کے قیام کے لئے مصروف کار شیدائیوں اور فدائیوں کے لئے اجتماعی زندگی میں بھی امانت و دیانت کا سبق ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا امانت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اور نجی زندگیوں میں بھی حیاء، پاکدامنی اور پاکیزگی کے ساتھ خالص انسانی سطح پر بھی 'حُدود اللہ' کے قیام اور اُن کا لحاظ کرنے کا تقاضا ہے۔ یہ بات ماضی میں پہلے ادوار میں بھی بہت اہم تھی تاہم دور حاضر (جو فتنہ دجال کا دور ہے) میں جہاں حیوانیت اور بے حیائی پھیل چکی ہے اس کے تناظر میں شرف انسانیت کا تحفظ اسی میں ہے کہ انسان خالص گھریلو زندگی میں اور ازدواجی زندگی میں بھی 'حُدود اللہ' کا از حد لحاظ کرنے والا ہو۔

Marfat.com

خلاصہ کلام کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج کا مغربی اور ترقی یافتہ معاشرہ خالصتاً حیوانی معاشرہ بن چکا ہے جو صرف بطن اور فرج کے تقاضوں کو ہی اصل زندگی سمجھ رہا ہے جب کہ انسان صرف بدن اور پیٹ کا نام نہیں بلکہ ـــــــ اسی میں ایک خودی اور روح بھی ہے۔ بقول اقبال

ع نقطۂ نوری کہ نام اُو خودیست

یا ؎ ہے نورِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

کے مصداق انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے اور درحقیقت 'روح' اس مجموعہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے جبکہ آج کے مغربی معاشرے اور خالص اسلامی معاشرے کا تقابل کریں گے تو آج کے معاشرہ میں انسان صرف بدن اور حیوانی وجود کا نام ہے۔ اس کے برعکس وحی آسمانی کے تحت وجود میں آنے والا معاشرہ اور خلافت راشدہ کے ماتحت مطلوب معاشرہ جسمانی تقاضوں کو کسی قدر دبا کر (اور کنٹرول کر کے) روحانی تقاضوں اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے فروغ کا مظہر ہے یعنی جسم کو کسی حد تک نظر انداز کر کے صرف 'روح' کو جولانی کے لئے سازگار فضا فراہم کرنے کا نام ہے۔ گویا آج کی مغرب و مشرق کی جنگ اور آویزش 'بدن' اور 'روح' کے تقاضوں یا بدن اور روح کی جنگ ہے

؎ دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
ابلیس نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اے کاش کہ ـــــــ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہم سب (خواتین و حضرات) اس پہلو سے بھی دینی تقاضوں کو پورا کرنے والے بن جائیں۔ آمین یارب العالمین

Marfat.com

اتق اللہ حیثما کنت

تو اللہ سے ڈرتا رہا کر، جہاں کہیں بھی جائے

(الحدیث)

Marfat.com

7

نکاح، شادی اور نمازِ پنجگانہ

اللہ تعالیٰ
کے چنے ہوئے بندوں کی
نجی زندگی
کے چھپے ہوئے گوشے بھی
رضائے الٰہی اور اتباعِ سنت
کے حسین جذبوں سے
سرشار ہوتے ہیں

الصلوٰۃ الوسطیٰ

قرآن مجید میں سیاقِ کلام اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
کی روشنی میں

(حکمت بالغہ جنوری 2009ء)

Marfat.com

Marfat.com

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والا ہر قاری جب اس آیت پر پہنچتا ہے کہ:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ
(238:02)

''خبردار رہو سب نمازوں سے' اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے''۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

تو لامحالہ نماز کی محافظت کے ضمن میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے خصوصی ذکر پر چونک جاتا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ یہ کس نماز کی طرف اشارہ ہے۔ عام قاری یقیناً تفاسیر ہی کی طرف رجوع کرتا ہے (یا علماء سے رجوع کرے گا اور بالواسطہ یہ بھی تفاسیر ہی سے رجوع ہے کہ وہ بھی کسی تفسیر زیر مطالعہ سے دیکھ کر یا ذاتی مطالعہ اور ذوق سے ذہن میں موجود مفہوم کو بیان کر دیں گے)۔

تفاسیر میں اس آیت کی تشریح اور ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے تعیّن کے بارے میں تقریباً یکساں عبارت اور جملے ملتے ہیں مثلاً تفسیر عثمانی میں ہے:

''بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اس کی زیادہ تاکید فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا! کھڑے رہو ادب سے' یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ نماز نہیں پڑھتے''

اسی طرح ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

''درمیانی نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ عصر کی نماز ہے۔ حضرات علی، ابن مسعود، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے''

صاحب تدبر قرآن جناب امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

Marfat.com

''الصلوٰۃ الوسطیٰ کے لفظی معنی تو بیچ والی نماز کے ہیں اور اسلوب کلام صاف شہادت دے رہا ہے کہ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس خاص سے کیا مراد ہے، تو اس کے جواب میں اہل تاویل نے بڑا اختلاف کیا ہے زیادہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے ہمارا اپنا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے''

صاحب تفہیم القرآن مولانا مودودی فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو اللہ کے آگے اس طرح کھڑے رہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں''۔

تشریح: اصل میں لفظ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' استعمال ہوا ہے اس سے بعض مفسّرین نے صبح کی نماز مراد لی ہے بعض نے ظہر بعض نے مغرب اور بعض نے عشاء کی، لیکن ان میں سے کوئی قول بھی نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے صرف اہل تاویل کا استنباط ہے سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں۔''

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''کثرت سے علماء کا قول بعض احادیث کی دلیل سے یہ ہے کہ بیچ والی نماز عصر ہے''

انگریزی تفسیر میں عبداللہ یوسف علی صاحب لکھتے ہیں:

"271-The Middle Prayer-Salat ul wusta may be translated 'the best or most excellent prayer'_the weight of authorities seems to be in favour of interpreting this as the Asr prayer....."

اب تک کی تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ سے مراد زیادہ تر عصر کی نماز ہے تاہم مفسرین نے باقی نمازیں بھی اس سے مراد لی ہیں زیادہ تر مفسّرین نے جنگ احزاب کے دن ہونے والے اس واقعے سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی نماز عصر فوت ہوئی تو آپ نے فرمایا:

مَلأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَ بُيُوْتَهُمْ نَارًا، كَمَا شَغَلُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى

Marfat.com

حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ (متفق علیہ)

''اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہم کو بیچ والی نماز سے مصروف رکھ کر روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا''۔

یہاں لفظ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' آیا ہے اس سے تعیّن کے ساتھ عصر کی نماز مراد ہے اکثر علماء و مفسّرین نے مندرجہ بالا آیت میں بھی اسی حدیث کی روشنی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ سے نمازِ عصر ہی مراد لی ہے۔

زیادہ تر مفسّرین کرام نے پھر نمازِ عصر کے وقت کی اہمیّت و نزاکت پر بحث کی ہے اور جن حضرات نے دوسرے معنی کئے ہیں انہوں نے دوسرے اوقات کی اہمیّت اور انسانی طبعی رجحانات کے پیشِ نظر رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے۔

ان سطور میں اس بات کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں سیاقِ کلام، نظمِ قرآن اور دیگر داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ عام انسانی جبلی تقاضوں اور رجحانات کی روشنی میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے معنی کا تعین ہو سکے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر آگے کی گفتگو درج ذیل مباحث پر مشتمل ہوگی:

1۔ الفاظ کی لغوی بحث

2۔ سیاق کلام میں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کی ترکیب کے تقاضے

3۔ قرآن حکیم کی دیگر شہادتیں اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اقتباس

4۔ حاصل کلام

اب آیئے اسی ترتیب سے گفتگو کرتے ہوئے مدعا تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیت زیرِ مطالعہ میں محافظت، الصلوٰۃ الوسطیٰ اور قنوت کے الفاظ اہمیّت کے حامل ہیں۔ لفظ محافظت باب مفاعلہ ہے حفظ سے اور قرآن حکیم میں اس فعل کے ثلاثی مجرّد اور مزید فیہ میں کئی مشتقات استعمال ہوئے ہیں ثلاثی مجرد میں حافظ اور حافظون بہت زور دار معنی میں استعمال ہوئے۔ جیسے فرمایا گیا:

Marfat.com

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (9:15)

''بے شک ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں''۔

اسی طرح سورۃ توبہ آیت 112 میں اہل ایمان کی مختلف شانیں بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ

''اور وہ حفاظت کرنے والے ہیں ان حدود کی جو اللہ نے باندھی ہیں''۔

حفظ، حافظ، حافظون اور حافظات کے الفاظ کسی معین شے کی حفاظت اور اس میں کسی قسم کی دخل اندازی اور رخنہ اندازی کے علاوہ MISUSE سے بھی بچانے کا زوردار داعیہ رکھنے کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں جیسے

وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ لِفُرُوۡجِھِمۡ حٰفِظُوۡنَ O (05:23)

''اور وہ اہل ایمان اپنی شرمگاہوں کو تھامتے ہیں''

جبکہ باب مفاعلہ میں مُحافظة سے حَافِظ اور حَافِظُوا امر کے صیغے ہیں اس میں ایک تو مقاتلہ کی طرح کسی دوسرے فریق یا داعیے کے خلاف مقابلہ کر کے حفاظت کرنے کا مفہوم ہے اور یہ علیٰ کے اضافے کے ساتھ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بار بار ایسا کرنے کے ہیں۔ دیگر ابواب سے بھی یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے ہم اس سے اس وقت صرف نظر کر رہے ہیں۔

الصلوٰۃ الوسطیٰ

لفظ "الصلوة" تو بالاتفاق نماز کے معنی میں ہے اور آیت میں آگے لفظ "قُوۡمُوۡا" اور قنوت سے یہ بات مؤکد ہوتی ہے کہ یہ نماز کے لئے ہی آیا ہے۔

الۡوُسۡطٰی : وسط، اوسط سے مؤنث وسطیٰ۔ اس کے معنی بہترین بھی لیے گئے ہیں اور سامنے کی اور بیچ کی چیز کے بھی، بیچ کی چیز یا آڑے آنے والی چیز زیادہ قرین قیاس ہے جنگ احزاب کے دن والے واقعے میں یہی ہوا کہ کفار و معاندین سے مسلمانوں کا مقابلہ جاری تھا اور ہمہ وقت مستعدی اور VIGILIANCE کے نتیجے میں نماز کا وقت آیا اور نکل گیا اس کیفیت میں یہ امکان بھی ہے کہ نماز کے وقت کا احساس ہی نہ ہوا ہو۔ لہٰذا الصلوۃ الوسطیٰ وہ نماز ہوگی جو کسی

Marfat.com

شدید مشغولیت میں ہونے پر سرے سے بھول جائے یا یاد ہونے کے باوجود بالارادہ یا غیر ارادی طور پر آدمی ادا نہ کرے یا اس مشغولیت سے نکل کر ادا کر لی جائے۔ مثلاً آج کے کاروباری حضرات کے لئے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء سب الصلوٰۃ الوسطیٰ کے ضمن میں ہوں گی۔

لفظ قنوت کا معنیٰ ہے "لزوم الطاعة مع الخضوع" یعنی اللہ کی اطاعت لازم پکڑنا عاجزی کے ساتھ۔ قُوْمُوْا کا اضافہ کر کے ہر مشغولیت سے اٹھ کھڑے ہونے کا مفہوم سامنے لایا گیا ہے۔

آیت زیر مطالعہ سورۃ البقرہ میں جس مقام پر واقع ہوئی ہے وہ قرآن مجید میں عائلی قوانین ــــــ نکاح وطلاق کے معاملات کی سب سے طویل اور مفصّل بحث کا تکمیلی اور CONCLUDING حصہ ہے۔

گویا بندۂ مؤمن یا مؤمن بندی (مرد ہو یا عورت) کے لئے ایک گھریلو زندگی میں جہاں ان احکام کی پیروی ضروری ہے اوران کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن کا تذکرہ ان چار رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے، وہیں اس آیت میں درج ہدایات کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے، ان رکوعوں میں عورت ومرد یا میاں بیوی کے درمیان بعض پابندیوں کا ذکر ہے، پھر علیحدگی کی شکل میں طلاق کی تفصیل اور بچوں کے معاملے میں رضاعت کا ذکر ہے، مہر کی ادائیگی وغیرہ جیسے امور پر بحث کی گئی ہے جو گھر کے ادارے میں میاں بیوی کے درمیان ناموافقت کی صورت میں پیش آسکتے ہیں۔

دوسری صورت وہ ہے کہ میاں بیوی میں حد درجہ محبّت وموافقت کے نتیجے میں دوسری انتہائی صورت پیدا ہو جائے کہ اللہ کے احکام کی وقعت کم ہونے لگے اور نماز جیسی عبادت، جو ہر روز پانچ مرتبہ وقت کے تعیّن کے ساتھ فرض ہے، کی اہمیّت نگاہوں میں نہ رہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اس پہلو پر بڑے لطیف اور بلیغ انداز میں توجّہ دلائی گئی ہے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ توجہ ادھر بھی رہنی چاہئے گویا متاہّل زندگی میں مومن مرد اور مومن عورت کے درمیان جو تعلّقات استوار ہوں اور محبّت ومودّت کا جو رشتہ قائم ہو وہ دینی فرائض اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے فریم کے اندر اندر ہی رہنا چاہئے۔

آیت زیر مطالعہ میں نماز کی محافظت کے ضمن میں پہلے عمومی موانع اور مشکلات سے

Marfat.com

متنبّہ رہنے اور چوکنا رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر عام سے خاص کی طرف توجہ دلانے کے لئے خصوصی طور پر ان نمازوں کی محافظت پر زور دیا گیا ہے جو بندۂ مومن کی گھریلو زندگی اور مصروفیات کے دوران آتی ہیں اور ان نمازوں کے راستے میں جو رکاوٹیں آئیں (یعنی بیویوں سے محبّت اور ان کی دلجوئی، اولاد کے ساتھ وقت گزارنا اور گھریلو مصروفیات وغیرہ) ان کو فوراً بھانپ لینے اور ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

الصلوٰۃ الوسطیٰ کے مزید تعین اور اس کے اہم ترین درجے کے پہنچاننے میں قرآن فہمی کے دوسرے اصول سے کام لیں تو مزید انشراح صدر حاصل ہوگا اور حکمت قرآنی کے کئی مزید گوشے سامنے آئیں گے وہ اصول ہے ''اَلْقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا'' یعنی ایک ہی مضمون کا قرآن حکیم میں ایک سے زیادہ بار ذکر ہو تو گویا ایک حصہ دوسرے حصے کی مبہم تفاصیل کو واضح کردے گا۔

گھریلو زندگی سے متعلق سورۂ نور میں ستر کے احکام (گھر کے اندر کا پردہ) کا ذکر ہے اور آیت 58 میں فرمایا گیا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ

اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے

الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ

وہ لوگ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں (لونڈی یا غلام) اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل (بلوغ) کی حد کو تین بار

مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ

فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

وَ مِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ

اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت ہیں بدن کھلنے کے تمہارے (اور گویا کہ دوسروں سے چھپنے کے)

لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌ بَعْدَھُنَّ

Marfat.com

کچھ تنگی نہیں تم پر نہ ان پر ان وقتوں کے پیچھے (علاوہ)

طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پھرا ہی کرتے ہیں ایک دوسرے کے پاس۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O (58:24)

یوں کھولتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے آگے باتیں' اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

بندۂ مؤمن کی نجی زندگی میں' چاہے شادی شدہ عورت ہو یا شادی شدہ مرد' یہ اوقات قربت کے ممکنہ مواقع کے ہو سکتے ہیں اور ایسے موقع پر غسل واجب ہو جاتا ہے لہٰذا موسم کی مناسبت (سردی یا گرمی)' گھریلو حالات (جائنٹ فیملی یا علیحدہ رہائش)' غسل کے انتظامات (اٹیچڈ باتھ یا دیگر مشترکہ سہولت) اور طبعی کسل مندی کے علاوہ اضافی طور پر شیطان اور نفس کی وسوسہ اندازی کی وجہ سے غسل کو عام طور پر DELAY کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اوپر درج آیت میں اگرچہ ایسے مواقع تو تین ذکر کیے گئے ہیں تاہم عملاً اس کی سرحد پر دو ہی نمازیں واقع ہوتی ہیں' رات کو فجر اور ظہر کے بعد نماز عصر۔ فلہٰذا ـــــــ اس آیت کی رو سے شادی شدہ زندگی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہے یا نماز فجر اور بندۂ مؤمن کو ان ہر دو میں سے جو نماز بھی آڑے آ رہی ہو اس کا اہتمام کرنے اور نفس کے مرغوبات سے علیحدہ ہو کر اللہ کی عبادت کیلئے مرد اور عورت کو عاجزی سے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ گھر گرستی کی زندگی میں الصلوٰۃ الوسطیٰ نمازِ فجر یا نمازِ عصر ہے اور اس کی بروقت ادائیگی عام طور پر دشوار ہو جاتی ہے اور عملی طور پر بھی ان نمازوں کے بارے میں گھروں میں شدید کوتاہی پائی جاتی ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے تو کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہی ہیں' ادھیڑ عمر کے مسلمان بھی ان نمازوں کی بروقت ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں یہ کوتاہی شوہروں میں بھی بہت ہے تاہم بیویوں میں زیادہ ہے اور عام طور پر اکثر عورتیں اس طرح کی نماز فجر یا نماز عصر کو قضا کر دیتی ہیں۔

اس تقصیر میں یقیناً اگر شوہر کی قوّامیّت' جبر وقہر اور ہر قیمت پر اپنی خواہش کو پورا کرنے کا

Marfat.com

جذبہ کارفرما ہو تو اس گناہ کا زیادہ بوجھ بھی اسی کے حصے میں آئے گا اور اگر بیوی کی کسل مندی اور طبعی سستی کو دخل ہے تو اس کے لئے نمازوں کو قضا کرنا آخرت میں وبال جان بنے گا۔

میانہ روی اور اعتدال کا تقاضا یہ ہے کہ والدین بھی اولاد کی شادی اور رخصتی کے موقع پر نمازوں کی بروقت ادائیگی کی تلقین کریں اور شوہروں کو بھی ہر قیمت پر اپنے جذبات کی تسکین کی بجائے مصالحانہ، مشفقانہ اور معتدل رویّہ اپنانا چاہئے تا کہ میاں بیوی دونوں اس دنیا میں بھی پرسکون زندگی بسر کرسکیں اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہو جائے۔ گویا الصلوٰۃ الوسطیٰ کا التزام اور محافظت بہت ضروری ہے اس کی اہمیّت کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور اوپر سورۃ نور کی آیت کے حوالے سے جن تین مواقع کا ذکر ہے ان تخلیہ کے لمحات کو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کر کے تقرّبِ خداوندی کا ذریعہ بنانا چاہئے جو کہ ذرا سی محنت اور توجہ سے ممکن ہو سکتا ہے یہ کام ذرا مشکل ضرور ہو گا ناممکن نہیں ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں آغاز میں عمومی محافظت صلوٰۃ کا تذکرہ ہے اور پھر خاص کی طرف توجّہ کو مبذول کرایا گیا ہے اس انداز میں اگر استدلال کو منطقی طور پر مزید آگے بڑھایا جائے تو اہل دل اور اہل ذوق کے لئے ایک اور لطیف اشارہ بھی ملتا ہے۔ نماز فجر رات کے لمحاتِ تخلیہ میں آڑے آتی ہے اور نماز عصر دن کے ظہیرہ (قیلولہ) کے لمحات میں اللہ کی یاد دلاتی ہے۔ یہاں ذرا رک کر غور کریں اور ایمان کے درجات کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں تو حکمت کا ایک اور دروازہ کھل جاتا ہے۔

حقیقی ایمان کے درجات بے شمار ہیں تاہم سورۃ واقعہ میں مقربین کو سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز بتایا گیا ہے اسی طرح محسنین کو دیکھیں یا صادق الایمان کی اصطلاح کی حقیقت پر نظر کریں، عاشقانِ ذات الٰہی کا گروہ ہو یا عاشقانِ رسول ﷺ ہوں، مومن کامل کہہ لیں یا مردِ مومن، بات اتنی سی ہے کہ اس درجے کے اہل ایمان کے نزدیک پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد کا اہتمام بھی بہت زیادہ اہمیّت رکھتا ہے اور لسانِ رسالت سے اس کی فضیلت پر بہت سی صحیح حدیثیں کتب احادیث میں وارد ہیں۔ جناب حضرت محمد ﷺ کے لئے تو نماز تہجّد کی اہمیّت بہت ہی زیادہ تھی تاہم آپ کے اُمّتیوں میں سے بھی جس جس کا ایمان ایک خاص درجہ تک ترقی کرتا ہے اس کے

Marfat.com

لئے نماز تہجد کا التزام اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔

فلہذا ـــــ عموم سے خاص کی طرف استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فجر و عصر میں سے نماز فجر سے رات کے تخلیہ کے کنارے پر نماز تہجد سمجھی جائے' یعنی ایمان کے اعلیٰ درجات کا تقاضا یہ ہے کہ متاہل زندگی میں میاں اور بیوی دونوں کے لئے نماز فجر کا اہتمام تو ہونا ہی چاہئے بلکہ نماز تہجد کو بھی کما حقہٗ اہمیت دیتے ہوئے اس کو بھی الصلوٰۃ الوسطیٰ سمجھ کر ہوشیار ہو جانا چاہئے اور اس کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ تو اس نماز کا شایان شان اہتمام فرماتے ہی تھے جو انہی کے مقام بلند کی مناسبت سے تھا' تاہم آپ نے عام اہل ایمان کے لئے ترغیب و تشویق کے انداز میں اس کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے کسی مؤمن میاں بیوی (بالخصوص جوان) کی مثال دے کر ایک حدیث میں دعا دیتے ہوئے مقام مدح میں فرمایا کہ اگر مرد تہجّد کے لئے اٹھے تو بیوی کو جگائے اور سستی کرنے پر بے تکلّفی کی وجہ سے اسکے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے' اور اگر بیوی اٹھ جائے تو وہ شوہر کو جگائے اور سستی پر اسی طرح اسکے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے تاکہ نیند سے بیدار ہو جائے اور دونوں اللہ کے حضور عبادت میں لگ جائیں (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ)۔

جناب نبی اکرم ﷺ تو تہجد کا بھی بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور اس کی کیفیّت پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات شاہد ہیں' تاہم آپ ﷺ منفرد شان کے مالک تھے تو آپ کے معاملات میں بھی انفرادی شان پائی جاتی ہے اور اس کا CLIMAX اور ذروۂ سنام ایک روایت ہے جو اگرچہ بعض وجوہات کی بناء پر ہم یہاں نقل نہیں کر رہے تاہم اس کو تفصیل ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات 190 اور 195 کی تفسیر میں تین اصحاب کے سوال پر کہ آنحضرت ﷺ کی کون سی ادا سب سے عجیب تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے درج کیا ہے' وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ:

- قرآن مجید میں نمازوں کی حفاظت کا عمومی حکم بھی ہے۔ اور اہل ایمان کی شان یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی مطلقاً حفاظت کرتے ہیں اور حدیث میں وقت پر نماز کی ادائیگی کو

Marfat.com

افضل نماز کہا گیا ہے (سورۃ المومنون' سورۃ المعارج)۔

◐ آیت زیر مطالعہ میں امر کے صیغے کے ساتھ گھریلو اور متاہل زندگی کے پس منظر میں اہل ایمان کو نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا یہاں خصوصی مرغوبات اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کے علی الرغم نمازوں کی پابندی اور اہتمام کا اشارہ ہے۔

◐ عام سے خاص کی طرف سلسلہ کلام میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کہہ کر گھریلو زندگی میں ہر نماز اور مومن مرد اور عورت (میاں بیوی) کے رات کے تنہائی کے لمحات کے بعد نماز فجر اور دوپہر کے قیلولہ کے بعد نماز عصر کے خصوصی اہتمام کا حکم ہے۔

◐ مزید گہرائی میں جائیں تو حکمت قرآنی اور حکمت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ خزانہ بھی سامنے آتا ہے کہ اس مقام پر مومن شوہر اور مومن بیوی کیلئے نماز تہجد کا اہتمام بھی ضروری ہے لہٰذا پہلے درجے اور اعلیٰ ترین مقام بندگی پر فائز اہل ایمان کیلئے الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز تہجد بھی ہوسکتی ہے اگرچہ ہمارے لئے یہ فرض نہیں تاہم اس کی فضیلت اپنی جگہ پر ہے۔

گویا—— مفسرین کے اقوال کے مطابق الصلوٰۃ الوسطیٰ تو ان ہی پانچ نمازوں میں سے ہی کوئی قرار پائی اور نماز فجر اور نماز عصر پر زور استدلال ہے' تاہم مندرجہ بالا صفحات میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کے قرائن اور احادیث اور سنت نبویؐ سے اس کو مدلل کر کے پیش کیا جائے تاکہ ہر قاری نہ صرف نتیجہ تک پہنچ سکے بلکہ اس کے ساتھ استدلال کی کڑیاں خود ملانے پر اس کو ایک درجے میں اطمینان قلب بھی میسر ہو' تاکہ وہ یکسوئی اور بھرپور جذبہ عمل کے ساتھ اس چیز کے حصول میں لگ جائے جس ذوق و شوق اور لگن کا یہ آیت تقاضا کرتی ہے۔

(قارئین سے درخواست ہے کہ راقم نے اگرچہ اپنی امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ کے مفہوم کو واضح کر سکے، تاہم اگر کہیں غلطی اور استدلال کی کجی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اس کو درست کیا جا سکے۔)

Marfat.com

8

خواتین کا جہاد

اُمّت مسلمہ کا شاندار مستقبل
اچھے اور باعمل مسلمانوں کی مسلسل تیاری سے منسلک ہے
اور صالح اولاد کا تعلق 'صالح ماں' سے ہے
تو ضرورت اس امر کی ہے کہ
آج کے ہر مسلمان گھرانے میں
بیٹوں کی تربیت اچھے مجاہد کی ہو
تو بیٹیوں کی تربیت ایک اچھی ماں کی سی ہو
جس کے لیے باپ کو خود 'مجاہد' کا نمونہ
اور 'ماں' کو خود 'اچھی ماں' کا نمونہ
بن کر زندگی گزارنا لازمی ہے

ماں کی عظمت اور آج کے
والدین کی ذمّہ داریاں
(حکمت بالغہ اگست 2007ء)

Marfat.com

Marfat.com

ماں اور ماں کی ممتا کے الفاظ ایسے ہیں کہ جیسے ان میں رَس گھلا ہوا ہے اور آدمی کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ شاید ہی کوئی معقول انسان ہو جو ماں کی عظمت کا اعتراف نہ کرتا ہو۔ بلکہ تمام اقوامِ عالم کے تمام مشاہیر و زعماء یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آج وہ خود عظمت کی جن بلندیوں پر ہیں ان کو وہاں تک پہنچانے میں ماں کی تربیت کا حصّہ ہے۔ یہ بات صرف دنیا کی عظیم اور رہنما ہستیوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر سلیم الفطرت اور ذی شعور انسان کا ادراک یہیں تک پہنچتا ہے، یا وہ خود تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

الحمدللہ، یہ اچھی بات ہے کہ ہم لوگ اپنے والدین اور بالخصوص ماؤں کے بارے میں اچھے جذبات رکھیں اور ان کے احسانات کا تذکرہ کریں ـــــ مگر یہ سوال اپنی جگہ لمحہ فکریہ فراہم کرے گا کہ اچھی مائیں کہاں سے آتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں درآمد کی جاتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں آسمان سے اترتی ہیں؟ جس طرح کہا جاتا ہے کہ آج کا بچہ کل کا باپ ہوگا اور اسی طرح آج کی بچی کل کی ماں ہوگی۔

چنانچہ جیسے ایک لڑکے کو اچھی تربیت کے ذریعے کل کا ایک ذمہ دار انسان بنایا جاسکتا ہے ـــــ ایک اچھا صنعت کار، کارخانہ دار، ایک وزیر، ایک رہنما، ایک وزیراعظم، ایک استاد، ایک پروفیسر، ایک ڈاکٹر، ایک منتظم، ایک مصلح، ایک خطیب، ایک مفتی، ایک فقیہ اور ایک سچا مذہبی رہنما ـــــ اچھی تربیت ہی کا ثمرہ ہوسکتا ہے ـــــ تو یہ بات ہماری آنکھوں سے کیوں کر اوجھل ہوجاتی ہے کہ ایک اچھی ماں بھی آج کی بچیوں کی اچھی اور مثالی تربیت کا ہی ثمرہ ہوسکتی ہے۔

ستم یہی ہے کہ آج اچھی ماں کی عظمت کے گن گائے جارہے ہیں اور جنہیں اچھی مائیں یا اچھی تربیت میسّر آگئی وہ اپنی قسمت پر نازاں نظر آرہے ہیں، مگر آج کے بچے کو ایک اچھی ماں اور اچھی تربیت فراہم کرنے کا بارگراں کس کے سر ہے؟ کیا یہ کام خود بخود ہونا ممکن ہے؟

Marfat.com

نہیں ہرگز نہیں ــــــ اس کے لئے بھی بے حد محنت و مشقت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

آج کے بڑے آدمی، آج کے منصوبہ ساز، آج کے رہنمایان قوم اور آج کے معمارانِ وطن کے ذمہ یہ اجتماعی فرض ہے کہ ''ماں کی عظمت'' کی بحالی چاہتے ہیں تو ہر شیر خوار بچے کو ایسی ماں کا نمونہ بہم پہنچائیں جو حوصلہ مند، پاک دامن، عفت مآب، صالحہ، خداترس، عبادت گزار، اسلام کی شیدا اور قرون اولیٰ کی صالح خواتین کا نمونہ ہو۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ہمارا مستقبل شاندار اور محفوظ ہوگا، برائی کا خاتمہ ہو سکے گا اور خیر پھیل سکے گا۔ اچھی اقدار پھلیں اور پھولیں گی اور برائی اور بری باتوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو آج کے بچے کل بڑے ہو کر اچھی ماؤں سے محرومی کے سبب چور، ڈاکو، اچکے، بے ایمان، راشی، بدمعاش، کرپٹ اور میر جعفر اور میر صادق کے روپ میں قوموں کو فروخت کرنے والے، قوموں کو قرضوں میں جکڑنے والے اور قومی معاملات اور بین الاقوامی معاملات میں کروڑوں اور اربوں روپیوں کی کمیشن وصول کرنے والے بن کر سامنے آئیں گے۔

آیئے، ایک لمحہ کے لئے سوچتے ہیں کہ جس ماں کی عظمت کے ہر شخص گن گاتا نظر آتا ہے اس عظیم ماں کے اوصاف کیا ہو سکتے ہیں، اور اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ ہم اپنی آئندہ نسل کی خواتین میں یہ اوصاف کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی اچھی بات کا ادراک حاصل کر لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل کام تو اس کو عملی صورت میں ڈھالنا ہے۔

دنیا کی عظیم ہستیاں عظیم ماؤں ہی کی تربیت کا نتیجہ ہیں، تو آیئے عظیم لوگوں کے اپنی ماؤں کے بارے میں تاثرات سے بات شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں متفقہ اور مشترک ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. ایک اچھی ماں ایک شفیق عورت ہوتی ہے۔
2. ایک اچھی ماں ایک حوصلہ مند خاتون ہوتی ہے۔
3. ایک اچھی ماں ایک سلیقہ شعار خاتون ہوتی ہے۔
4. ایک اچھی ماں ایک اچھی گھریلو منتظمہ ہوتی ہے۔

Marfat.com

5. ایک اچھی ماں اعلیٰ اقدار پر خود بھی عمل پیرا ہوتی ہے اور اولاد کو ان پر عمل کرنے کے لئے ابھارتی ہے، جیسے سچ بولنا، خدمت خلق کرنا، غریبوں، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، کسی کا حق نہ مارنا، بے حیائی کے کاموں سے احتراز کرنا وغیرہ

6. ایک اچھی ماں باکردار خاتون ہوتی ہے۔

7. ایک اچھی ماں اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرنے والی خاتون ہوتی ہے۔

8. ایک اچھی ماں ایثار وقربانی کا پیکر ہوتی ہے۔

9. ایک اچھی ماں مصیبتوں اور مشکل حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہی جذبہ اولاد میں پیدا کرتی ہے۔

10. ایک اچھی ماں ایک اچھی عورت کے روپ میں شوہر کے گھر میں میسر وسائل سے کام لے کر اولاد کی اعلیٰ ترین تربیت کرتی ہے۔

11. ایک اچھی ماں اولاد کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہتی اور اولاد کی تربیت کو چھوڑ کر دوسرے غیر ضروری کاموں پر توجہ نہیں کرتی۔

ہوسکتا ہے کہ اوپر درج گیارہ باتوں میں کچھ تکرار بھی ہو، اور عین ممکن ہے کہ ہر ماں میں مندرجہ بالا تمام خوبیاں نہ پائی جاسکیں، تاہم ایک اچھی ماں کے اوصاف کا بڑا حصہ اوپر درج سطور میں آگیا ہے۔

اب اگلا مرحلہ یہ ہے کہ آیئے کہ سوچیں کیا ہمارے اس دور میں اکثر گھروں میں ایسی مائیں موجود ہیں؟ بات اکثریت کے حوالے سے ہی ممکن ہے۔ انسانی معاملات میں سو فیصد نتائج تو قریباً ناممکن الحصول ہوتے ہیں۔ آج کے معاشرے میں آپ دائیں بائیں نظر دوڑائیں، حالات کا جائزہ لیں اور قومی اخبارات کے کچھ دنوں کے تراشے جمع کرلیں تو آپ کو نظر آئے گا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اچھی ماں کے معیار پر اترنے والی خواتین تو شاید ہمارے معاشرے کے 15-20 فیصد گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں کیا ان 15-20 فیصد گھروں کے تربیت یافتہ بچے معاشرے کے سیلاب بدتمیزی کے آگے بند باندھ سکیں گے؟ یا آئندہ دنوں میں الیکٹرانک

Marfat.com

میڈیا (ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ڈش، کمپیوٹر، انٹرنیٹ) کی یلغار کے باعث یہ قلیل تعداد بھی اسی سیلاب عریانی وفحاشی و بے دینی کی نذر ہو جائے گی اور شاید آج سے 15 سال بعد کا تجزیہ نگار یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے کہ ہمارے ہاں اچھی اور مثالی ماؤں کا تناسب شاید کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا ہے۔اعاذنا اللہ من ذالک۔

اگر ہماری خواہش ہے کہ ہماری آئندہ نسل میں ایک اچھے مسلمان اور ایک اچھے شہری کی خوبیاں جمع ہو جائیں تو ہمیں اپنی آئندہ نسل کو اچھی مائیں دینے کا اہتمام کرنا ہوگا اور آئندہ نسل کی اچھی مائیں آج ہمارے گھروں میں بچیوں کی شکل میں زیر کفالت ہیں۔ان بچیوں کی ایسی تربیت کہ وہ مستقبل کی بہترین اور مثالی ماں بن سکیں اگرچہ ایک مشکل کام تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آج معاشرے میں پرورش پانے والے بچوں کے مستقبل کو مثالی انسانی اور اعلیٰ قدروں پر استوار کرنے کے لئے ہمیں آج کی ماؤں کی کیا تربیت کرنی چاہئے کہ وہ اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کر سکیں اور آج کے جو بچے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں یا دیگر اعلیٰ انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں تو وہ فخریہ کہہ سکیں کہ میرے اس مقام تک پہنچنے میں میری والدہ محترمہ کا بڑا حصہ ہے، یا آج کی بچیاں جن کے ہاتھ میں پوری انسانیت کا مستقبل آنے والا ہے وہ جب ذمہ داری کے منصب پر پہنچیں اور اپنے گھروں میں آباد ہو کر ماؤں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوں تو وہ ایک مثالی ماں کا کردار ادا کر سکیں۔ان کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کیے جائیں یا ان کے نصاب میں کس طرح کی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ اپنے ان فرائض کی احسن طریق پر ادائیگی میں فخر محسوس کر سکیں۔

اس مسئلے کا ایک مشکل پہلو یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں بھی ماں کی عظمت کے گن گانے کے باوصف عملی طور پر دنیا میں عورت (یا ماں) کی تربیت کے لئے کوئی مثبت انداز اختیار نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ عملی طور پر عورت کو ہر پہلو سے نظروں سے گرا کر اور ایک ''اشتہاری مواد'' کی حیثیت دے کر اس کے اعلیٰ مقام سے دربدر کیا جا رہا ہے اور نتیجہ کے طور پر آئندہ نسلوں کو اخلاقی قدروں سے عاری بنانے اور اچھے کردار کی ادائیگی سے بے نیاز کیا جا رہا ہے۔یہ تو آئندہ آنے والا وقت ہی بتائے گا تاہم یہ بات عیاں ہے کہ ''جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!''

Marfat.com

کے مصداق ہم نے پورا انتظام کردیا ہے کہ آئندہ معاشرہ ''انسانوں کا معاشرہ'' کی بجائے ''حیوانوں کا معاشرہ'' کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔

آج بھی اگر معاشرے کے قلیل لوگوں کو ''ماں کی عظمت'' اور ''ماں کی تربیت'' کی قدر و قیمت کا احساس ہے تو غنیمت ہے، اس چنگاری سے محنت و ریاضت اور عرق ریزی کے ذریعہ شعلہ جوالہ پیدا کیا جاسکتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ کٹھن کام کیسے ہوگا اور کون کرے گا؟ چلو اس کا تذکرہ تو کرتے ہیں اور اس کو عام کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، شاید کبھی کوئی ''مردے از غیب'' سامنے آجائے اور یہ ناممکن بھی ممکن ہوجائے۔ یہ بہرحال حقیقت ہے کہ یہ کام ہونا ضروری ہے اور یہ کام ایک حد تک کیے بغیر مستقبل میں عالمی اسلامی معاشرہ تو کجا انسانی معاشرہ کو برقرار رکھنا بھی NEXT TO IMPOSSIBLE ہے۔

پانچ نکاتی لائحہ عمل

آج کی بچیوں کو مستقبل کی مثالی ماں کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے لئے چند ناگزیر باتوں کا تذکرہ نیچے کیا جارہا ہے، انداز بیان تو بالکل شوخ نہیں ہے، تاہم نفس مضمون میں ایک فطری کشش اور DIVINE BEAUTY ہے جس کی وجہ سے شاید چند سعید روحیں اس کی طرف کھنچ آئیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے کمر ہمت کس لیں۔ وہ چند باتیں جنہیں ''پانچ نکاتی لائحہ عمل'' کا نام دیا جاسکتا ہے، درج ذیل ہیں:

1 انسان کو عظمت کا احساس دلانے والی باتوں میں سب سے نمایاں چیز مذہب ہے یہ مذہب ہی ہے جو انسانوں میں اعلیٰ انسانی قدریں، بے لوث خدمت، آخرت کا اجر و ثواب اور ایک خدائے واحد کا تصور دے کر انسانوں میں یکسانیت اور بھائی چارہ پیدا کرتا ہے۔ اس مذہب کی بنیاد وحی الٰہی (DIVINE REVELATION) پر ہے۔ اسی وحی الٰہی کے مظہر تورات، انجیل وغیرہ ہیں اور اسی کی آخری اور مکمل شکل قرآن مجید ہے جو عظمت انسانی کو اجاگر کرتا ہے، مساوات انسانی کا درس دیتا ہے اور مرد و عورت کی ذمہ داریوں کے فرق کے باوجود شرف انسانی اور جزائے آخرت میں دونوں کو برابر قرار دیتا ہے۔ اس تصور سے عورت ''نیچ ذات'' سے بلند ہوکر مردوں کے برابر ہوگی اور اس کو عظمت کا احساس ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے

Marfat.com

کے لئے کمر بستہ ہو جائے گی۔

حیرت ہے کہ آج عورت کو عظمت کا احساس دلانے والی اس چیز ——— مذہب اسلام، قرآن مجید ——— ہی کو دقیانوسی کہہ کر ترک کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عورت کو اندھیروں اور پستیوں سے نکال کر عظمتوں اور بلندیوں پر پہنچانے والا اسلام اور قرآن ہی ہے۔ عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم صرف قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم نہیں ہے، بلکہ اسے سمجھ کر پڑھنے اور عام کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص قرآن مجید کا وہ حصہ جو خانہ داری اور خواتین کی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔

2 اس مقصد کے لئے دوسری اہم چیز تعلیم ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان کو تعلیم کا حق حاصل ہے اور اس میں عورتیں بھی شریک ہیں۔ اسلام اور قرآن مجید اس کا داعی ہے، مگر تعلیم کے نام پر جہالت، بے حیائی، عریانی و فحاشی وغیرہ تعلیم کے حقیقی تصور کے ساتھ مذاق ہے۔ ایسی تعلیم از بس ضروری ہے جس میں اعلیٰ انسانی قدروں کی عظمت، ان کا حصول، بہادری، محنت کی عظمت، پاکبازی، اعلیٰ کردار اور مساوات انسانی کا تذکرہ ہو۔ بالخصوص خواتین کے نصاب میں ایک مثالی ماں کے کردار کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے برعکس آج کی تعلیم کے نتیجے میں عورت کو جو پڑھایا جا رہا ہے اس سے وہ نکاح اور گھر گرہستی کو ایک قید تصور کرتی ہے اور نکاح کی زندگی کی بجائے آزاد بلکہ آوارہ زندگی کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ تعلیم ''ماں کی عظمت'' کے تصور کی مکمل نفی ہے۔ عورت کی ذمہ داریوں میں گھر کی زندگی، اولاد کی تربیت اور بطور ماں کے بچوں میں اعلیٰ انسانی قدروں کی اہمیّت ونشوونما ہی اصل ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس تصوّر کے منافی تعلیم کے تمام نصاب بیک جنبش قلم ختم کر دینے چاہئیں۔

3 ایک مثالی ماں کے کردار کے پروان چڑھانے کے لئے تیسری اہم چیز عفت وعصمت کی حفاظت ہے، اور اس کے لئے جیسے علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ

ع ''نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد''

معاشرہ میں معاشی بوجھ کل کا کل مرد پر ڈالا گیا ہے اور عورت کی اصل ذمہّ داری گھر کی ملکہ کی حیثیت سے گھریلو معاملات کو انجام دینا اور اولاد کی تربیت ونگہداشت ہی بنتی ہے۔

Marfat.com

عفّت وعصمت کی حفاظت کا منطقی نتیجہ نکاح کا راستہ اور شادی شدہ زندگی ہے، جس سے عورت کی عفّت کی حفاظت بھی مرد کے ذمہ آتی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے عورتوں کے مقابلہ حسن پر بھی پابندی ناگزیر ہے اور بے جا فیشن اور مقابلوں پر بھی قدغن ضروری ہے۔ معاشرے میں سادگی کو رواج دینا ضروری ہوگا۔ البتہ عورتوں کی صحت کے لئے ورزشیں، کھیلیں اور دوسری ضروری ہم نصابی سرگرمیاں جو ''ماں کی عظمت'' کے اعلیٰ کردار کے حصول کے لئے کسی حد تک ناگزیر ہیں، حدود وقیود کے ساتھ ان کا جاری رہنا فائدہ مند ہے۔

4 الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سادہ زندگی بالخصوص نکاح شادی میں سادگی کی ترغیب دی جائے اور ستر وحجاب کی پابندی کرائی جائے۔ فحش لٹریچر اور مواد پر پابندی کرانے اور بالخصوص روزنامہ اخبارات میں فلمسٹار عورتوں کی بطور IDEAL تصویروں کی اشاعت کی مکمل بندش کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ——— ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں گھر کی چاردیواری ایک محفوظ قلعہ ہوگا اور گھر کا ماحول پرسکون رہے گا اور ''ماں کی عظمت'' کے شاہکار سامنے آئیں گے اور طلاق کی شرح ناقابل یقین حد تک کم ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں بچوں کی تربیت پر بے حد اچھے اثرات مرتّب ہوں گے۔

اس ضمن میں اخبارات اور رسائل کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ اخبارات اور رسائل کو اچھے معاشرے کی تشکیل میں اچھی، باکردار، باحیا اور بااخلاق ماؤں کے کردار کو اجاگر کرنا چاہئے۔

5 مذہب سے وابستگی، تعلیم کی فراوانی، گندے ماحول اور لٹریچر سے گلوخلاصی کے بعد بھی اپنے بچوں اور بالخصوص بچیوں کی صحیح تربیت کے لئے آج کے والدین کا کردار پھر بھی بہت اہمیّت کا حامل ہے ہمارے ہاں کے عام گھریلو ماحول میں وہ مواقع ہی نہیں جہاں سے اچھی مائیں پروان چڑھ سکیں۔ اخلاقی زوال، بے حیائی عریانی، ٹی وی پروگرام اور فیشن پرستی کے ماحول نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو گھروں سے نکال دیا ہے ان حالات میں والدین کی ذمّہ داریوں میں اضافہ ہوگیا ہے کہ وہ ایثار کریں اور خود اپنے اوپر جبر کر کے صرف اولاد کی خاطر اور آئندہ نسلوں کے بہتر کردار کی خاطر پہلے خود آج کی برائیوں سے توبہ کریں اور اپنے گھریلو ماحول کو اخلاقی لحاظ سے ایک

Marfat.com

تربیت گاہ کا روپ دے دیں۔ آج والدین بالخصوص مائیں اپنے ماضی سے توبہ کریں، نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کریں (والد بھی لازماً ایسا ہی کریں، مگر اس مضمون میں صرف ماؤں کے کردار کا تذکرہ ہے) تو ان کی سابقہ زندگی کے اثرات سے نئی نسل محفوظ رہ سکتی ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''گناہ سے توبہ کرنے والا انسان (عورت یا مرد) ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں''۔

لہٰذا ــــ کہا جاسکتا ہے کہ اگر آج ہم نے اپنی اولاد کو مثالی اخلاقی ماحول دے دیا تو کل وہ اچھے باپ اور اچھی مائیں بن کر ہماری ہی آئندہ نسلوں کو نہیں، اولادِ آدم کو سکون پہنچانے کا سبب بن جائے گی۔

THE VOICE

THERE IS A VOICE INSIDE OF YOU
THAT WHISPERS ALL DAY LONG,
"I FEEL THAT THIS IS RIGHT FOR ME,
I KNOW THAT THIS IS WRONG,"
NO TEACHER, PREACHER, PARENT, FRIEND
OR WISE MAN CAN DECIDE
WHAT'S RIGHT FOR YOU-JUST LISTEN TO
THE VOICE THAT SPEAKS INSIDE.

SHEL SILVER STEIN

Marfat.com

9

ختمِ نبوت میں ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کا پہلو

آسمانی ہدایت میں مردوں اور عورتوں کی
ذمہ داریاں اور میدانِ عمل جدا جدا ہیں
تاہم مردوں کی دینی ذمہ داریوں سے
خواتین کو آگاہی ہو،
تاکہ وہ گھر کے محرم مردوں کی
نگرانی و یاددہانی کا فریضہ ادا کرسکیں
اور خواتین کی دینی ذمہ داریاں
مرد حضرات کے علم میں بھی ہوں
تاکہ وہ اپنے گھر کی محرم خواتین کی ان دینی
ذمے داریوں کی ادائیگی کے لیے
سازگار ماحول فراہم کرنے کی سعی فرمائیں

خواتین اسلام کی خصوصی توجہ کے لیے

ختمِ نبوت میں ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن کا پہلو
(حکمت بالغہ فروری 2009ء)

Marfat.com

انجینئر مختار فاروقی صاحب نے تقریباً ایک عرصہ قبل قرآن آڈیٹوریم لاہور میں اتوار کے درس کے طور پر مذکورہ عنوان پر خطاب فرمایا تھا جسے ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ اب آڈیو کیسٹ سے اتار کر قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

Marfat.com

حمد وصلوٰۃ کے بعد سورۃ الاحزاب کی آیات 28 تا 34 اور
آیت 40 اور سورۃ النساء کی آیت 165 تلاوت کیں۔

حضرات! اس وقت میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی متفرق آیات تلاوت کی ہیں جو حضرات عربی جانتے ہیں انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ آیات ختم نبوت سے متعلق ہیں اور آج کی اس نشست میں ختم نبوت ہی کے دو پہلوئیں واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ختم نبوت کا لفظ اور یہ اصطلاح ہمارے دین میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے قانونی پہلو بھی ہیں کہ جس کے انکار کی بنیاد پر کفر لازم آجاتا ہے اور دائرہ اسلام سے اخراج کا نتیجہ نکلتا ہے لہٰذا اس کے بہت اہم قانونی پہلو ہیں۔ اس کے کچھ عملی نتائج بھی نکلتے ہیں کہ جب تک دنیا میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا نبی اور رسول تشریف لا رہے تھے تو اس وقت جو لوگ نبیوں پر ایمان لاتے تھے ان کی ذمہ داری بہت محدود رہ جاتی تھی، کسی نبی کا زمانہ ہوا لوگ ان پر ایمان لائے ان کے جانے کے بعد جب حالات خراب ہوئے تو اللہ نے ایک اور نبی بھیج دیا گویا کہ لوگوں کی ذمہ داری بہت محدود تھی۔ ختم نبوت کے نتیجہ میں جو عملی تقاضے انسان پر بنتے ہیں اور آج کا جو مسلمان ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت کے نتیجہ میں بہت زیادہ جواب دہ ہے ایک مسلمان کی ذمہ داریاں اس ختم نبوت کے نتیجے میں بہت بڑھ جاتیں ہیں، اس کے کاندھوں پر بہت بڑا بوجھ آ گیا ہے۔

تیسرا یہ کہ ختم نبوت کے کچھ اور پہلو ہیں جنہیں مَیں اس وقت تکمیلی پہلو کہہ رہا ہوں دو پہلو ہیں جن کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات پر نبوت و رسالت کا اختتام ہوا ہے لیکن دو پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس کو SUPPLEMENT کیا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی جو شخصیت ہے وہ ایک استاد کے لئے، ایک مربی کے لئے، ایک شوہر کے لئے، ایک والد کے لئے یا ایک بحیثیت انسان کے اسوۂ حسنہ ہے، اسوۂ کامل ہے اس میں کوئی

Marfat.com

شک نہیں ہے لیکن ایک پہلو ہے، جس سے متعلق آیات ابھی میں نے پڑھی ہیں اور آپ کے سامنے وہ بات ابھی واضح بھی ہوگی کہ ایک مرد کی شخصیت ایک عورت کے لئے سو فیصد اُسوۂ کامل نہیں ہو سکتی۔ ایک مرد کی شخصیت ایک مرد کے لئے سو فیصد اسوہ ہے اس لئے کہ مزاج، میلانات، سوچ، انداز فکر ایک مرد کا ایک مرد سے مشابہ ہے اور اتمامِ حجت ہو جائے گا اگر ایک مرد دوسرے مرد کے لئے یا ایک مرد تمام بنی نوع انسان کے مردوں کے لئے کوئی بات کر کے دکھا دے تو حجت قائم ہو گئی۔ لیکن ایک مرد کا اسوہ بحیثیت انسان مجموعی طور جب کہا جائے گا پھر تو بحیثیت انسان عورتوں پر بھی مردوں پر بھی اتمامِ حجت ہو گیا لیکن جب تفصیل میں جائیں گے اور وہ تفاصیل جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہیں کہ طہارت ہے پاکیزگی ہے نماز ہے روزہ ہے زکوۃ ہے حج ہے تو اب ایک مرد کا اسوہ ایک خاتون کے لئے کامل نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے ختم نبوت ایک کا تکمیلی پہلو ہے جو ان آیات میں بیان ہوا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے ازواج مطہرات جو عطا فرمائیں ہیں پھر اللہ نے ایک خاص انداز میں ان کی تطہیر کی ہے ان کا تزکیہ کیا ہے ان کا تصفیہ باطن کیا ہے ہر قسم کی ذہنی فکری عملی اخلاقی آلودگی سے پاک کر کے اس دور میں بھی اور آنے والے دور میں بھی جتنی بھی مسلمان خواتین ہوں گی ان کے لئے نمونہ بنا دیا؛ اس لئے کہ ایک عورت کے لئے نمونہ ایک عورت ہی ہو سکتی ہے۔

ہمارے ہاں بنیادی طور پر یہ مسئلہ طے ہے کہ عورتوں کو اللہ نے نبوت کے اعلیٰ مقام پر بوجوہ فائز نہیں کیا اس کی بے شمار حکمتیں ہیں جو سمجھ میں بھی آتی ہیں لیکن یہ اس وقت میرا موضوع نہیں ہیں، اللہ نے عورتوں کو ایسے مقام پر فائز نہیں کیا جس کے نتیجے میں معصومیّت لازم آتی ہے کیونکہ جس کو اللہ نے نبوت یا رسالت کے مقام پر فائز کر دیا اس کی شخصیت کو معصوم بنا دیا۔ معصوم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی اللہ نے اس کو گناہوں سے، عصیان سے بچا لیا امکانات موجود رہتے ہیں میلانات ہوتے ہیں طبیعت میں وہ INCLINATION ہوتی ہے کہ آدمی ادھر چلا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو اس کے جو نتائج و عواقب ہیں یا اس کا جو عملی ظہور ہے یعنی گناہ یا نافرمانی اس سے محفوظ کر لیتا ہے؛ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر کسی ایسی شخصیت سے کسی غلطی یا گناہ کا (معاذ اللہ) صدور ہو جائے جس کا اسوہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے نمونہ بننے والا ہے اس

Marfat.com

کی ''غلطی'' لاکھوں کروڑں انسانوں کے لیے غلط کاموں کے کرنے کا جواز بن جائے گی لٰہذا ''عصمت انبیاءؑ'' کا مسئلہ قرآن مجید سے واضح ہے اور منطقی نتیجہ بھی ہے اگر بالفرض قرآن میں ذکر نہ بھی ہوتا تو بھی عصمت یقیناً ہونی چاہیے اس کے بغیر تو اسوۂ کامل بن ہی نہیں سکتے۔ تو خواتین کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام بلند پر فائز تو نہیں کیا کہ عصمت ہو لیکن یہ ہے کہ جو آیات ابھی مذکور ہوئی ہیں ان کا ترجمہ اور تشریح بھی آئے گی' ان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ازواج مطہرات کو خاص طور پر دوسری تمام خواتین اور مردوں سے بڑھا کر ایک درجہ میں ان کی تطہیر کی ہے ان کا تزکیہ باطن کیا ہے تصفیہ کیا ہے ان کے نفوس کی تہذیب کی ہے اور اس کے نتیجے میں دنیا میں آنے والی تمام خواتین کے لئے نمونہ بنا دیا ہے۔

ختم نبوت کا ایک دوسرا تکمیلی پہلو ہے خلافت کے اعتبار سے۔ جسے ہم ''خلافت راشدہ'' کہتے ہیں حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے جب تک آپ دنیا میں تھے وحی کا سلسلہ جاری تھا آسمان سے ہدایت آ رہی تھی جب کوئی مشکل مرحلہ آتا تھا اللہ تعالیٰ وحی بھیج کر محمد رسول اللہ ﷺ کو GUIDE فرماتا تھا ہدایت دیتا تھا رخ بتاتا تھا ایسے کرنا ہے ایسے کرنا ہے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما دیتا تھا اٹھائیسواں پارہ سورۃ المجادلہ کے شروع میں ایسا ہی ایک مسئلہ ہے کہ ایک بیوی اور ایک شوہر کا مسئلہ پیدا ہوا اور ان کا معاملہ ذرا جھگڑے کی کیفیت اختیار کر گیا محمد رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بات پہنچی ہے وہ عورت اپنا CASE لڑ رہی تھی جھگڑ رہی تھی۔ وحی نازل ہوگئی اس کا نتیجہ نکل آیا مسئلہ حل ہو گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ گئی کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے۔ آج کوئی ایسی صورت حال نہیں ہے اس لئے کہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے محمد رسول اللہ ﷺ جب تک تھے تب تک قرآن اتر رہا تھا اور مزید محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھی اس کی تشریح کا سلسلہ جاری تھا۔

اور پھر یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے جو کچھ قرآن کی تشریح فرماتے تھے وہ بھی بہرحال جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے (اگرچہ الفاظ تو بظاہر لگتے ہیں ایک نبی کے لئے استعمال نہیں کرنے چاہئیں)۔ ع ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن اتر رہا تھا اور اللہ نے آپ ﷺ کو خاص صلاحیتیں عطا فرمائیں تھیں اور پھر بہت سارے غیب کے معاملات اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نبی کو بتاتا تھا۔ آسمان کی سیر کروائی معراج نصیب فرمائی تو حضور اگر اپنی سوچ کے اعتبار سے بھی قرآن وحدیث سے کوئی نتیجہ نکالتے تھے وحی جلی اور وحی خفی کو ملا کر کوئی منطقی نتیجہ اس کا نکالتے تھے تو بعد میں آنے والوں سے وہ کہیں بہتر ہوتا تھا۔ جو آج ہم قرآن کی کسی آیت اور حدیث کو ملا کر نتیجہ نکال سکتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا نکالا ہوا نتیجہ اس سے ہزار درجے بہتر ہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے وحی کا انقطاع ہو گیا نبوت ورسالت ختم ہو گئی اب ایک عملی مسئلہ پیدا ہوا جو آج بھی مسئلہ ہے یہ اسی طرح کا مسئلہ ہے جس کی ابتداء اس وقت ہوئی تھی جب فتح مکہ کے بعد یمن کا علاقہ فتح ہوا وہاں ایک حاکم مقرر کرنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جماعت صحابہ میں جب نظر دوڑائی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر نگاہِ انتخاب جا کر رکی ہے آپ ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا ان کو ہدایات دیں اور ان کو یمن کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا جب وداع فرما رہے تھے تو آپ ﷺ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک مکالمہ ہوا تھا جو احادیث میں ہے آپ حضرات نے پہلے بھی سنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ایک دور دراز علاقے میں جا رہے ہیں جب مدینے میں تھے تو قریب تھے نمازیں یہیں پڑھی جا رہی ہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو چلو آج نہیں تو کل ملاقات ہو جائے گی مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ لیکن اب آپ ایک دور دراز علاقے میں جا رہے ہیں وہاں اگر آپ کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ جس میں قرآن کی آیات سے رہنمائی نہ ہو سکے تو آپ کیا کریں گے انہوں نے عرض کی کہ میں آپ کے فرامین جو مختلف اوقات میں سامنے آتے رہے ہیں ان میں رہنمائی تلاش کروں گا آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ اگر میری کسی بات میں بھی جواب تک آپ نے سنی ہے رہنمائی نہ ملے تو پھر آپ کیا کریں گے تو اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جو بات عرض کی وہ یہ ہے کہ پھر میں خود اپنا ذہن لڑاؤں گا خود محنت کروں گا کوشش کروں گا اجتہاد کروں گا یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کو جس کے قریب بھی پاؤں گا اس میں اپنا ذہن لڑا کر اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کروں گا آپ نے اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تصویب فرمائی شاباش دی کہ ہاں صحیح بات ہے کہ اسی طریقے پر ہونا چاہیے۔

یہ ایک انفرادی معاملہ تھا کہ ایک شخص کے ساتھ ایسا مکالمہ ہوا ہے جب ختم نبوت اور

Marfat.com

ختم رسالت ہوئی ہے اس کے نتیجے میں اب وحی کا، آسمانی ہدایت کا سلسلہ مستقل طور پر بند ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی اور سلطنت دور دراز کے علاقوں میں خوب وسیع ہو گئی اب ایک مسئلہ پیدا ہوا صاف ظاہر ہے کہ مختلف حالات جو سامنے ہیں قرآن و حدیث میں بظاہر اگر ہدایت نہیں مل رہی رہنمائی نہیں مل رہی تو کیا کیا جائے؟۔

اصولاً بات وہی تھی جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تھی لیکن وہ ایک شخص کا معاملہ تھا یہاں تو اب ہزاروں لوگ ہیں سینکڑوں عمّال ہیں جو مختلف علاقوں میں موجود ہیں ان کے لیے اصول وضع کرنا ان کے سامنے کوئی رہنمائی رکھنا جیسے آج کے دور میں مختلف علاقوں میں جج ہیں سیشن جج ہیں چھوٹی کورٹس ہیں اور اس کے اوپر بڑی کورٹس ہیں پھر سپریم کورٹ ہے تو جب اس طرح کا معاملہ آیا ہے تو پھر صحابہ کو اہل ایمان کو بنیادی طور پر اصول وضع کرنے پڑے ہیں کہ قرآن وسنت کی رہنمائی میں اگر کسی مسئلے کا حل واضح طور پر سامنے نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ اگر حالات ایسے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سو فیصد اس پر منطبق نہ کیا جا سکے تو کیا کیا جائے؟ ان حالات میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کیا اور محنت کر کے نتائج نکالے ہیں خلوص کے ساتھ۔ اس مسئلہ کی طرف حدیث میں اشارہ ہے۔ خواتین کا جو تکمیلی پہلو ہے اس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور خلافت راشدہ کے اعتبار سے ختم نبوت کا جو تکمیلی پہلو ہے اس کا ذکر حدیث میں ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَاِنْ عَبْدٌ حَبْشِیٌّ،

''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سنتے رہنے اور فرمانبرداری کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حبشی غلام تم پر امیر مقرر کر دیا جائے۔

فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ یَرٰی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا

تم میں سے جو شخص زندہ رہا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا

وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّھَا ضَلَالَۃٌ

Marfat.com

تم دین میں نئے گھڑے جانے والے امور سے بچنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں۔

فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

تم میں سے جو ایسے حالات کو پائے تو تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے

عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (رواہ الترمذی)

اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو

یعنی میرے بعد بہت فتنے ہوں گے حالات مختلف ہو جائیں گے رہنمائی تلاش کرنی پڑے گی ایسے نہیں ہے کہ بنا بنایا کہیں سے نتیجہ نکل جائے گا اس کے لئے اجتہاد کرنا پڑے گا اگر ایسی صورتحال ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ ''اے مسلمانو! تم پر میری سنت تو لازم ہے ہی'' رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور ان کی سنت میں تو کسی مسلمان کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا اس کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا: وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ میرے بعد جو میرے تربیت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ان کے دور میں اجتہاد، تفاسیر اور قرآن وحدیث سے استنباط کے جو بنیادی اصول سامنے آجائیں گے اور خاص طور پر جن پر اجماع ہو جائے گا جن پر سارے صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہو جائیں گے' اس کا اتباع کرنا بھی اسی طریقے پر تم پر لازم ہے جیسے میری سنت کا اتباع کرنا۔

ختم نبوت کے ان دو تکمیلی پہلوؤں کے متعلق آج میں چاہتا ہوں کہ ان کی طرف آپ کی رہنمائی کروں آپ کو قرآن وحدیث سے مزید دلائل دے کر اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کروں کہ واقعتاً یہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

ختم نبوت کا جو تکمیلی پہلو خواتین کے اعتبار سے ہے اس کی اہمیت عام طور پر ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ خواتین کے معاملات، دین میں خواتین کی ذمہ داریاں اور خواتین کا اعلیٰ مقام جو اسلام نے ان کو عطا فرمایا ہے وہ اور حوالوں سے تو ہمارے سامنے آتا ہی رہتا ہے' اس پہلو سے بھی اگر غور کیا جائے تو حقیقت یہی ہے کہ دین اسلام نے، محمد رسول اللہ ﷺ نے، قرآن مجید نے خواتین کو اس اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے جسے ہم ''صدیقیتِ کبریٰ'' کا مقام کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے خواتین کو نبوت تو عطا نہیں فرمائی لیکن یہ ہے کہ نبوت کے بعد جو بھی اعلیٰ ترین درجہ

Marfat.com

ہوسکتا ہے اس پر خواتین کو بھی اللہ نے فائز فرما دیا ہے اور وہ مرتبہ ہے صدیقیت کا تو یہ ہے نفس مضمون جس کا میں نے تعارف کرا دیا ہے اور جس کی بنیادی باتیں میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں ہیں اب اس کی تھوڑی سی مزید تشریح کے ساتھ ان آیات کی طرف ہم آئیں گے۔

پہلی آیت جو میں نے تلاوت کی ہے سورۂ احزاب کی، وہ تو ختم نبوت کے بارے میں ہر تقریر میں آپ یقیناً سنتے ہوں گے ہر گفتگو جو اس موضوع پر ہوتی ہے لازماً اس میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ''محمد رسول اللہ ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں'' (یعنی ان کے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے) وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ ''وہ اللہ کے رسول ہیں'' (ان کی اطاعت اور ان کا اتباع اللہ کے رسول کی حیثیت سے ہے) وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اور وہ انبیاء کے خاتم (ختم کرنے والے) ہیں خاتم نبوت و خاتم رسالت ہیں وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے'' یہ بات اللہ سے پوشیدہ نہیں ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

ختم نبوت کے بارے میں لفظ ''ختم'' کا کیا مفہوم ہے؟ تفصیل میں جانے کا تو موقع نہیں ہے لیکن یہ لفظ دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ایک تو قرآن مجید میں اور حدیث میں بعینہٖ اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہ ہماری مقامی سطح پر جو اردو زبان ہے اس میں استعمال ہوتا ہے یعنی ختم کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کوئی چیز پہلے تھی اب ختم ہوگئی پہلے کسی شخص کے پاس کچھ رقم موجود تھی اس میں سے خرچ کرتے رہے اب ختم ہوگئی یا کوئی CONSUMABLE COMMODITY تھی آٹا تھا چینی تھی دال تھی اب ختم ہوگئی اس معنی میں بھی لفظ ''ختم'' استعمال ہوتا ہے اس معنی میں ختم نبوت کا تصور یہ ہوگا کہ ایک اللہ کی نعمت اور اللہ کی رحمت تھی جس کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری تھا اور وہ صدیوں پر محیط تھا محمد رسول اللہ ﷺ پر وہ سلسلہ آکر ختم ہوگیا۔ لفظ ''ختم'' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کسی چیز کا یا کسی کام کا مکمل ہو جانا تکمیل پذیر ہو جانا جیسے کوئی بچہ کہتا ہے کہ میں نے سکول کا کام ختم کر لیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اس کو کامل کر لیا جیسے اس کو کرنا تھا جتنا کرنا تھا وہ ہوگیا ختم نبوت کی اصطلاح میں ''ختم'' کا لفظ اس مفہوم میں بھی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ نبوت کا ایک سلسلہ جاری تھا وہ کوئی ایسی FLAT چیز نہیں تھی جو چلی آرہی تھی بلکہ

Marfat.com

اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جو سلسلہ جاری فرمایا وہ آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ کمال کو پہنچتا چلا گیا جیسے کوئی آدمی کسی پہاڑی کی چڑھائی پر چڑھتا ہے یا جیسے کوئی گراف بناتے ہیں تو گراف اونچے سے اونچا چلا جاتا ہے اپنے CLIMAX کو پہنچ کر وہ سلسلہ ختم ہوگیا یہ کوئی سپاٹ یا کوئی ہموار چیز نہیں ہے جو چلتے چلتے ختم ہوگئی ہے۔ ختم نبوت میں ختم کا لفظ جب کسی چیز کو مکمل کرنے کے لئے استعمال ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبوت ختم ہوئی ہے وہ حضرت آدم سے جو سلسلہ جاری ہوا وہ درجہ بدرجہ اپنے کمال کو پہنچتا ہوا اور اعلیٰ تر مراتب تک پہنچتا ہوا اپنی آخری اتمامی اور تکمیلی شکل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر ختم ہوگیا۔

اگر پہلے معنی صرف مراد لئے جائیں جیسا کہ ختم نبوت سے متعلق عام آدمی کا تصور وہی پہلے والا ہی ہے کہ نبوت کا ایک سلسلہ جاری تھا چلا آرہا تھا چلا آرہا تھا اللہ نے ختم کر دیا' اس کا اگرچہ منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ رحمت کا جو سلسلہ تھا (قرآن مجید میں نبوت کو رحمت کہا گیا ہے) وہ سلسلہ اللہ نے کیوں منقطع کر دیا وہ جاری رہنا چاہیے تھا جب دنیا میں انسان آرہے ہیں نسل انسانی جاری ہے وہ ختم نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے سینکڑوں گنا زیادہ اس کی آبادی بڑھتی چلی جارہی ہے مسائل بڑھتے چلے جارہے ہیں' تو اللہ نے ختم نبوت کیوں فرمادی۔ لیکن یہ جو دوسرا مفہوم ہے اس کے اعتبار سے اگر دیکھیں گے تو پھر بات سمجھ میں آتی ہے کہ واقعتاً ایک STAGE پر آکر اللہ نے وہ ہدایت کامل کر دی اسوۂ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں لوگوں کو عطا کر دیا گیا اب کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے اللہ نے قرآن جیسی کتاب عطا کر دی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہادی برحق نبی اور رسول عطا فرمادیا اب اگر انسانیت کا یہی مزاج ہے یا اس کے یہی تخلیقی عوامل ہیں تو اس انسان کو کسی مزید رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے یہ ہے وہ مفہوم جس کا سورۃ المائدہ کی آیت میں بیان ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (03:05)

اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا

اللہ نے یہ جو نعمت ہدایت ہے اس کی تکمیل فرمادی اس کا اِتمام فرمادیا اس کو مکمل کر دیا ایسے نہیں ہے

Marfat.com

کہ اللہ نے بغیر کسی جواز کے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا بلکہ اسے آخری انتہا تک پہنچا کر جہاں تک نسلِ انسانی کی یا ذہن انسانی کی ضرورت ہوسکتی تھی رہنمائی کے آخری درجے تک پہنچا کر مکمل کر کے ہدایت کو اللہ نے ختم کیا ہے یہ دوسرے معنی ہیں ختم نبوت کے اور اس کو سامنے رکھا جائے تو پھر بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی شکل میں جو کامل ہدایت ہمیں عطا فرمادی ہے اور قرآن و حدیث میں انسانِ کامل کا ایک ہیولا ہمارے سامنے رکھ دیا ہے اب رہتی دنیا تک کسی بھی سوچنے سمجھنے والے انسان کے لئے مزید کسی قسم کی رہنمائی درکار نہیں ہے۔

اسی کو ایک اور اعتبار سے دیکھئے اس لئے کہ اگر یہ مسئلہ پہلے واضح ہوگا تو اس کے بعد اگلے دو تکمیلی پہلو سامنے آئیں گے۔ ''خطبات مدراس'' سیّد سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ہے آپ میں سے اکثر حضرات نے پڑھی ہوگی انہوں نے سیرت النبی کے موضوع پر لیکچر دیئے تھے مدراس میں ایک جگہ پر محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی تھی' اس میں انہوں نے تصور پیش کیا ہے کہ آج کی دنیا میں معروضی طور پر بھی اگر تلاش کیا جائے کوئی انسان، کوئی نوجوان، کوئی حق کا متلاشی اگر وہ نکلے کہ میں کسی ایک ایسے انسان کی تلاش میں ہوں جس کا میں کامل اتباع کرسکوں پوری زندگی اس کے پیچھے چل سکوں ایسا کوئی کامل انسان مل جائے۔ غیر شعوری طور پر تو ہر شخص اس کا متلاشی ہے لیکن اگر آپ ایسا فرض کریں تو کوئی باہمت محنتی انسان ہو جس کے پاس وسائل بھی ہوں کوشش اور محنت کر رہا ہے تلاش کر رہا ہو تلاش کرتے کرتے بالآخر کیا نتیجہ نکلے گا؟ وہ شخص غیر انبیاء میں کس تک پہنچے گا؟ اس کو مختلف بڑے بڑے فاتح ملیں گے سکندر اعظم کی حیثیت اس کے سامنے آئے گی کہ بہت بڑا انسان تھا کیا اس کا اتباع کرلو گے؟ اس کی زندگی کے تو چند گوشے بھی پورے نہیں ملیں گے اور وہ بھی کسی معقول اور سمجھدار انسان کے لئے قابل اتباع نہیں ہے اوسط درجے کا باضمیر انسان جس میں کوئی اخلاق و کردار بھی ہے کوئی ضمیر نام کی چیز ہے اس کے نزدیک تو وہ قابل اتباع نہیں ہوسکتا، انہی فاتحین کی فہرست میں ہٹلر بھی ملے گا مسولینی بھی ملے گا ہلاکو خان بھی ملے گا چنگیز خان بھی ملے گا' کوئی شریف آدمی ان کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ نہیں بنا سکتا۔ انبیاء کی تاریخ میں چلے جائیں' میں نے ایک انتہا سے دوسری انتہا تک بات پہنچا دی ہے، درمیان میں

Marfat.com

اور بہت ساری شخصیتیں ہوسکتی ہیں لیکن انبیاء کی زندگی میں بھی آپ دیکھیں کوئی متلاشی حق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرے تو کیا اس کو وہاں سے اسوۂ کامل مل سکتا ہے؟ اس میں کوئی توہین کا پہلو نہیں ہے؛ اس لئے کہ اللہ نے نبی و رسول بنائے ہیں ایک کے بعد ایک درجہ بہ درجہ سیڑھی بہ سیڑھی اوپر پہنچاتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے تو مطلب یہی ہے کہ سابقہ نبیوں کی جو ہدایت تھی وہ اپنے زمانے کے لئے جو ضرورت تھی اللہ نے وہ بھیجی لیکن وہ مستقل اور دائمی نہیں ہوسکتی تبھی تو اللہ نے توراۃ اور انجیل کو دنیا میں سے محو کر دیا قرآن بھیج دیا اس لئے کہ وہ دائمی ہدایت ہو بھی نہیں سکتی تھی انسان کی مکمل رہنمائی کر ہی نہیں سکتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو آج اگر آپ پڑھیں کیا رہنمائی ہوسکتی ہے کیا کچھ AVAILABLE ہے، آپ (عیسیٰ) علیہ السلام کا کل تذکرہ جو قرآن مجید میں یا بائبل میں ہے صرف پیدائش کا ذکر ہے یا ابتدائی ایک سال کے واقعات ہیں اس کے بعد پوری زندگی کے متعلق کوئی ذکر نہیں' انہوں نے بچپن کہاں گزارا جوانی کہاں گزاری کیا کرتے رہے کس سے علم سیکھا، کیا پڑھا، ان کا کیا مشغلہ رہا، کیا پیشہ رہا' کچھ نہیں معلوم! چند قصے کہانیاں ہیں لیکن وہ AUTHENTIC نہیں ہیں اس کے بعد یکایک تیس سال کی عمر میں سامنے آتے ہیں کہ نبی و رسول علیہ السلام کے طور پر یروشلم میں ظاہر ہوئے اور کل ڈھائی برس ان کا دور رسالت ہے۔ انجیل اُٹھا کر دیکھ لیجیے اس میں چند وعظ ہیں نہ کوئی قانون ہے نہ کوئی ضابطہ ہے نہ ہی انسان کو کوئی انفرادی معاملات یا دوسرے معاملات شادی بیاہ نکاح و طلاق، کاروبار معاملات، حکومت کے بارے میں کچھ ہدایت مل سکتی ہے اور پرائیویٹ نجی زندگی کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں فی الواقع معروضی طور پر تلاش کرنے سے بھی ملے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی بھی کامل رہنمائی نہیں کرسکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر چلے جائیں ان کے ماننے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں خصوصاً یہود نام کی قوم ایک ہے جو ان کو بہر حال بہت برگزیدہ اللہ کا پیغمبر تو مانتے ہیں' انسان تلاش کرے دنیا میں جو کوئی بھی لٹریچر AVAILABLE ہے OLD TESTAMENT کے نام سے کتاب موجود ہے اور اس کی تالمود کے نام سے تفسیریں موجود ہیں' لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بھی چیدہ چیدہ واقعات کے علاوہ آپ کو ایک مکمل شخصیت کا ہیولا نہیں ملے گا جو مکمل

Marfat.com

رہنمائی نہیں دے سکتے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں پڑھ لیجیے ان کے ماننے والے اور بھی بہت ہیں یہود وعیسائی کے لٹریچر میں پڑھ لیجیے کامل رہنمائی نہیں مل سکتی۔ پوری زندگی کامل اتباع کے لئے آدمی کے سامنے کسی شخصیت کا نقشہ ہونا میسّر ہی نہیں۔ اور جو کوئی غیر نبی مفکرین ہیں یا فلسفی گزرے ہیں یا اور کوئی نبی علیہ السلام تھے جن کے (بزعم خویش) ماننے والے جو کسی وجہ سے گمراہ ہو گئے بدھ مت، کرشن یا کنفیوشش کے نام سے ہیں ان کی زندگی کے چند تو ہم پرستی کے انداز میں کچھ واقعات ہیں جن سے اُلوہیت کا کوئی شائبہ ان کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے انسان کے لئے قابل عمل نمونہ زندگی کا' وہ تو میسّر ہی نہیں ہے۔

سیّد سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو بات آپ کو مَیں بتانا چاہ رہا تھا جو ہمارے اس CONCEPT کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ تاریخ انسانی میں واحد شخصیّت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کہ جن کی زندگی کا پورا ہیولا زندگی کا ہر گوشہ نجی زندگی بھی اور عوامی زندگی (PUBLIC LIFE) بھی اس میں طہارت وضو، کھانے پینے کے انداز، بیت الخلاء کے داخلے اور مسجد میں داخلے سے لے کر سونے اور جاگنے تک کے معاملات پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں کوئی اتباع نہ کرنا چاہے اس کے لئے راستہ کھلا ہے لیکن اگر کوئی متلاشی حق آج بھی خلوص دل کے ساتھ اتباع کرنا چاہے کہ مجھے کوئی نمونہ درکار ہے مجھے ایک ایسی شخصیت کا ہیولا درکار ہے کہ میں اس کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال سکوں اس کے پیچھے چل سکوں اس کا اتباع کر سکوں تو سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور شخصیت اس مقام پر فائز ہونے کے قابل ہی نہیں، کسی کی زندگی کے حالات AVAILABLE ہیں ہی نہیں۔ تو معروضی انداز میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات (قرآن وحدیث) دنیا میں آج کے انسان کے لئے بھی واحد نمونہ موجود ہے جس تک وہ رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی AVAILABLE ہے وہ انسان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتی۔

ایک اچھی شخصیّت، اچھا کردار اور صاف ظاہر ہے کہ اچھے کردار کا فیصلہ کرنا یہ میرے یا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ تو صرف اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور انسان کے اندر ایک ضمیر رکھا ہے صلاحیّتیں رکھی ہیں عقل انسانی ہے یہ تو جو بھی بین الاقوامی معیار

Marfat.com

ہوسکتا ہے انسانوں کی سوچ کا کہ ایک اچھا انسان کیا ہوسکتا ہے جس میں بنیادی انسانی اوصاف ہوں بنیادی انسانی اخلاق ہوں بنیادی انسانی کردار ہواس کا ہیولا جو کچھ بھی ایک عالمی سطح پر انسان کے لئے بن سکتا ہے حقیقت یہ ہے اس میں اگر آگے بڑھنے کے لئے کوئی نمونہ موجود ہے تو میں پھر وہی کہوں گا کہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہے۔ یہ ہے وہ بات جو قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی اس آیت میں کہی گئی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اے مسلمانو! یا اے بنی نوع انسان! ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے'' وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ''اور تم پر اپنی نعمت ہدایت مکمل کردی ہے'' انتہائی شکل میں تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اتمام کے معانی بھی وہی ہیں جو ختم کے معانی میں نے ابھی آپ کو بتائے کہ کسی چیز کو مکمل کردینا، CLIMAX تک پہنچادینا وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ ''اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام کرکے رہے گا'' اتمام کے کیا معنی ہیں کتاب کے آخر میں تَمَّتْ بِالْخَیْرِ لکھا ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ یہ کہ کتاب الحمدللہ اللہ کے فضل وکرم سے خیریت کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے بنی نوع انسان میں نے تم پر اپنی نعمت کا اتمام کردیا ہے اب اس ہدایت کے ہوتے ہوئے تمہیں مزید کسی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل تو انسان کے اندر جذبہ ہونا چاہیے، جذبۂ محرکہ اگر انسان کے اندر ہو کوئی MOTIVATION ہو تو پھر لازماً انسان آگے بڑھے گا اگر وہ جذبہ نہ ہو تو جیسے کسی انسان کو بھوک نہ ہو کوئی بیماری ایسی لاحق ہوجائے کہ آدمی کی بھوک مرجائے تو مرغن سے مرغن غذا سامنے رہے تو آدمی اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا لیکن اگر بھوک ہو یا پیاس لگی ہو اور پھر سامنے کھانا لایا جائے یا کوئی مشروب لایا جائے تو ممکن نہیں ہوتا کہ انسان اس سے پہلوتہی کرسکے۔ اسی طریقے پر اگر کسی انسان کے اندر طلب ہے ہدایت کی پیاس ہے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ایک کامل نمونہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے۔ اور یہی ختم نبوت کی وہ شان ہے جو قرآن مجید میں کہی گئی ہے کہ اسی وجہ سے اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا ہے کہ اب قیامت تک جتنے بھی انسان آنے والے ہیں انہیں کسی مزید ہدایت کی

Marfat.com

ضرورت نہیں ہے جو ہدایت محمد رسول اللہ ﷺ لائے ہیں اسی میں انسان اپنی عقل لڑا کر سوچ بچار کر کے اسی میں سے استنتاج کر کے استنباط کر کے کر اپنی مجتہدانہ صلاحیتیں استعمال کر کے اپنے ہر مسئلے کا حل نکال لے گا۔ آگے جو بات آئے گی اس کے لئے ختم نبوت کے اسی تصور کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ختم نبوت کے کچھ قانونی تقاضے ہیں جو آج ہمارے سامنے واضح ہیں اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کو اگر آخری اور حتمی نہ سمجھا جائے تو قرآن مجید کی ہدایت کی پوری عمارت ناقص قرار پائے گی؛ اس لئے کہ یہ مربوط اور مکمل ہدایت ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ دو چار اینٹیں ادھر سے نکال دیں جائیں اور دو چار ستون ادھر سے نکال دیئے جائیں ایک حصہ گرا دیا جائے تو اس کی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا وہ تو ایک ORGANIC WHOLE ہے آپ اس میں ایک چیز بھی نکال دیں گے تو یہ تو پوری عمارت کو کمزور اور خراب کرنے والی بات ہے اس میں جو بلندئ فکر اور جو ہم آہنگی موجود ہے وہ ساری کی ساری ختم ہو جائے گی مجروح ہو جائے گی۔ اس ختم نبوت کے عقیدے کی وجہ سے آج ہمارے سامنے ایک اسوۂ کامل ہے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ختم نبوت کے دو تکمیلی پہلو جن کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں اب ذرا وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ ایک پہلو خواتین سے متعلق ہے کہ جب اللہ نے انسان کے لئے اتنی بڑی ہدایت عطا فرمائی ہے محمد رسول اللہ ﷺ جیسا نمونہ اتار دیا اور انہوں نے بھرپور محنت و مشقت اور جدوجہد والی زندگی بسر کر کے وہ نمونہ لوگوں کے سامنے لا کر رکھ دیا اس سے اصولاً تو انسانیت پر اِتمامِ حجت اور قطع عذر ہو گیا اس لئے کہ نبوت کا بنیادی خاصہ یہی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے سورۃ النساء کی آیت ہے

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا o (165:04)

اللہ کی طرف سے رسولوں کی بعثت اسی مقصد کے لیے ہے کہ اللہ نے مبشر و منذر بنا کر بھیجا تا کہ ان رسولوں کے آنے کے بعد کسی انسان کے پاس اپنی بدعملی کے حق میں کوئی جواز، کوئی

Marfat.com

بہانہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل وجہ انبیاء اور رُسل علیہم السلام کی بعثت کی۔ اگر چہ انسان کے اندر بھی اللہ نے طلب ہدایت رکھی ہے اور انسان خود بھی اس کا اللہ کے ہاں جواب دہ ہے کہ تم نے ہدایت تلاش کی یا نہیں کی۔ لیکن خارج میں اللہ نے ہدایت کا سورج بھی روشن کر دیا تا کہ جس کسی انسان کی بھی طلب ہدایت کی آنکھ کھل جائے اس کو خارج میں وہ نور میسّر آ جائے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی متلاشی ہو اور اسے خارج میں ہدایت ہی نہ ملے۔ ''اِتمامِ حجّت'' یہ بنیادی مقصد ہے رسولوں کے آنے کا کہ قیامت کے دن کسی کے پاس کوئی بہانہ باقی نہ رہے کہ اللہ میں تو چاہتا تھا کہ تیری بندگی کروں تیرا کہنا مانوں تیرے احکام کے مطابق زندگی بسر کروں لیکن کہیں ہدایت میسّر ہی نہیں تھی اگر ہدایت تھی تو اتنی مشکل تھی کہ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی یا نا قابل عمل تھی وغیرہ وغیرہ ان جیسے جو بھی عذر ہو سکتے ہیں ان کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے نبی بھیجے رسول بھیجے۔ اور نبی اور رسول علیہم السلام بھی دنیا میں اس طریقے پر نہیں آئے کہ اللہ نے ایک نبی بھیجا ہو دو بھیجے ہوں دس بھیجے ہوں بلکہ ایک لاکھ سے زائد نبیوں کی تعداد ہے۔ اور جو نبی تشریف لاتے تھے دنیا میں وہ کچھ اس طریقے پر نہیں آئے کہ کوئی آدمی آیا اور مجمع اکٹھا کیا تقریر کی اور چلا گیا بلکہ سوائے چند استثنا آت کے جس قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا وہ اسی قوم میں پیدا ہوا اپنی قوم میں بچپن گزارا جوانی گزاری اس کا بنیادی کردار لوگوں کے سامنے آیا الصادق اور الامین کہلائے، یہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں ہے بلکہ جو نبی بھی دنیا میں آیا ہے وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ درجے کا انسان تھا پھر نبوت کے ظاہر ہونے کے بعد نبیوں نے ایک طویل عرصہ اپنی قوموں کے اندر گزارا، حق لوگوں کو بتایا، کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن اللہ کے نبی یہی کہتے رہے کہ ہم جو بات تمہیں کہہ رہے ہیں یہ اپنی طرف سے نہیں پہنچا رہے ہم تو اس پر اللہ کی طرف سے مأمور ہیں تم مانو یا نہ مانو تمہیں سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہ حق ہم تمہارے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ لوگوں کی طرف سے تشدّد، تکلیفیں، مار پیٹ برداشت کی اس کے باوجود حق بات لوگوں تک پہنچائی۔ تو اللہ نے دنیا میں جو نبی اور رسول بھیجے ہیں ان کی بعثت کا بنیادی مقصد ''اِتمامِ حجّت'' ہے۔ اجرائے وحی، اِنزالِ کتب اور اِرسالِ رُسل ان سب کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے اِتمامِ حجّت۔

Marfat.com

اسی ضمن میں دیکھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اِتمامِ حجت فرمادیا، رسالت کا حق ادا کر دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو فرمایا وہ اسی صورت میں ادا ہوا کہ ایک مرد کا اسوہ مردوں کے لئے تو اُسوۂ کامل ہے اس لیے کہ جو عوامل، میلانات اور سوچ ایک مرد کی ہو سکتی ہیں اس کے لئے ایک مرد نمونہ ہو سکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ بحثییت انسان رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ تمام انسانوں پر مجموعی طور پر حجت ہو گیا لیکن ایک درجہ نیچے آئیں تو مردوں کے لئے تو سو فیصد اتمامِ حجت ہو گیا اور آج تک وہ ہے لیکن ایک مرد ایک خاتون کے لئے سو فیصد اُسوہ نہیں ہو سکتا اس ہدایت میں جو رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ سابقہ انبیاء کا معاملہ یہ تھا کہ ان کا دور اسی وقت تک ہوتا تھا جب تک وہ نبی موجود ہوتے وہ نبی اپنی اہلیہ یا قریبی رشتہ دار خواتین کو جو تعلیمات دیتے تھوڑے عرصے کے لئے وہ چلنے والی تعلیمات تھیں وہ روایات کے طور پر چلتی رہتی تھیں۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تا قیامِ قیامت ہے اس میں مختلف قبائل مختلف قومیں مختلف علاقوں کے لوگ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ شامل ہونے والے ہیں جس کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے (وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ) لہٰذا کسی ایک عورت کے لیے اگر اس کو سمجھا بھی دیا جاتا تو بھی اسوۂ کامل ہونے والا نہیں تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے جو متعدد ازواج (POLYGAMY) عطا کیں ہیں اس کی حکمت بھی اسی کے ساتھ منسلک ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں مختلف قبائل اور مختلف مزاج کی خواتین دیں گئیں، آپ نے ان کی تربیت کی ان کے نسوانی مسائل ان کو سمجھائے، اور صاف ظاہر ہے کہ ایک عورت محمد رسول اللہ ﷺ سے جو مسائل بحثییت شوہر اور بیوی کے سمجھے گی وہ کوئی اور کسی بھی حیثیت سے کسی خاتون کو تعلیم نہیں دے سکتا بھائی اپنی بہن کو، بیٹا اپنی ماں کو اس طرح تعلیم نہیں دے سکتا اور کوئی خاتون اپنے کسی استاد سے اس درجہ میں مسائل نہیں پوچھ سکتی محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسے بالکل پوشیدہ مسائل جن میں ہدایت درکار تھی۔ اگر تو کامل ہدایت لینی ہے پھر تو ان مسائل میں بھی رہنمائی درکار ہے اگر اسلام میں بھی یہ طے کر دیا جاتا کہ یہ موٹی موٹی باتیں تو بس ٹھیک ہیں باقی نجی معاملات میں جو چلتا رہے کوئی پرواہ نہیں ہے بس نماز پڑھتے اور تسبیحات کرتے رہو اور جہاد کرتے رہو اتنا کافی ہے باقی کوئی

Marfat.com

فرق نہیں پڑتا یا جیسے آج کی مغربی سوسائٹی ہے اسی طرح کا پرانا معاشرہ تھا کہ جہاں ہر طرح کی SEXUAL CORRUPTION تھی اس صورت میں تو بات الگ تھی جو چاہے کرتے رہو لیکن اگر یہ طے کر دیا جائے کہ زندگی کے باریک ترین گوشوں اور REMOTE گوشوں میں بھی اللہ کی ہدایت ماننی ہے۔اس لیے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے اللہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے کوئی شخص اکیلا نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ دوسرا اللہ ہوتا ہے دو آدمی نہیں ہوتے کہ تیسرا اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ ''آدمی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے تنہائی میں بھی اور لوگوں کے سامنے بھی'' لوگوں کے سامنے تقویٰ اختیار کرنا آسان ہے لیکن تنہائی میں اللہ کے احکام کی پیروی اور اللہ کی کسی نافرمانی سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔

حضرت محمد ﷺ مسلمان مرد و خواتین کے لئے کامل نمونہ تھے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہر کام کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے تاہم خالص نسوانی معاملات میں آپ سے اس کی توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی آپ نے نہ برقع پہن کر دکھایا نہ دوپٹہ اوڑھ کر دکھایا بلکہ اسلام کی وہ تعلیمات جو خواتین سے متعلق ہیں ان کی تعلیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ خواتین محمد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں دیں جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بنیں ان کو رسول اللہ نے تعلیم دی ہے۔اب ہم ان آیات کا ترجمہ کرتے ہیں۔محمد رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمات اپنی خواتین کو دیں اس کا اللہ تعالیٰ نے دو طریقے پر تحفظ فرمایا ہے؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کسی ایک وقت کسی کی شاگردی اختیار کر کے کچھ باتیں سیکھ لی جائیں لیکن آپ سب کو تجربہ ہے کہ آدمی جب باہر نکلتا ہے دوستوں میں گھر بار میں مشغول ہو کر چند دن بعد بھول جاتا ہے اس سے وہ حق تو ادا نہیں ہوا لوگوں کے سامنے تو بات نہیں پہنچی۔لہٰذا اللہ نے دو طریقے پر اس کا تحفظ کیا ہے۔کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جو تعلیمات اتمامِ حجت کے لئے خواتین تک پہنچی ہیں کہیں ان میں گڑبڑ نہ ہو جائے اس میں کہیں غلط نظریات کی آمیزش نہ ہو جائے۔تحفظ کی ایک شکل یہ ہے کہ جو خواتین محمد رسول اللہ ﷺ کے زیر عقد آئیں اللہ نے ان کی ہر طریقے پر ذہنی اور فکری تربیت فرمائی ہے اس میں جو بھی کوئی آلائش کسی ممکنہ درجے میں تھی کہ انسان ہیں ہو سکتی ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ، اس لیے کہ ہمارا تصور یہ ہے کہ ''عصمت'' انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے تو ثابت ہے کوئی غیر نبی اس معنی میں گناہوں سے سو فیصد مبرا

Marfat.com

نہیں ہوسکتا ہے اور جیسے پہلے عرض کیا کہ انبیاء کی عصمت اور معصومیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ بحیثیت انسان تو ان کے اندر بھی خطا کا امکان موجود رہتا تھا لیکن چونکہ ان کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ بنی ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان محترم خواتین کے لئے بھی اہتمام فرمایا کہ جو نور ہدایت اور تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیں ہیں ان میں کسی اور قسم کے نظریات اور ذاتی سوچ وفکر اور ذاتی میلانات کا دخل نہ ہو جائے یہ بات ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تدریجاً سامنے رکھی ہے۔ ترجمہ کرنے سے پہلے ایک اور پہلو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی اللہ کے نبی اور رسول آئے۔ عام انسان میں اور ایک نبی میں یہ فرق ہے کہ نبی پر وحی آتی تھی اور عام انسان اس سے محروم ہے بلکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت جن لوگوں پر اترتی رہی ہے ان سے وہ حاصل کرے ان کا اتباع کرے۔ لیکن ایک عام انسان اللہ کے ہاں اتنا جواب دہ نہیں ہے وہ تو بہانہ بھی کر سکتا ہے کہ اللہ مجھے تو ساری زندگی کسی نے بتایا ہی نہیں۔ اللہ کے آگے اگر کوئی شخص ایسا کہہ دے کہ اے اللہ میں تو ساری زندگی متلاشی رہا کہ کوئی مجھے ہدایت دے سیدھا راستہ بتائے مجھے تو کوئی آدمی میسر ہی نہیں آسکا اگر وہ واقعتاً سچے دل سے کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک معقول عذر ہوسکتا ہے لیکن جس تک ہدایت پہنچ گئی وہ یہ نہیں کہہ سکتا اسی طریقے پر جن کو اللہ نے نبی بنایا رسول بنایا ان کی زندگی میں ان تعلیمات کے خلاف کوئی بات آجائے اللہ تعالیٰ ان سے تو بہت ناراض ہوگا کہ تمہیں تو براہ راست میری طرف سے وحی آرہی تھی میری طرف سے مبشرات آرہے تھے ہدایت آرہی تھی تمہیں ہر طریقے پر اللہ کی طرف سے انگلی پکڑ کر چلایا جارہا تھا اس کے باوجود کوئی کوتاہی ہوگئی۔

سورۃ بنی اسرائیل مکی سورۃ ہے اور مکی دور کے آواخر میں نازل ہوئی جس وقت مختلف طریقے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دباؤ ڈالا جارہا تھا مختلف سفارتیں آرہی تھیں کہ آپ یہ تبلیغ اور ہمارے نظریات اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں حتیٰ کہ سورۃ یونس میں آیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قرآن میں کوئی تبدیلی کردیں' اس کے جواب میں محمد رسول اللہ ایک پہاڑ کے مانند ڈٹے ہوئے تھے لیکن پھر بھی بہرحال اللہ نے اہل ایمان کو سمجھانے کے لئے یہ آیت بھی اتاری' بظاہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی امکان نہیں تھا لیکن بفرض محال اگر ایسا ہو جائے تو اس کا کیا

Marfat.com

نتیجہ نکلے گا گویا یہ سمجھانے کے لئے یہ آیت بھی اتاری یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کہ قرآن مجید میں سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے کئی نبیوں کا ذکر فرمایا ہے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو اللہ کے برگزیدہ، ہدایت یافتہ اور معصوم بندے ہوتے ہیں لیکن آخر میں فرمایا: اگر ان میں سے بھی کسی سے شرک ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ان کے سارے اعمال حبط کر دیتا۔ انبیاء سے کوئی امکان نہیں ہے لیکن بات سمجھانے اور منطقی انتہاء تک پہنچانے کے لئے ہے کہ ان برگزیدہ بندوں سے بھی اگر یہ غلطی ہو جائے تو یہ غلطی ایسی ناقابل معافی ہے کہ اللہ معاف نہیں فرمائے گا۔ اسی طریقے پر یہاں بھی بفرض محال کے درجے میں بات ہے وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا اے نبی آپ کے دل میں شاید کبھی میلان پیدا ہو جائے' یا کم از کم آدمی کبھی یہ سوچنے پر ہی آمادہ ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مفاہمت کر لی جائے تو شاید اس میں کوئی بہتری کے آثار پیدا ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا: اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ اے نبی بفرض محال اگر آپ ان مشرکین یا ان کافروں کے ساتھ ذرّہ برابر بھی آمادۂ مصالحت ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کی زندگی میں بھی دوہرا مزا چکھاتا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا اور پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار فریاد کو پہنچنے والا نہ پاتے۔ مطلب یہ ہے کہ بفرض محال کے درجے میں اگر ایسا کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سرزد ہو جائے تو پھر معافی نہیں ہے اللہ کے ہاں۔ ———— ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے''۔ اللہ کی طرف سے وحی آ رہی ہو ہدایت آ رہی ہو مبشرات آ رہے ہوں تو پھر ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے کہ آدمی اس کا حق ادا کرے اس کے لئے اپنا جان و مال کھپائے۔ جیسے ایک آدمی دین کے بارے میں معلومات نہیں رکھتا اللہ کے ہاں اس کی جواب دہی بھی اسی طریقے پر ہے ایک آدمی تھوڑی سی معلومات رکھتا ہے اس کی جواب دہی اس سے بڑھ کر ہے ایک آدمی بہت زیادہ معلومات رکھتا ہے ایک آدمی وہ ہے جو تمامی درجہ میں دین کی معلومات رکھتا ہے اور سارے معاملے کو سمجھتا ہے پھر بھی یہ بدعملی، دین کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہو تو اللہ کے ہاں سخت ناراضگی ہے۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اللہ کو سخت غصہ دلانے والی بات ہے کہ آدمی کوئی بات زبان سے کہے علمیت کا تو اظہار کرے پھر اس پر عمل کر کے نہ دکھائے۔

Marfat.com

محمد رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے خطاب کا یہی انداز ہے ان آیات میں کہ یہ ازواجِ مطہرات یہ اُمہاتِ المؤمنین جو محمد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں ہیں ان کی ذمہ داریاں بھی عام خواتین جیسی نہیں ہیں کہیں بڑھ کر ہیں کہیں بڑھ کر ہیں کہیں بڑھ کر ہیں؛ اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں ہیں تو اللہ نے ان کی تربیت کی ہے ان کو ایک موقع میسر آیا ہے جس کے نتیجے میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہوگئیں ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی غلطی ہوئی تو یہ نہ سمجھیں کہ جیسے کسی اور خاتون سے فروگزاشت ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا' ان کا جرم ایسا بڑا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام خواتین سے زیادہ سزا دے گا یہ مفہوم ہے ان آیات کا۔ اگرچہ جس CONTEXT میں یہ آیات آرہی ہیں اس کے لحاظ سے تشریح کے اور پہلو بھی ہیں لیکن میں اس تشریح میں نہیں جارہا جو گفتگو میں نے کی ہے اسی کے حوالے سے ان کا ترجمہ کررہا ہوں۔

ان آیات کا تاریخی اعتبار سے پس منظر یہ ہے کہ جس سن میں غزوہ احزاب ہوا اسی کے قریب یہ آیات اتریں ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب فتوحات ہونے لگی تھیں جیسے کہ اور بنو قریظہ کے باغات وغیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آئے خیبر کا علاقہ فتح ہو گیا بہت سارا مال غنیمت مسلمانوں کے پاس آ گیا اور عام مسلمانوں کی مالی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینے آئے تھے اس وقت پہلے دو تین سال انتہائی کسمپرسی کا حال تھا چند ایک لوگ آسودہ حال تھے جو دوسروں کی مدد بھی کرتے تھے۔ لیکن عمومی اعتبار سے مسلمانوں پر کسمپرسی کا زمانہ تھا جب یہ خیبر کا علاقہ اور دوسرے علاقے فتح ہو گئے تو مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت آیا تو عام مسلمانوں کی حالت بھی بہتر ہوگئی ازواجِ مطہرات نے بھی رسول اللہ ﷺ سے گھر کا نان نفقہ بڑھانے کے لئے مطالبہ سا کر دیا گھر کا خرچہ جو بھی تھا ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سال بھر کا خرچہ اپنے گھر کے لئے نکال دیتے تھے۔ اس کا مطالبہ کیا اس پر یہ آیات اتریں جو "آیاتِ تخییر" کہلاتی ہیں کہ ان خواتین کو ایک CHOICE دیا جارہا ہے اگرچہ ہمارے دین اسلام میں عائلی زندگی کا قانون یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہوتا ہے عورت کو تو صرف عدالت کے ذریعے خلع کا اختیار ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ مطالبہ اپنی خواتین کی طرف سے اچھا نہ لگا لہٰذا ان کے لئے ان آیات میں ہدایت کی گئی ہے کہ "اے نبی آپ اپنی خواتین کو ایک CHOICE دے دیجیے کہ اگر تو

Marfat.com

تمہیں دنیا پسند ہے اچھا STATUS پسند ہے اچھا کھانا اچھا پینا اور DINING TABLE پر صبح، دوپہر، شام ایک سے زیادہ کھانے ہوں اور اچھا لباس ہو اور دنیاوی سہولتیں ہوں اگر یہ پسند ہے تو پھر نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتیں۔ فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا تو پھر آؤ میں تمہیں رخصت کر دیتا ہوں۔ البتہ اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پسند ہے تو اس کے کچھ تقاضے ہیں جو تمہیں ادا کرنے چاہیے۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ کے عقد میں چار خواتین تھیں چاروں نے اس اختیار سے جو ان آیات میں دیا گیا تھا اپنی آزاد مرضی سے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں رہیں گی ہمیں دنیا نہیں چاہیے ہمیں آخرت چاہیے۔ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ یہ ہے ان آیات کا تاریخی پس منظر۔ اس میں سارا نقشہ ہے اس اعتبار سے کہ ختم نبوت کا وہ پہلو جس سے عورتوں پر بھی اتمامِ حجت ہو جائے اور جو ذمہ داری اللہ نے خواتین پر لگائی ہے اس کا بیان ہے۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ''اے نبی آپ اپنی ازواج کو فرما دیجیے'' ازواج جمع کا صیغہ ہے۔ مراد ہے کہ تین سے زیادہ خواتین تھیں تاریخی اعتبار سے اس وقت چار خواتین آپ کے زیرِ عقد تھیں۔ آپ اپنی ازواج کو یہ اختیار دے دیجیے إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا اگر تمہیں دنیا پسند ہے دنیاوی زیب وزینت اور STATUS پسند ہے اور اس زندگی کا اعلیٰ معیار پسند ہے فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ تو آؤ مجھے بتا دو اس کو اختیار کر لو میں تمہیں کچھ دے دوں گا وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا لیکن پھر تمہیں گھر سے رخصت کر دوں گا تمہیں دنیا کی زندگی چاہیے تو جاؤ کہیں اور گھر بسا لو۔ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ اور اگر تم یہ اختیار کر لو کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا چاہیے اور آخرت چاہیے کہ جو کچھ بھی میسر ہو گا ٹھیک ہے اگر محمد ﷺ اچھا کھائیں گے تو ہم بھی اچھا کھا لیں گے اگر ان کو تنگی تکلیف فاقہ آ جائے گا تو ہم بھی فاقہ بسر کر لیں گے گزارا کر لیں گے اگر یہ طرزِ زندگی تمہیں پسند ہے اور آخرت کی زندگی پسند ہے فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ تو اس صورت میں دنیا تو جو گزرنی ہے وہ گزر ہی جائے گی لیکن تم میں سے جو بھی یہ فیصلہ کر لیں کہ ہمیں آخرت چاہیے محمد ﷺ کا گھر چاہیے ان کی ہم نشینی چاہیے تو فرمایا ایسی محسنات کے لیے، ایسی احسان کی روش اختیار کرنے

Marfat.com

والیوں کے لئے، ایسی بہتر زندگی اپنے لئے CHOICE کرنے والیوں کے لئے اللہ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

آگے فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اگلی آیت میں وہی انداز ہے جو ابھی میں آپ کو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت پڑھ کر سنا چکا ہوں کہ اے محمد رسول اللہ بالفرض اگر آپ مداہنت کے متعلق سوچنے پر بھی آمادہ ہو جائیں تو اللہ کی طرف سے جو آپ کا مقام ہے اس کے اعتبار سے یہ بہت بڑی کوتاہی شمار ہوگی تو اللہ تعالیٰ آپ سے سخت ناراض ہوگا معاذ اللہ۔ امکان نہیں تھا لیکن سمجھانے کے لئے ہے یہاں بھی فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی کی بیویو! مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ جو کوئی تم میں سے کسی صریح بے حیائی کے کام میں ملوث ہو جائے گی۔ امکان نہیں ہے اور نہ ہوا اس لیے کہ سورۃ النور میں اللہ کی طرف سے بات واضح ہو چکی ہے الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ کہ یہ جو رشتہ نکاح وجود میں آتا ہے اور اس میں جو پسند ناپسند اور جو پیغام بھیجے جاتے ہیں اس کے نتیجے میں جو کوئی بات طے ہوتی ہے اس کا ایک معنوی اور اخلاقی اصول ہے وہ اللہ نے بیان فرما دیا کہ ایک پاک سیرت مرد ایک پاک سیرت خاتون کو ہی پسند کر سکتا ہے اور ایک پاک سیرت خاتون ایک پاک سیرت مرد کو ہی پسند کر سکتی ہے اور ایک بے حیا عورت کسی نمازی پرہیز گار اور شریف مرد کو پسند نہیں کر سکتی اور ایک بے حیا اور بدکردار مرد کسی نیک شریف خاتون کو پسند نہیں کر سکتا۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ یہ اصول سورۂ نور میں ہے۔

یہاں فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم میں سے کسی سے کوئی SPONTANEOUS غلطی ہوگئی جذبات میں کوئی غلطی ہوگئی اسی کا امکان ہے بالفرض اگر کسی بے حیائی کے کام میں ملوث ہوگئی يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اللہ تعالیٰ اس کی سزا کو دوہرا کر دے گا۔ یہ ایک عام مسلمان خاتون کی غلطی کی طرح نہیں ہوگی تم نبی کی بیویاں ہو تم نمونہ ہو دوسری خواتین کے لیے۔ وہی بات جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے کہی گئی وہی مقام ہے اس معنی میں یہاں آپ کے گھر کی خواتین کا يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے عذاب کو سزا کو دوگنا کر دے گا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے مشکل نہیں ہے اللہ کر سکتا ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور (اے نبی کی بیویو) تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرے گی، ان کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور اچھے کام کرے گی۔ یہ بات وہی ہے کہ صرف زبان سے کسی بات کا اقرار کر لینا اور عمل سے اس کی خلاف ورزی کرتے رہنا نام کا کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو جانا عمل کے اعتبار سے پیچھے رہنا نام کے اعتبار سے کسی تنظیم میں کسی جماعت میں شامل ہو جانا تقاضے اس کے ادا نہ کرنا یہ ایک ہی بیماری ہے جو مختلف شکلوں میں مختلف ادوار میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں بھی اللہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ نبی کے گھر میں ہونا اور زبان سے کہہ بھی دینا کہ ہاں ٹھیک ہے ہمیں اللہ اور اس کے رسول پسند ہیں یہ تمہیں آخرت میں نجات نہیں دلا سکتا۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اچھے کام کرنے پڑیں گے کردار میں تبدیلی لانی پڑے گی اس کا حق ادا کرنا پڑے گا۔ انسان سے غلطی کا امکان باقی رہے گا لیکن ایک EFFORT جو انسان کی طرف سے ہونی چاہیے کوشش ہونی چاہیے جو اس کے لیے محنت درکار ہے اگر اس کا فقدان ہے وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تو پھر اللہ کے ہاں نبی کی بیوی ہونے کی وجہ سے کوئی CREDIT نہیں مل سکتا۔ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اے نبی کی بیویو جو کوئی تم میں سے اطاعت اختیار کرے گی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور اچھے کام کرے گی۔ نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ تو تمہیں اجر بھی دگنا دیں گے۔ یہ تو مقام کی بات ہے نافرمانی کرو گی تو سزا بھی سخت ہے اور اگر اچھے کام کرو گی اس مشکل کو نبھاؤ گی تو اجر بھی زیادہ۔ یہ کام بہت مشکل ہے صاف ظاہر ہے آگے آ رہا ہے ازواج مطہرات کے لیے کہ تم عام خواتین کی طرح نہیں ہو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد تم نکاح ثانی نہیں کر سکتیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی ہے تو ایک اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت کم عمر تھی زیادہ سے زیادہ یہ کہ 28، 27 سال کی ہوں گی لیکن ان کی جو وفات ہوئی ہے وہ جا کر ہوئی ہے سن 58 ہجری میں۔ 11 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہے 58 ہجری میں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوت ہو رہی ہیں۔ کوئی اور خاتون ہو تو نکاح ثانی کر سکتی ہے ہمارے معاشرے میں تو عجیب لگتا ہے عرب کے معاشرے میں تو کوئی عجیب نہیں تھا وہاں تو کوئی عورت بیوہ ہوئی ہے تو عدت کی مدت گزاری اس کے بعد نیا نکاح کر لیا۔ تو اللہ نے تعالیٰ ان خواتین پر اگر ایک طرف یہ

Marfat.com

بوجھ ڈالا ہے تو دوسری طرف اجر بھی زیادہ کردیا کہ یہ پابندیاں برداشت کرلو تو اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔ نُؤۡتِهَآ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ تو اے نبی کی بیویو ہم تمہیں اجر بھی دوہرا دیں گے صاف ظاہر ہے کہ جتنی کسی کی محنت ہو جتنی کسی کی EFFORT ہو جتنی PAINS کسی نے کسی کام میں لی ہوں گی اتنا ہی اللہ کے ہاں اس کا اجر ہے۔ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا اور اللہ نے فرمایا: تیار کر رکھیں ہیں ہم نے اس خاتون کے لئے جو ان باتوں پر پوری اتر جائے گی' ایک عزت کی روزی بہت ہی اچھا بہت ہی اعلیٰ مقام، آخرت میں بہت ہی اعلیٰ درجہ تیار کر رکھا ہے۔

اگرچہ بات واضح ہو چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوب سے اس کو دہرایا ہے کہ اگر اب بھی بات میں کوئی کنجلک رہ گئی ہے تو جسے کہتے ہیں بالکل سیدھی بات بغیر لگی لپٹی رکھے کے' یہ ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح کی عورتیں نہیں ہو' اب رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آ کر اور پھر اس آیت تخییر کے حوالے سے اس بات کو اپنی CHOICE اور آزاد مرضی سے حاصل کر کے کہ ہم محمد ﷺ کے گھر میں ہی رہنا چاہتی ہیں' اب تم عام عورتوں کی طرح نہیں رہی۔ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ اگر تم تقویٰ اختیار کرو اگر تم ڈرو اگر تمہیں اس بات کا احساس ہو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو' تمہیں اپنے مقام کو پہچاننا چاہیے اپنی اس اعلیٰ حیثیت کو پہچاننا چاہیے تمہیں دیکھنا چاہیے کہ رہتی دنیا تک تا قیامت تمہارا ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرما دیا ہے محمد ﷺ کے گھر میں ہونا محمد ﷺ کی بیوی ہونا اتنا اعلیٰ مقام ہے کہ رہتی دنیا تک کے لیے تم نمونہ بن گئی ہو تم ان کے لیے اسوہ بن گئی ہو۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے: ''مادراں را اسوہ کامل بتول'' یہ جو محمد ﷺ کی بیویاں ہیں اور ان کی جو اولاد ہے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی نمونہ پکڑا جائے گا تو کہاں سے پکڑا جائے گا کسی بچی کے لیے نمونہ ہوگا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نمونہ ہوگا اور کسی شادی شدہ خاتون کے لیے نمونہ پکڑا جائے گا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں وہاں سے نمونہ پکڑا جائے گا۔ تو فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کے طریقے پر عورتیں نہیں ہو۔ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ اگر تم احساس فرض کرو اللہ سے ڈرو خدا خوفی اختیار کرو۔

اب آگے چار باتیں فرمائی جارہی ہیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ خواتین یہ امہات المومنین

Marfat.com

نمونہ بنائی جا رہی ہیں، اور کہیں کوئی نمونہ صرف MODEL کے لئے تو نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو اس کی اتباع بھی کرنی چاہیے آج بعد کی خواتین میں سے جو کوئی مسلم خاتون ہے اس کے لئے جو نمونہ ہو سکتا ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی ان ازواج مطہرات کا طرز زندگی ہے کہیں اور سے نمونہ نہیں ہو سکتا۔ یہ عصمت یا حفاظت جو ہے اپنی عفت کی حفاظت خیالات کی حفاظت نظریات کی حفاظت اپنی شرم گاہوں کی حفاظت یہ صرف عاصمہ نام رکھ لینے سے آدمی نہیں بچ سکتا جب تک جذبہ نہ ہو اس کے پیچھے اس کی سوچ نہ ہو آدمی کے اندر خوف خدا نہ ہو تقویٰ نہ ہو وہ چاہے مرد ہو چاہے عورت ہو۔ تو اللہ نے فرمایا کہ: اے نبی کی بیویو! اگر تم اپنے مقام اور مرتبے کا احساس کرو تو چار باتیں ہیں جو آگے فرمائی جا رہی ہیں۔ اور یہ آج کی خواتین کے لیے بھی سو فیصد بلکہ جسے محاورے میں کہتے ہیں۔ HUNDRED AND ONE PERCENT آج بھی اسی طریقے پر لاگو ہیں۔ وہ کیا بات ہے اگر کسی مرد سے بات کرنی پڑے، ممکن ہے کہ کسی عورت کو کبھی کسی مرد کے ساتھ بات کرنا پڑ جائے مہمان ہو سکتا ہے کوئی دروازے پر آ سکتا ہے بازار جانا پڑ سکتا ہے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑ سکتا ہے اور تمام احتیاطوں اور ہر شر سے بچنے کے باوجود کہیں نہ کہیں گفتگو کرنی پڑ ہی جائے گی تو فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لجاجت کے انداز میں، دب کر گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ بہت بڑی بات ہے آج کے دور میں واقعہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ پر طاری کر کے دیکھے سوچ کر دیکھے۔ بہر حال پہلی بات یہی ہے کہ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ اے نبی کی بیویو! دراصل تمام مسلمان خواتین کو خطاب ہے کہ تمہیں کسی مرد کے ساتھ بات کرنی ہو تو لجاجت کے انداز میں، محبت کے انداز میں دبے ہوئے انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے۔ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ ایسا نہ ہو کہ وہ مرد جس سے خاتون بات کر رہی ہے ممکن ہے کہ اس عورت کے دل میں جو بات کر رہی ہے مثلاً نبی کی بیویوں سے خطاب ہے ان کے دل میں کسی غلط بات کا کوئی اندیشہ ممکن نہیں ہے اگر بعد کی کوئی عورت بات کر رہی ہے فرض کر لیں کہ اس کے دل میں کوئی اندیشہ نہیں ہے لیکن جس مرد سے بات ہو رہی ہے اس کی تو کوئی گارنٹی نہیں ہے تو ایسا نہ ہو کہ تم دب کر بات کرو فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ پھر لالچ کرے وہ شخص جس کے دل میں کوئی بیماری ہے جسے خدا خوفی نہیں ہے اس کے دل میں ایسے خیالات آ جائیں ایسی طرف اس کا میلان ہو جائے۔ اور اس کا امکان موجود ہے ایک درجے

Marfat.com

میں تو ایسا خیال ہر آدمی کو آ سکتا ہے لیکن بہر حال خاص حد تک TOLER ABLE ہے چلو CON DON ABLE ہے کہ کوئی بات نہیں ہے یہ خاص حد سے آگے بڑھ جائے تو کوئی شر بھی پیدا ہو سکتا ہے اگر دب کر بات نہ کی جائے تو اس شر کے پیدا ہونے کا امکان کم سے کم رہے گا اگر دب کر بات کی جائے تو جس کے دل میں خیال نہ بھی ہو تو پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا پہلا حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی کی بیویو! اگر کسی مرد سے بات کرنی ہو تو لجاجت کے انداز میں بات نہیں کرنی کہیں کسی کے دل میں کوئی چور ہے کوئی شر ہے کوئی جنسی میلان ہے ایسا نہ ہو کہ وہ بھڑک اٹھے اور بات آگے بڑھ جائے۔

وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوْفًا ٥ اور اے نبی کی بیویو! تم معروف طریقے پر بات کیا کرو جو صحیح بات ہو وہ کرنی چاہیے۔ یہ بات دراصل وہی ہے جو میں نے کہی ہے قرآن مجید میں کئی مقامات پر محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اُمت کو خطاب کیا گیا ہے اور اس میں بعض جگہ پر سخت انداز بھی ہے لیکن مقصود اُمت کو سمجھانا ہے۔ نبی کی بیویوں سے اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو امت کی مسلمان خواتین ہیں ان کے لئے نمونہ بنانا مقصود ہے ان کو احکام دیے جا رہے ہیں۔ فرمایا: کسی سے دب کر بات نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اس کے دل میں کوئی شر ہو تو اس کو کہیں پنپنے کا موقع مل جائے اور تم بات کرو بھلے طریقے پر معروف طریقے پر۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تیسرا حکم یہ ہے کہ اے نبی کی بیویو! تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ مسلمان خاتون کا اصل مقام اس گھر ہے۔ ایمرجنسی ہو سکتی ہے ایمرجنسی مختلف درجوں میں ہو سکتی ہے جو خاتون بالکل خاتون خانہ ہے گھر سے باہر کوئی کام JOB وغیرہ نہیں کرتی اسے بھی کبھی اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں ڈاکٹر کے پاس یا اور کہیں جانا پڑ سکتا ہے کسی سے گفتگو کرنی پڑ سکتی ہے تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ وہ اسے صرف ایمرجنسی سمجھے کہ میں صرف خاص حالت کی وجہ سے اس حکم سے تجاوز کر کے ہی جا رہی ہوں۔ اصل مقام جو خاتون کا ہے وہ اس کا گھر ہے۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ فارغ وقت بھی ہو تو کسی معقول وجہ کے بغیر سیر سپاٹا کا شوق، SHOPPING یا اور کسی وجہ سے یا بلا وجہ ہی جا رہی ہے تو یہ کسی باعمل باکردار مسلمان خاتون کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اور اے نبی کی بیویو! اور ان کو مخاطب کر کے عام مسلمان خواتین کو خطاب ہے کہ دکھلاتی نہ پھرو اپنی زیب و زینت جیسا کہ اسلام سے پہلے دکھلاتی پھرتی تھیں۔ یا ایسے بھی ترجمہ ہوسکتا ہے کہ جو خواتین اسلام نہیں لائیں جیسے وہ دکھاتی پھرتی ہیں۔ FASHION کپڑوں کا انداز، زیوارت کا انداز، چلنے کا انداز اور باتوں میں فرمایا گیا کہ جو جاہلیت کے طریقے ہیں جاہلیت کے دستور ہیں اے نبی کی بیویو! تمہیں زیب نہیں دیتا کہ اس طریقے پر بن سنور کر باہر نکلو۔ بروج کہتے ہیں نمایاں جگہ کو اب بظاہر کوئی خاتون ایسی ہوسکتی ہے کہ اس نے برقع پہنا ہوا ہے لیکن وہ ایسے عجیب ڈیزائن کا یا ایسے GLAMOUR والے کپڑے کا پہنا ہوا ہے کہ بازار میں نظر اسی کی طرف جارہی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اس برقع کے پہننے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کہ نمایاں تو ہوگئی جو ہونی نہیں چاہیے تھی۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اور اے نبی کی بیویو! تم اپنے آپ کو ظاہر نہ کرو نمایاں نہ کرو دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ جاہلیت کہ دور میں یہی خواتین جو اسلام سے پہلے تھیں وہ دکھلاتی پھرتی تھیں یا جاہلیت کے خواتین جو اسلام سے باہر ہیں وہ اب بھی دکھلاتی پھرتی ہیں۔

پہلے چار احکام تو تھے منفی' کہ یہ نہ کرو یہ نہ کرو۔ اب آگے مثبت احکام ہیں کہ تمہیں یہ یہ کرنا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات سے ان احکام کی خلاف ورزی کا امکان نہیں تھا آج کی خواتین کو مخاطب کر کے یہ بات کہی جارہی ہے۔ وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ اور اے مسلمان خواتین (بظاہر خطاب ہے یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ اے نبی کی بیویو!) ''نماز قائم کرو'' ایک نماز کا پڑھنا ہے اور ایک نماز کا قائم کرنا ہے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے نماز کا پڑھنا اور ہے جیسے آدمی کو جب نماز کے لیے وقت لگا اور فارغ ہوا تو رکوع سجدہ کیا بس سمجھو یہ کہ نماز ادا ہوگئی باقی اس نماز کا پہلے کوئی اثر تھا نہ بعد میں کوئی اثر ہوا یہ نماز قائم کرنا نہیں ہے۔ نماز کا قائم کرنا تو یہ ہے کہ آدمی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں دیدے اسی میں وقت نکال کر اپنی یاددہانی کے لئے اپنی BATTERY CHARGE کرنے کے لئے اپنے جذبے کو بیدار کرنے کے لئے اپنے احساسات کو بیدار کرنے کے لئے نماز میں آئے اور محسوس کرے کہ واقعتاً اگر کوئی غفلت طاری ہوگئی تھی اب دوبارہ میرا شعور بیدار ہوگیا ہے پھر آدمی کام پر نکل جائے۔ اگر یہ احساس ہوگا تو یہ نماز

Marfat.com

کو قائم کرنا ہے۔ وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کرو وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ اور زکوۃ ادا کرتی رہو۔ وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ اور اے نبی کی بیویو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتی رہو۔ پھر وہی ضمنی طور پر مضمون ہے جو پہلے آ چکا ہے کہ نبی کے گھر میں ہونا تمہیں کوئی CREDIT نہیں دلا سکتا آج کی مسلمان خاتون کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ نام کا مسلمان ہو جانا یا مسلمان شوہر کے گھر میں ہونا کسی خاتون یا کسی مرد کا مسلمان نام رکھ لینا فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک اس کا عمل اور کردار اس کے ساتھ گواہی نہ دے اگلی بات جس کی طرف پہلے بھی میں اشارہ کر چکا ہوں یہ ہے کہ ختم نبوت کا یہ تکمیلی پہلو جو اللہ تعالیٰ نے خواتین کو ازواج مطہرات کے ذریعے ایک اسوہ اور نمونہ عطا فرمایا ہے اس کی پھر اللہ نے حفاظت کی ہے جو تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیں ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے بھی تو ایک اطاعت کرنے والا ذہن چاہیے سر تسلیم خم کرنے والا ذہن چاہیے، بُرے نظریات بُرے خیالات سے صاف ایک ذہن چاہیے۔ اللہ نے فرمایا: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ اہل بیت سے اصلاً مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہی ہیں انہی سے خطاب ہو رہا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ۔ قرآن مجید میں اور مقامات پر بھی اسی طرح ذکر ہے، اصلاً کسی کے اہل بیت اس کی بیویاں کہلاتی ہیں، ہاں اولاد اس کے تابع ہوتی ہے کہ وہ بھی گھر والے ہیں لیکن اصلاً اس سے مراد خواتین ہیں یہاں بہر حال انداز گفتگو یہی ہے کہ اہل بیت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین ہیں ازواج مطہرات ہیں اور ہمارے لئے اُمہات المومنین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ بے شک اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ جو کوئی بھی خرابی سوچ و نظریات میں اسلام کے دور سے پہلے کی کوئی بات لگی ہو اس کو دور کر دے۔ اور ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے، میں اور آپ مسلمان ہیں ہم مسلمان گھر میں پیدا ہوئے ہیں ہم بچپن سے ان خیالات سے واقف ہیں یہ قرآن ہے یہ نماز ہے یہ روزہ ہے یہ دین کی باتیں ہیں اگر کوئی عمل نہیں کرتا تب بھی تصورات ذہن میں کچھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں کہ دین کا یہ تصور ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا زمانہ ایک مشرکانہ دور ہے اس میں جو نظریات ہو سکتے ہیں جو سوچ ہو سکتی

Marfat.com

ہے اس سے اگر کسی درجے میں تقابل کیا جا سکتا ہے تو آج کے دور میں اگر کوئی WESTREN SOCIETY سے نکل کر مسلمان ہو جائے اس کے جو سابقہ خیالات ہیں اور اسلام لانے کے بعد کا جو دور ہو سکتا ہے وہ کسی درجے میں آپس میں COMPATIBLE نہیں ہے سابقہ جو شعور کی زندگی ہے کوئی آدمی چالیس سال کی عمر میں مسلمان ہو جائے یا آج بھی کسی سے مسلمان ہو جائے اس کی سابقہ سوچ، مشاہدات، لوگوں کے ساتھ میل جول کے نتیجے میں جو تأثرات و تجربات ہیں وہ ذہن سے بالکلیہ محو تو نہیں ہو سکتے کبھی کبھی آدمی سوچتا ہے تو ان کے اثرات بھی ذہن میں سوچ کے ساتھ آ جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کے دَور کی کوئی ذہنی اور فکری باتوں میں بھی اگر کوئی ایسا عنصر موجود ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو چاہتا ہے کہ دُور کر دے تا کہ اے نبی کی بیویو! نبی ﷺ نے جو تعلیمات تمہیں دیں ہیں جو قرآن پہنچایا ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت تمہیں عطا فرمائی ہے وہ خالص اور اپنی اصلی حالت میں امت تک پہنچا سکو۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہِ بے شک اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ کہ اے اہل بیت اللہ تعالیٰ تم سے رجس کو دور کر دے' کوئی سوچ کی خیالات کی معلومات کی اور تجربات کی کوئی برائی ہو سکتی ہے جو آدمی کی سوچ پر اثر انداز ہو سکتی ہے وہ تم سے دور کر دے۔ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اور تمہیں پاک صاف کر دے کردار کے اعتبار سے' جیسے پاک صاف کرنے کا حق ہے۔ یہ اس لیے کہ امہات المومنین کو قیامت تک کی خواتین کے لیے نمونہ بننا ہے اگر وہاں کوئی خدانخواستہ غلط بات ہو گئی تو پھر قیامت تک خواتین کے لیے غلط اُسوہ قائم ہو جائے گا۔ لیکن اللہ نے فرمایا: اے نبی کی بیویو! ہم تمہیں بالکل پاک صاف کر دینا چاہتے ہیں۔ عصمت انبیاء وہ نبیوں کا خاصہ ہے لیکن غیر نبی کے لئے جتنا بھی اعلیٰ درجہ ممکن ہے اس کے خیالات کی تطہیر کا، پاکیزگی کا، تصفیۂ قلب کا، تجلیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین درجے میں اللہ نے گارنٹی کیا ہے ان خواتین اُمہات المومنین ازواج النبی کے لیے۔ اگرچہ یہ موضوع نہیں ہے ضمنی بات ہے کہ یہیں سے وہ تصور بنا ہے جس میں اہل بیت کا مفہوم بدل دیا کہ اہل بیت میں ازواجِ مطہرات نہیں ہیں اس لیے کہ ایک خاص گروہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دشمنی ہے حضرت

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں تو ان سے ان کی دشمنی ہے اس لئے ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شمار ہی نہیں کرتے لہٰذا اہل بیت کے تصوّر میں سے نبی کی بیویوں کو نکال دیا گیا اور کچھ ہستیاں ہیں جو اس میں شامل کر دیں وہ بھی ہمارے نزدیک محترم ہیں لیکن اس آیت کا مصداق نہیں ہے اور پھر وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کے نتیجے میں وہ پنجتن پاک کا تصور سامنے لا دیا گیا گویا

خشت اوّل چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

والا معاملہ ہو گیا کہ ایک غلط سوچ کے نتیجے میں پہلے تھوڑی سی غلطی ہوئی اب اس کا منطقی نتیجہ نکالنا پڑا پھر اور پھر اور پھر اور۔ اور ایک بالکل قرآن مجید کے لیے FOREIGN CONCEPT بالکل ایک CONTRARY CONCEPT نکال دیا کہ یہ پنجتن ہیں اور پنجتن پاک صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک فارسی کی اصطلاح ہے قرآن مجید میں تو خیر کیا اس کا ذکر یا اشارہ ملے گا عربی میں کوئی اصطلاح موجود نہیں ہے جو اس کے قریب ہو لیکن وہ اسی آیت سے نکالا گیا ہے ضمنی طور پر اپنے ذہن میں کہیں ASSOCIATE کر لیجیے کہ اسی آیت کو بنیاد بنا کر یہ تصوّر اس دنیا میں نکالا گیا ہے۔

آخری آیت اس سلسلہ کی یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کر کے یہ کہا جا رہا ہے کہ اے نبی کی بیویو! وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ۔ واذکرن کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ یاد کرو جو کچھ اس تمہارے گھر میں اللہ کی تعلیمات، اللہ کی آیات اور حکمت میں سے جو کچھ پڑھا اور سنا جا رہا ہے اور تذکرہ ہو رہا ہے صاف ظاہر ہے اس گھر میں وحی بھی اترتی تھی اس کا تذکرہ بھی ہوتا تھا تو جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے سنایا جا رہا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا رہے ہیں تم تک اور دوسروں تک بھی پہنچ رہا ہے وَاذْكُرْنَ اس کا ذکر کرو اس کو یاد رکھو اور دوسرے یہ کہ اس کو پھیلاؤ' دونوں مفہوم اس میں ہو سکتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے' لطیف ہے ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف موٹی موٹی باتوں کو جانتا ہے باریک باتوں کو جانتا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو جو کچھ

Marfat.com

انسان کے خیالات ہیں سوچ ہے اس سوچ میں بھی ذرا سی کمی آتی ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہے اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو اور جو تم فیصلے کرتے ہو اور جو تمہارے سینوں میں پوشیدہ باتیں کسی کو معلوم نہیں ہوتی ان سے بھی باخبر ہے۔ تو یہ آیات 28 سے لے کر 34 تک اس میں ازواج مطہرات کا ذکر ہے اور ان کو ایک نمونے کے طور پر مسلمان خواتین کے لیے گویا کہ پیش کیا جا رہا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ ختم نبوت کا ایک تکمیلی پہلو ہے۔ اصولاً جب بھی کہا جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ورسول ہیں وہ مسلمانوں کے لئے اسوۂ کامل ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اسی سورۃ میں آیا ہے۔ لیکن اس میں ایک STEP اور نیچے اتریں گے تو ایک مرد کا اسوہ خواتین کے لئے کامل نہیں ہو سکتا خاص طور پر ان مسائل ومعاملات میں جو خواتین کے ساتھ خاص ہیں اس میں اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو SUPPLEMENT کیا ہے۔ تکمیل کرنے کے لئے ازواج مطہرات کی شکل میں خواتین عطا فرمائیں ان کی اللہ نے تطہیر کی ہے ان کی تربیت رسول نے خود بہتر انداز میں کی ہے اور ان کو پھر نمونے کے طور پر مسلمان خواتین کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔

یہ جو تعلیمات رسول نے خواتین کو دیں تھیں اس کا ایک تحفظ تو تطہیر کی شکل میں کیا کہ ان میں کوئی سابقہ تجربات اور دور جاہلیت کی کوئی بات اثر انداز نہ ہو جائے تو تطہیر کر دی اور دوسرا یہ ہے کہ عام خاتون کے لئے اجازت ہے کہ عدت گزر جائے تو نکاح ثانی کر لے لیکن ازواج مطہرات کو چونکہ نمونہ بننا تھا لہٰذا ان پر ایک بہت بڑی پابندی لگا دی گئی۔ عام حالات میں ترغیب دی گئی ہے کہ جو بیوائیں ہوں ان کا نکاح ثانی کر دیا کرو اس لیے کہ بہر حال انسان کے اندر شادی کا ایک جذبہ ہے وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا مرد ہو یا عورت۔ تو بجائے یہ کہ وہ کسی غلط راستے سے تسکین کا طریقہ اختیار کرے اللہ نے اس کے لئے جائز راستہ رکھا ہے۔ لیکن امہات المومنین کو اللہ نے جو اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اس کا ایک منطقی نتیجہ تھا کہ ازواج مطہرات کے لئے فرما دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے یہ تمہاری مائیں ہیں نکاح ثانی نہیں ہو سکتا اس میں حکمت کیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ جو تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

دی ہیں صاف ظاہر ہے ان خواتین نے تعلیم اپنے فرض منصبی کے اعتبار سے خواتین ہی کو دینی ہے مرد تعلیمات رسول ﷺ سے حاصل کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان تعلیمات کو اپنی خالص شکل میں PURE FORM میں رکھنے کے لئے ازواج مطہرات پر نکاح ثانی کی پابندی لگا دی گئی اور جیسے کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ واقعتاً یہ مشکل کام تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سن 58 ہجری میں ہے۔ 11 ھ سے لے کر 47 سال وہ حضور ﷺ کے بعد بھی حیات رہی ہیں انہوں نے بہرحال اس منصب کو نبھایا ہے۔ یہ ختم نبوت کا تکمیلی پہلو جو خواتین کے اعتبار سے ہے اس کو بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی رسول اکرم ﷺ کا اسوہ ہے جو خواتین کی شکل میں خواتین کو اللہ نے عطا فرمادیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد جو خلافت کا دور آیا اس میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات قرآن وحدیث سے جو مسائل کا استنباط کرنا تھا صاف ظاہر ہے کہ وہ دور تو ختم نبوت کے نتیجے میں آنا ہی تھا۔ تو آپ ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے دور کو حجت قرار دے دیا گیا جو بنایا تھا حضور ﷺ کے تربیت یافتہ لوگ تھے جس طرح باتیں انہوں نے محمد ﷺ سے سمجھی تھیں وہ ابھی تازہ تھیں اصول تازہ تھے تعلیمات تازہ تھیں تو انہوں نے قرآن وحدیث کو مدنظر رکھ کر جو مسائل نکالے ہیں استنباط کیا ہے وہ باقی دنیا کے لیے حجت ہے۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

تو یہ ختم نبوت کے دو تکمیلی پہلو ہیں جو آج کی اس نشست میں نے آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے اللہ کرے کہ میں اس میں کامیاب ہوا ہوں۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْآنِ
الْعَظِيْمِ وَ نَفَعَنِیْ وَاِيَّاكُمْ
بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ

Marfat.com

الجنة تحت أقدام الأمهات

جنت (مومنین کی) ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے (الحدیث)

Marfat.com

10

شہادت علی النّاس اور مقامِ شہادت

ختم نبوت کے نتیجے میں اُمّت مسلمہ کی ذمّہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری 'دین کا گواہ' اور نمونہ بن کر زندگی گزارنا ہے۔ یہ ذمہ داری علماء، فضلاء، روحانی پیشوا، حکمران اور عوام سب پر درجہ بدرجہ عائد ہے، یہ ذمّہ داری خود مسلمان بن کر زندگی گزارنے سے زیادہ کٹھن ہے؛ اسی لیے اس ذمّہ داری کی ادائیگی کو کہیں شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنے سے تعبیر کیا گیا تو کہیں مشکلاتِ لا اِلٰہ سے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دنیاوی مصائب اور مشکلات آئیں اس کا اصل سبب بھی یہی تھا اور معاشرتی برائیوں کے خلاف لسانی و عملی طور پر نہی عن المنکر کا فریضہ بھی یہی ہے۔ اسی کا دوسرا نام احیائے اسلام یا احیائے سنّت یا اشاعت السنّۃ بھی ہے۔

شہادت گہ اُلفت میں پیش قدمی، مشکلاتِ لا اِلٰہ کا ادراک، مقامِ رسالت کا عکس جمیل، معاشرتی برائیوں کا خاتمہ، اسلامی قدروں کی نگہبانی اور دم توڑتی سنّتوں کا احیاء وفروغ یعنی مقامِ شہادت

(حکمت بالغہ جون 2007ء)

Marfat.com

Marfat.com

شہید، شہادت اور شہداء کے الفاظ ہمارے دین کی بہت ہی بنیادی اصطلاحات ہیں۔ سب الفاظ کے معانی ''گواہی'' کے ہیں۔ شہید صفت مشبّہ ہے اور ''مستقل گواہی'' اور اپنے وجود سے ''گواہی'' کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں شہید کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے آیا ہے جس کے معنی گواہ کے ہیں۔ گواہی سے موجودگی کا تصوّر ناگزیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے موجودگی سے پھر مدد اور نصرت کا مفہوم نکلتا ہے یعنی جو موجود ہے اور دوسرے کو مدد کی ضرورت ہے اور وہ مدد کرنے پر قادر بھی ہے تو پھر اسے ضرور مدد کرنا چاہیے۔ اس معنی میں بھی شہید اور شہداء کا لفظ کئی مقامات پر آیا ہے۔

اہل کتاب سے متعلق تورات پر عمل درآمد اور اس کی حفاظت کے لیے بنی اسرائیل کے بارے میں "وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ" کے الفاظ وارد ہیں۔ اس معنی میں اُمت مسلمہ پر بھی دین حق کے لیے مستقل مزاجی سے ڈٹے رہنا اور دین کے معاملات کا گواہ رہنا دینی تقاضا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء اور المائدہ میں ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ كُونُوا قَوَّامِينَ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کے الفاظ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اہل ایمان تم اللہ (کے دین) کے لیے گواہ اور مددگار بن کر کھڑے ہو جاؤ اور یہ حمایت ہر حال میں ہو، چاہے کسی اپنے یا پرائے کے خلاف ہی یہ گواہی نہ دینی پڑے۔

گویا ____ انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت رحمہم اللہ کا کردار یہ رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور انبیاء کرام کی طریقے کی حفاظت کے لیے ہر قیمت پر اور ہر حال میں کمر بستہ رہیں۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی آیات (04-135 اور 05-8) میں ''قوّام'' اور ''شہید'' بمعنی کسی بات پر قائم رہنا، گواہ رہنا اور ڈٹ جانا کے معنی میں وارد ہے اور یہ آپس میں بہت قریب المعنی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے " قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ" اور "شُهَدَآءَ لِلّٰهِ" کو دوسری جگہ "قَوَّامِينَ لِلّٰهِ" اور "شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ" کے الفاظ سے بدل دیا۔

Marfat.com

گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لیے اہل ایمان کو ذمہ دار بنایا گیا ہے انہیں خود بھی ان باتوں پر پورا پورا کاربند رہنا چاہیے اور اسی کا علمبردار بن کر اور نگران بن کر سامنے آنا چاہیے کہ احکام خداوندی پر عمل درآمد ہوتا رہے۔

یہ گواہی خود دین پر چل کر دوسروں کے لیے نمونہ بننے کی کوشش کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے ہر اُمتی کو اس جذبے اور فیصلے کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے کہ اسے ہر حال میں دین پر چلنا ہے شادی ہو، خوشی ہو، غمی ہو، کاروبار ہو، دفتر کے معاملات ہوں یا کھیتی باڑی کے، سیاست ہو یا برادری کا معاملہ، دین کو مقدم رکھنا ہے۔ چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض ہو۔ دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کریں گے گھر والے، برادری والے، اہل محلّہ اور دیگر مسلمان احباب مگر کسی کی ناراضی کے ڈر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض نہیں کریں گے جو آدمی اس فیصلے پر زندگی گزار رہا ہے وہ چلتا پھرتا دین کا نمونہ اور گواہ ہے اس کی زندگی اس بات کی طرف خاموش تبلیغ اور دعوت ہوگی کہ اس دور میں بھی دین پر عمل کیا جاسکتا ہے اور زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ اس خاموش مبلّغ کا یہ فیصلہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں سے لڑائی بھڑائی کی ضرورت نہیں مگر اپنی ذات کی حد تک یہ طے ہو کہ کبھی ایسا موقع آجائے کہ ''جان بچانے'' اور ''دین بچانے'' میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو یہ پہلے سے طے ہو کہ دین بچاؤں گا جان نہیں بچاؤں گا۔

ایسا ''جوان مرد'' انسان اور سچا اُمتی چلتا پھرتا شہید اور دین کا گواہ ہے ایسے آدمی کو چاہے جس حال میں موت آئے گھر پر، دفتر میں، سڑک پر، طبعی موت ہو یا بیماری میں، ایسا انسان شہید ہے مرد ہو یا عورت دونوں کو شہادت کا درجہ ملے گا۔ شہادت کے درجے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی شہادت تو یقیناً میدان جنگ میں بالارادہ جا کر دشمنوں کے مقابلے میں جان دے دینا ہے مگر موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے دل میں سچا جذبۂ شہادت ہو اور موت کہیں بھی آجائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے عام شہادت کی موت کا درجہ دے دیں گے۔

ہمارے محبوب حضرت محمد ﷺ نے اس بات کی وضاحت اپنے بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے فرمادی ہے شرط صرف دین پر ہر حال میں خود چلنے کا فیصلہ کر لینا ہے اور دوسروں کے لیے نمونہ بننا اور مثال بننے کا راستہ اختیار کرنا ہے تاکہ دوسروں کو بھی دین

Marfat.com

پر چلنے کا حوصلہ ہو اور آسانی ہو انجام چاہے کسی طرح پر ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے دین کا گواہ شمار کریں گے۔

آیئے لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کے بارے میں چند بیش قیمت فرمودات سنتے ہیں

◐ ایک فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ:

شہید پانچ (قسم کے) ہیں

اَلْمَطْعُوْنُ وَ الْمَبْطُوْنُ

جو طاعون (وباء) کی وجہ سے مر جائے اور جو پیٹ کی تکلیف میں مر جائے

وَ الْغَرِيْقُ وَ صَاحِبُ الْهَدْمِ

اور جو ڈوب جائے اور جو (دیوار، چھت وغیرہ کے نیچے) دب کر مر جائے

وَ الشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے

(متفق علیہ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

یقیناً مقتول فی سبیل اللہ درجے میں سب سے بلند ہے۔

◐ اللہ کے دین پر چلنے کا فیصلہ کر لینا بڑا مبارک فیصلہ ہے اور لامحالہ انسان کو ایک دن مرنا تو ہے چاہے کوئی عام انسان ہو اور چاہے مسلمان ہو کر بھی اس نے دین پر چلنے کا فیصلہ نہ کیا ہو تب بھی ـــــ مگر جو انسان یہ فیصلہ کرلے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ موت کی تکلیف کو قابل برداشت بنا دے گا اور اس کو احساس بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ فرمایا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے، روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔

اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ مَسَّ الْقَتْلِ

شہید قتل کی ضرب کو صرف اتنا سا محسوس کرتا ہے

اِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمُ الْقَرْصَةَ يُقْرَصُهَا

جتنا کہ تم میں سے کوئی قرصہ (مچھر کی مانند ایک جانور) کے کاٹنے کو

Marfat.com

(یا چٹکی لینے کا درد) محسوس کرتا ہے

(نسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ أَلَمَ الْقَتْلِ،

شہید قتل کے درد کو صرف اتنا سا محسوس کرتا ہے

اِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مَسَّ الْقَرْصَةِ

جتنا کہ تم میں کوئی قرصہ کے کاٹنے کو محسوس کرتا ہے

(طبرانی فی الاوسط عن ابی قتادہ)

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل ترین انسان اور کامل واکمل نبی اور رسول تھے۔ ایک دانا اور حکیم انسان کی طرح انسانوں سے معاملات کرنا اور ان سے گفتگو کرنا ان کے اخلاق کریمانہ کا حصہ ہے۔ عربی محاورہ کے مطابق:

كلموا الناس على قدر عقولهم

''لوگوں کے ساتھ ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو''

کے مصداق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مواقع پر حاضرین کے اختلاف کی وجہ سے گفتگو کو مختصر یا لمبا فرما دیتے تھے اسی کا مظہر یہ فرمان مبارک بھی ہے روایت ہے حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی، خیالات عالیہ مقدسہ ہیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے، ارشاد ہے:

الشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ:

شہادت قتل فی سبیل اللہ کے علاوہ سات (قسم کی) ہے

الْمَطْعُونُ شَهِيدٌ وَ الْغَرِقُ شَهِيدٌ

جو طاعون (وبا) میں مرجائے وہ شہید ہے اور جو ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے

وَ صَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيدٌ وَ الْمَبْطُونُ شَهِيدٌ،

جو ذات الجنب (نمونیہ) کی بیماری سے مرجائے وہ شہید ہے

اور جو پیٹ کی تکلیف سے مرجائے وہ شہید ہے

وَصَاحِبُ الْحَرِيقِ شَهِيدٌ وَ الَّذِي يَمُوتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيدٌ،

Marfat.com

جو آگ میں جل کر مرجائے وہ شہید ہے

اور جو شخص (دیوار یا چھت وغیرہ) کے نیچے دب کر مرجائے وہ شہید ہے

وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ

اور جو عورت ازدواجی تعلقات کے نتیجے میں مرجائے وہ شہید ہے

(رواہ ابوداود، نسائی، ابن ماجہ عن جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ)

ایک اور فرمان رسالت میں اس بات کو اور مزید عام فرمادیا کہ ایک امتی دین کا گواہ بن کر زندگی کے تمام پہلوؤں میں دین کا نمونہ بن کر زندگی گزار رہا ہے۔ اس کو جس ممکن طریقے سے آخری وقت نصیب ہو (سوائے خودکشی کے) وہ شہادت کے مقام پر ہے اور شہید ہی کہلائے گا اگرچہ درجے کا فرق ہوگا۔ چنانچہ فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے، حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْغَرِيقُ شَهِيدٌ وَ الْحَرِيقُ شَهِيدٌ

جو ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے اور جو جل کر مرجائے وہ شہید ہے

وَالْغَرِيبُ شَهِيدٌ وَ الْمَلْدُوغُ شَهِيدٌ

اور مسافر (اجنبی) مرجائے وہ شہید ہے اور جو جانور کے ڈسنے سے مرجائے وہ شہید ہے

وَ الْمَبْطُونُ شَهِيدٌ وَ مَنْ يَقَعُ عَلَيْهِ الْبَيْتُ فَهُوَ شَهِيدٌ

اور جو پیٹ کی تکلیف سے مرجائے وہ شہید ہے اور جس پر مکان گرجائے وہ شہید ہے

وَ مَنْ يَقَعُ مِنْ فَوْقِ الْبَيْتِ فَتَنْدَقُّ رِجْلُهُ أَوْ عُنُقُهُ فَيَمُوتُ فَهُوَ شَهِيدٌ

اور جو مکان کے اوپر سے گر گیا پھر اس کی ٹانگ یا گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا تو وہ شہید ہے

وَ مَنْ تَقَعُ عَلَيْهِ الصَّخْرَةُ فَهُوَ شَهِيدٌ

اور جو پتھر کی چٹان گرنے سے مرجائے وہ شہید ہے

وَ الْغَيْرٰى عَلٰى زَوْجِهَا كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهَا أَجْرُ شَهِيْدٍ

اور اپنے شوہر پر غیرت کھانے والی عورت اللہ کے راستے میں جہاد کرنیوالے کی طرح ہے

(وہ جان دے دے) تو اس کے لیے شہید کا اجر ہے

Marfat.com

وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

اور جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ نَفْسِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

اور جو اپنی جان کی حفاظت قتل ہو جائے وہ شہید ہے

وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَخِيْهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ

جو اپنے بھائی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ جَارِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

اور جو اپنے پڑوسی کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے

وَ الْآمِرُ بِالْمَعْرُوْفِ

اور نیکی کا امر کرنے والا

وَ النَّاهِيْ عَنِ الْمُنْكَرِ شَهِيْدٌ

اور برائی سے روکنے والا شہید ہے

(ابن عساکر حدیث صحیح)

اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا اگر اسی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا تو وہ بھی شہادت ہی کا درجہ پائے گا۔ گویا زندگی میں ایک سچے مسلمان کی زندگی کا نمونہ بننے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضروری ہے۔

ذرا غور فرمائیں امر بالمعروف میں عام طور پر مشکلات اور مصائب نہیں آتے جبکہ نہی عن المنکر پر مصیبتیں اور مخالفتیں زیادہ آتی ہیں۔ لہٰذا شہادتِ حق کے لیے ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے اور منصب شہادت کے لیے گھر میں رہتے ہوئے حصول مقامِ شہادت کا آسان نسخہ ہے۔

جہاں تک مقتول فی سبیل اللہ کے اعلیٰ و ارفع درجے کا ذکر ہے اس کے تو کیا ہی کہنے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بے حد توضیح فرمائی ہے۔ اور اس میں خلوص نیت کو بہت واضح فرمایا ہے۔ روایت ہے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اور حوالہ ہے

Marfat.com

مسند احمد اور سنن ترمذی کا۔

الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ:

شہداء چار ہیں

رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيمَانِ، لَقِيَ العَدُوَّ،

(پہلا) وہ اچھے ایمان والا شخص، جس کا دشمن سے مقابلہ ہوا

فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ،

اور اس نے اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا

فَذَالِكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَعْيُنَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ هٰكَذَا

وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتّٰى وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهُ،

قَالَ: فَمَا أَدْرِي أَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ؟

یہ ایسا بلند مرتبہ ہے کہ لوگ اس کی طرف قیامت کے دن آنکھیں اٹھائیں گے اس طرح (انہوں نے اپنا سر اُٹھایا یہاں تک کہ ان کی (حضرت عمر یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی) ٹوپی گر گئی)

وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الإِيمَانِ لَقِيَ العَدُوَّ

اور (دوسرا) وہ اچھے ایمان والا شخص جس کا دشمن سے مقابلہ ہوا

فَكَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الجُبْنِ

بزدلی کی وجہ سے وہ ایسے تھا جیسے کہ کسی نے اس کی جلد میں کیکر کا کانٹا چبھو دیا ہے

أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ

اچانک غیب سے کوئی تیر آ کر اس کو لگا جس نے اس کو شہید کر دیا

فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ،

یہ شخص دوسرے درجہ میں ہے

وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا

اور (تیسرے) وہ مؤمن شخص جس نے کچھ نیک کام کئے اور کچھ برے کام بھی کئے

لَقِيَ العَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ

Marfat.com

اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس نے اللہ کی تصدیق یہاں تک کہ وہ شہید کر دیا گیا

فَذَالِكَ فِی الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ،

یہ تیسرے درجہ میں ہے

وَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلَى نَفْسِهِ

اور (چوتھے) وہ مومن جس نے اپنے جان پر اسراف کیا (یعنی بہت گنہگار تھا)

لَقِیَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ

اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس نے اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا

فَذَالِكَ فِی الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ

یہ چوتھے درجہ میں ہے

(رواہ احمد والترمذی عن عمر رضی اللہ عنہ)

● ایک دوسری روایت طبرانی میں حضرت نعیم بن ہبار رضی اللہ عنہ سے ہے

الشُّهَدَاءُ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِی الصَّفِّ الْأَوَّلِ،

شہادت کا مقام حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو پہلی صف میں قتال کرتے ہیں

وَلَا يَلْتَفِتُونَ بِوُجُوهِهِمْ حَتّٰى يُقْتَلُوا

اور وہ اپنا منہ نہیں پھیرتے یہاں تک کہ قتل کر دیے جائیں

فَأُولٰئِكَ يَلْتَقُونَ فِی الْغُرَفِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ،

یہی لوگ جنت کے بلند و بالا خانوں میں جمع کر دیے جائیں گے،

يَضْحَكُ اِلَيْهِمْ رَبُّكَ،

ان سے تیرا رب خوشی کا اظہار کرے گا

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا ضَحِكَ اِلٰى عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ فَلَا حِسَابَ عَلَيْهِ

بے شک جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے سے خوشی کا اظہار کر دے

تو اس پر کوئی حساب و کتاب نہیں ہے

(طبرانی فی الاوسط عن نعیم ابن ھبار)

Marfat.com

دین پر چلنا اور زندگی کے تمام معاملات کے لیے دوسروں کے لیے نمونہ بننا اور گواہ بننا ایک سچے امتی کا فرض ہے اور اس راستے میں مرتے دم تک اسی پر قائم رہنا ضروری ہے اور مرتے ہوئے اس دین کو ہاتھ سے جانے نہ دینا کمال اطاعت اور کمال تقویٰ ہے۔

شہادت کے اعلیٰ درجوں کی جستجو کرتے رہنا اور متلاشی رہنا دعائیں کرتے رہنا یہی ہمارے پاس ایک محفوظ ذریعہ ہے اور خزانہ ہے جس سے قلب پریشان کو سکون میسّر رہے گا۔

چنانچہ ہماری رہنمائی اور دلجوئی کے لیے فرمایا حضرت محمد ﷺ نے (جس میں ایک تنبیہ بھی مضمر ہے کہ منافق ایسا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق سے بچائے آمین)

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ

(مسلم، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

”جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی تو نفاق کی ایک شعبہ پر مرا“

چناں خود را نگہ داری کہ باایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجود خود ز خونِ دوستاں خواہی!
مقامِ بندگی دیگر ، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی!

Marfat.com

what is conscience...?

an aptitude, intuition or judgment that distinguishes right from wrong

...what we value and the norms of behavior that we have received...

...an emotional response to our decisions and actions...

alignment of emotion and reason.

Marfat.com

11

تعمیرِ سیرت ــــ اسمائے حسنیٰ

حُسنِ تخلیق

تعمیرِ سیرت کے صحیح رخ پر پروان چڑھنے کی نشانی یہ ہے کہ انفرادی واجتماعی سطح پر انسان کی سوچ میں 'حَسَنَة' کی جھلک نظر آئے۔

'اِحْسَان' کی اصطلاح ہمارے دین کی اہم اصطلاح ہے، جس سے اسم فاعل 'مُحْسِن' قرآن پاک میں متعدد بار آیا ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا عکس جمیل ہی ہے اور یہی جذبہ انسان کی گھریلو تزئین وآرائش، لباس، زیورات، تصاویر، آرٹ کے نمونوں، تعمیرات اور ڈیکوریشن کی چیزوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہی جذبہ قوموں کے مزاج کے فرق اور نظریات کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ عوامی سطح پر 'دوقومی نظریہ' اسی بات کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔

1. دوقومی نظریہ کا فروغ
2. خودی اور آرٹ

(حکمت بالغہ دسمبر 2011ء)

Marfat.com

خودی اور آرٹ کی روشنی میں
تاج محل اور وسطی ہند کے بدنامِ زمانہ مندر

انسانی نظریات ہی اس کے اعمال کو ایک خاص رُخ عطا کرتے ہیں اور انفرادی و اجتماعی تخلیقی عمل (CREATIVE ACTIVITIES) کسی معاشرہ کے نظریات ہی کے تابع ہوتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی کتاب 'حکمت اقبال' سے خودی اور آرٹ کے موضوع پر ایک حصّہ شامل اشاعت ہے۔ خودی بلند ہو تو نگاہ پاک ہوگی، روح عفیف ہوگی، نظریات صالح ہوں گے، تخلیقی عمل میں تعمیرات، کھیل کود، مشغلے اور دیگر فنون بھی اسی پاکیزہ رخ پر ہوں گے۔

پاکستان کے قیام کے وقت 'دوقومی نظریہ' کی بحث چلی تھی جو آج بڑھ کر عالمی سطح تک پھیل گئی ہے۔ ہندو ذہن اور اس کے نظریات اس کے فنِ تعمیر سے ظاہر ہیں جبکہ مسلم ذہن اور اس کے نظریات مسلمانوں کی تعمیرات سے واضح ہیں۔

ہند میں ہندو راج 200 ق م سے 800ء تک عروج پر رہا اور اس دور میں دیگر عمارتوں کے علاوہ پورے ہند میں بے شمار مندر تعمیر ہوئے بالخصوص وسطی ہند کے مندر۔ جن میں فحاشی اور عریانی کو مجسّم شکلوں میں سجا کر مندروں کی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ ان کی مذہبی عمارات ہیں۔ جبکہ ___ دوسری طرف مسلم تعمیرات میں ایک بادشاہ، شاہ جہاں نے اپنی ایک محبوب بیوی کی یادگار تاج محل تعمیر کردی۔ مگر اس تعمیر میں عفّت وعصمت، پاکیزگی کا رنگ نمایاں ہے شاہ جہاں اور اس کی بیگم کا کوئی بے لباس تو کیا ملبوس مجسّمہ بھی نصب نہیں کیا گیا۔

آگے مضمون میں ہندوؤں کی مذہبی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی محبّت کی نشانی کا تقابل کر کے ہندو اور مسلم نظریات کی صحت اور پاکیزگی کا تقابل کیا گیا ہے۔ یہ نظریات کا فرق ہی 'دوقومی نظریہ' کی بنیاد ہے۔ جو پہلے صرف جنوبی ایشیا کی سطح پر زیر بحث رہا اب یہی چرچا 'نیو ورلڈ آرڈر' کے مقابلے میں 'اسلام' کے نام سے عالمی سطح پر جاری ہے۔

Marfat.com

1

دو قومی نظریہ کا فروغ

تاج محل اور وسطی ہند کے بدنام زمانہ مندر

ہندو اور مسلمان تہذیب کے
عبادت اور محبت کے نشان آمنے سامنے

تاریخ انسانی شاہد ہے کہ جب کسی علاقے میں کوئی قوم یا اجتماعیت سیاسی اقتدار حاصل کر کے علاقے میں مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے تو اُس نے اپنے وسائل سے اپنے نظریات کی روشنی میں سابقہ اقدار و روایات سے ہٹ کر 'نئی دنیا' تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے یہ اُس کا حق بھی ہوتا ہے اور اس طرح طرزِ تعمیر، طرزِ بود و باش، آرائش و زیبائش کے طریقے، باغات، شہر، عبادت گاہیں، سیر و تفریح کے مقامات کی نوعیت اور طریقے سب اُس قوم کے نظریات کی عملی تفسیریں بن کر اقوام عالم کے سامنے آجاتے ہیں۔ بابل کے معلّق باغات ہوں یا اہرام مصر، یونان کے بادشاہوں کے محلّات اور تھیٹر ہوں یا ایران کے جمشید بادشاہ کے محلّات، بنو عباس کا بغداد ہو یا ہندوستان کے راجے مہاراجے سب اپنے اپنے دور میں بقائے دوام کی ایک دبی ہوئی خواہش کو اپنی سوچ، فکر، نظریہ اور مذہب کی حدود اور تصوّرات کے اندر رہتے ہوئے صفحۂ ہستی پر اپنے 'خوابوں' کی دنیا تعمیر کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب یہ اہل علم اور دانشور حضرات کا کام ہے نیز باشعور عوام کا بھی کہ وہ دیکھیں کہ کس تہذیب کے مذہب کے مطابق ایک مثالی انسان، مثالی خاندان اور مثالی معاشرہ کے خدّ و خال کیا تھے؟ یاد رہے کہ اس میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ سچائی، راستی، عدل و انصاف، شرم و حیا، عفّت و عصمت، چادر اور چار دیواری کو دنیا بھر میں معروف سمجھا جاتا ہے اور عریانیّت، فحاشی، بے حیائی اور بے ہودگی، لچر پن اور سفلی جذبات کا برملا اظہار اور نمائش کو اخلاقی دیوالیہ پن کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

سرزمین ہند میں ایک وقت میں ہندومت کا عروج تھا اور تقریباً 1000 ق م سے 1000ء تک وقفے وقفے سے شمالی اور جنوبی ہند میں مستحکم ہندو راج رہا ہے اور مجموعی طور پر علاقائی راجے مہاراجے بھی اسی ہندو مذہب کے پیروکار تھے پھر مشرق بعید سارا اسی ہندومت کے زیر اثر تھا یہاں تک کہ بدھ مت چین جاپان سمیت سارے مشرقی ممالک میں آج بھی موجود ہے۔

ہندومت نے اپنے دور عروج میں بے شمار مندر تعمیر کیے جہاں ان کی سوچ کے مطابق بت پرستی کے لئے بت رکھے گئے اولاً یہ ''معبود'' جو بتوں کے انسان نما مجسمے تھے سب ''ننگے'' اور بے لباس بنائے گئے۔ دوسرے ان کے مشہور مندر (جو آج مغربی سیاحوں کے لئے انتہائی دلچسپی کا سامان مہیا کرتے ہیں) جہاں بے حیائی اور جنسی اختلاط کے مناظر بھی بڑے بڑے مجسّموں کی شکل میں ایک دو نہیں ہر مندر کے طرز تعمیر میں ہزاروں کی تعداد میں لگا دیے گئے ہیں ایسا ہی ایک 'بے حیائی' کا مظہر بت خانہ اور فحاشی، عریانی کے مجسّموں کا 'منبع' سومنات کا مندر تھا جسے 1030ء میں سلطان محمود غزنویؒ نے توڑ دیا تھا۔ ان مندروں میں غیر ملکی سیاح تو 'سیر سپاٹے' کے لئے جاتے ہیں جبکہ ہندو عوام خاندان سمیت (WITH FAMILY) ان 'مذہبی مقامات' کی 'یاترا' اور 'عبادت' کے لئے جاتے ہیں۔ خدا معلوم باپ اپنی بیٹی کو، بیٹے کو، بہو کو...... باپ، دادا، نانا، نانی کی موجودگی میں ان مقامات کی کیا تشریح کرتے ہوں گے۔ اس سے ہندو مذہب کی سوچ، عقائد، نظریات اور اخلاق کے بارے میں ایک رائے بنانے میں مدد ملتی ہے۔

دوسری طرف ہند میں مسلمان بادشاہ بھی حکمران رہے جن میں سب سے طویل اور 'بھارت گیر' غلبہ مغل دور کا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہ جائیں۔ اکبر بادشاہ مذہبی انسان تو کیا اپنی مسلمانی کے بارے میں 'دین الٰہی' ایجاد کر کے ''ھم یومئذ اقرب للکفر من الایمان'' کا مصداق تھا تاہم اس کے مقبرے پر بھی 'ننگے بت'، بے حیائی، عریانی، فحاشی کے مناظر آج بھی نہیں نظر آتے شاہ جہاں، اکبر بادشاہ سے بہتر مسلمان تھا، بادشاہ تھا، وسائل تھے، مسلمان مورخین اُسے کوئی 'ولی اللہ' بنا کر پیش نہیں کرتے اس کی اکلوتی بیوی...... ممتاز محل اس کی محبوبہ تھی اسی سے اس کے ہاں چودہ اولادیں ہوئیں اگر شاہ جہاں کا مزاج عیاشی اور بدکاری کا ہوتا تو وہ کئی بیویاں اور داشتائیں اپنے 'حرم' میں داخل کر لیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کی بیوی ممتاز محل فوت

Marfat.com

ہوئی تو صرف اپنے کردار اور عفت و عصمت کی سوچ کی وجہ سے ہی اُسے بیوی کے انتقال کا ازحد صدمہ ہوا اور اس نے اس کی یادگار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تو ''تاج محل'' کے نام سے اپنے نظریات کی روشنی میں ایک 'پیکر محسوس' صفحۂ ہستی پر منتقل کر دیا۔ عام ذہن یہ تسلیم کرے گا کہ یہ ایک محبت کی نشانی ہے اور مقتدر با وسائل بادشاہ کی تعمیر کردہ عمارت ہے اس میں اگر ننگے بت ہوتے، جنسی مناظر مجسمائے جاتے اور خشت اوّل سے خشت آخر تک سجا دیے جاتے کوئی اس پر بہت زیادہ معترض نہ ہوتا کہ یہ تو ہے ہی محبت کی نشانی۔

مگر آفریں ہے شاہ جہاں کی مسلمانی سوچ اور مذہب اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر کہ ایک مقتدر باوسائل بادشاہ کی محبّت کی یادگار میں ایک بھی بت نہیں ہے آیات قرآنی ہیں، صاف ستھرا سفید پتھر سے تعمیر شدہ، ہوا دار روشن تاج محل ہے جس کے احاطے میں ایک مسجد ہے۔ تعمیراتی توازن (SYMMETRY) قائم رکھنے کے لئے مقبرے کے مشرقی جانب مسجد نما مہمان خانہ ہے مسجد بناتے تو قبر کو سجدے کا شائبہ ہوتا۔

حتیٰ کہ شاہ جہاں اور ممتاز محل کا کوئی بے لباس تو کیا بالباس مجسّمہ بھی وہاں نصب نہیں ہے۔ ایک طرف ہندومت کی 'مذہبی عمارتیں' اور 'عبادت گاہیں' جو 'کھجوراہو مندروں' کی شکل میں وسطی ہند میں موجود ہیں (بلکہ پورے بھارت اور نیپال اور مشرقی بعید میں بھی پھیلے ہوئے ہیں)۔ جہاں بے حیائی کے ایسے مناظر ہیں کہ کوئی شریف النفس آدمی فیملی کے ساتھ تو کیا اکیلا بھی جانا پسند نہ کرے نامعلوم آج کا باضمیر ہندو ان مندروں کی یاترا کے دوران اپنے بچے بچیوں کے سامنے اس کی کیا توجیہ پیش کرتا ہوگا۔ دوسری طرف ایک مسلمان بادشاہ کی محبت کی یادگار ہے جو اتنی پاکیزہ، صاف شفاف اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل اور فن تعمیر کا جیتا جاگتا شاندار نمونہ ہے۔

یہ تاج محل ہندومت اور اس کی تہذیب کے منہ پر ایک طمانچہ سے کم نہیں۔ کیا کھجوراہو ٹمپلز (KHAJURAHO TEMPLES) اور تاج محل کے "ICON" رکھنے والی دو قومیں ایک ہو سکتی ہیں..... کوئی عقلمند، باشعور، باضمیر اور COMMON SENSE رکھنے والا شخص اس کے حق میں رائے نہیں دے سکتا۔

Marfat.com

2

خودی اور آرٹ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب ''حکمت اقبال'' کا ایک باب
(ماہنامہ حکمت قرآن لاہور سے ماخوذ)

ثقافت اور تہذیب کا فرق

فعلِ جمیل سے اقبال کا مطلب ایسا فعل ہے جو اپنے مقصد کے لحاظ سے حسین ہو یعنی جس کا مقصد خودی کے کامل نصب العین یا صحیح تصورِ حقیقت سے ماخوذ ہو اور لہٰذا صفاتِ حسن کے مطابق ہو۔ لیکن خودی چونکہ ہمہ تن خدا کی آرزو ہے جو حسن کا مبدا اور منتہا ہے اور دوسری کوئی آرزو نہیں رکھتی۔ وہ اپنی اس آرزو کو مطمئن کرنے کا کوئی طریقہ یا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور ہر وقت اپنی اس آرزو کی تشفّی میں مصروف رہتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ہر فعل کو نہ صرف معنوی طور پر یعنی اس کے مقصد کے اعتبار سے حسین بنانے کی کوشش کرتی ہے بلکہ ہر فعل کی ظاہری صورت کو بھی خوبصورت بناتی ہے۔ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ انسان کوئی کام ایسا نہیں کرتا جس کو وہ معنوی طور پر ہی نہیں بلکہ ظاہری طور پر بھی خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کرے۔ انسان کی روز افزوں ضروریاتِ زندگی کا بہت تھوڑا حصہ ایسا ہے جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہے۔ ان کا بیشتر حصہ انسان کی آرزوئے حسن کی تسکین کا سامان ہے جس سے انسان زندگی کے ماحول کی تحسین اور تزئین کا کام لیتا ہے۔ انسان کی تمنائے حسن کی کوئی انتہا نہیں اس لئے اس کی حسن آفرینی کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہی سبب ہے کہ جوں جوں تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے۔ ہماری ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ ہم زمانۂ حال کے انسان کو دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے لباس کی ساخت میں اور اپنے مکان کی تعمیر اور شکل وصورت میں، اپنے میزوں، کرسیوں،

Marfat.com

صوفوں، قالینوں، تصویروں اور گھر کے دوسرے سامان کی ترتیب اور ترکیب میں، بلکہ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے، بولنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھیلنے اور سفر کرنے کے طور پر طریقوں میں بھی حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ حسن آفرینی کی کوششوں سے تھکتا ہے اور نہ حسن سے سیر ہوتا ہے۔ ثقافت یا کلچر نصب العین کی معنویت کو یا اس کے باطنی حسن کو علم، اخلاق، سیاست، تعلیم، قانون اور حصول نصب العین کے لئے ایسے ہی دوسرے اعمال و افعال میں آشکار کرنے کا نام ہے۔ لیکن تہذیب جسے کہتے ہیں وہ زندگی کے ظاہری ماحول میں حسن طلبی اور حسن آفرینی ہے۔

خدا کی دوسری صفات کی طرح حسن آفرینی کی صفت میں بھی انسانی خودی خدا کے وجود کا عکس ہے کیونکہ خدا کی تخلیقی فعلیت بھی جس کا نتیجہ یہ کائنات ہے اپنے معنی اور مقصد اور مدعا کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اپنے نتائج کی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے بھی حسین ہے۔ کائنات حسن سے لبریز ہے، ضیائے حسن اس کے ہر ذرّہ میں چمک رہی ہے خدا نے کوئی چیز ایسی نہیں بنائی جو حسین نہ ہو، لیکن ہوسکتا ہے کہ ہم بعض چیزوں کے حسن کی پہچان سے قاصر رہ جائیں۔

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایان حسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرہ میں ہے طوفانِ حسن
حسن کوہستان کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوگستری' شب کی سیاہ پوشی میں ہے
آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت' شفق کی گل فروشی میں ہے یہ
ساکنانِ صحن گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا، شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ، یاں درد کی کسک ہے

Marfat.com

اندازِ گفتگو نے دھوکے دِیے ہیں، ورنہ
نغمہ ہے بُوئے بلبل، بُو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

ہنر یا آرٹ کی تعریف

ایسا عمل جس میں کسی محسوس اور مرئی چیز کو ذریعہ یا واسطہ (MEDIUM) بنا کر حسن کا اظہار کیا گیا ہو' ہنر یا فن یا آرٹ کہلاتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کا ہر کام اظہارِ حسن کا واسطہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے لیکن جب حسن کے اظہار کے لئے اینٹ یا پتھر یا صوت یا صدا یا رنگ یا لفظ یا حرکت کو واسطہ بنا کر اس میں حسن کا اظہار کیا جائے تو جو فن اس سے پیدا ہوتا ہے اسے اسی ترتیب کے ساتھ تعمیر، مجسمہ سازی، سرود، موسیقی، مصوری، شاعری اور رقص کا نام دیا جاتا ہے۔ ہنر کی ان اقسام کے اندر تخلیقِ حسن یا مشاہدۂ حسن سے لطف اندوز ہونا ایک خاص قسم کی تربیت چاہتا ہے اس لئے ہر انسان ان کو تخلیقِ حسن یا مشاہدۂ حسن کے ذرائع کے طور پر کام میں نہیں لا سکتا۔ لہٰذا ہنر یا فن کی حیثیت سے زندگی کے عام کاموں کی تحسین اور تجمیل کے مقابلہ میں ان کی افادیت بہت محدود ہو جاتی ہے۔ تاہم ان میں سے ہر ایک' ایک خاص گروہ کو جو اس سے مستفید ہونے کی مہارت رکھتا ہے' متاثر کر سکتا ہے۔

حُسن کے دو پہلو: صداقت اور نیکی

ہنر کی حقیقت سے تعلق رکھنے والی ایک اہم بات یہ ہے کہ صداقت، نیکی اور حُسن خدا کی صفات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حسن بھی ہے نیکی بھی ہے اور صداقت بھی۔ گویا صداقت اور نیکی حُسن ہی کے دو پہلو ہیں۔ لہٰذا اگر حسن صداقت سے یا نیکی سے عاری ہو تو وہ حسن نہیں رہتا۔ ہر عمل جو کچھ وہ ہوتا ہے اپنے اندرونی مدعا یا مقصد اور اپنی ظاہری صورت دونوں سے مل کر بنتا ہے۔ اس لئے اگر کسی عمل کی ظاہری صورت حسین ہو لیکن اس کے پیچھے مدعا حسین نہ ہو تو اس کا حسن داغدار ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کلی یا مجموعی حیثیت سے حسین نہیں رہتا۔ حسن کلی طور پر حسن ہوتا ہے اور زشتی

Marfat.com

کی ملاوٹ کو گوارہ نہیں کرتا۔ اگر زشتی اس میں شامل ہو جائے تو وہ جزوی طور پر نہیں بلکہ ایک کل کی حیثیت سے حسین نہیں رہتا۔ حسن ایک ناقابل تقسیم کل ہوتا ہے اور اسے اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کہہ سکیں کہ کوئی چیز آدھی زیبا ہے اور آدھی زشت۔ زشتی ہمیشہ زیبائی اور زشتی کے امتزاج سے بنتی ہے۔ کوئی چیز جس کے متعلق ہمارا فیصلہ ہو کہ وہ زشت ہے مکمل طور پر زشت نہیں ہوتی۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

گھٹیا آرٹ

چونکہ آرٹ خودی کی آرزوئے حسن کا ایک پہلو ہے ضروری ہے کہ یہ آرزوئے حسن کے اصل مقصود یعنی طلبِ جمالِ حقیقی کے ساتھ اور آرزوئے حسن کے دوسرے ممد و معاون پہلوؤں یعنی طلبِ خیر اور طلبِ صداقت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ لہٰذا جو آرٹ (خواہ وہ شعر ہو یا رقص یا مصوری یا موسیقی یا کوئی اور) بداخلاقی کی طرف ایما کرتا ہو...... وہ اخلاقی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مطلق آرٹ کی حیثیت سے بھی پست اور گھٹیا ہوتا ہے۔ ایسا آرٹ خودی کی آرزوئے حسن کا خالص اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں خودی کی آرزو کا اظہار جبلتی خواہشات کے اظہار کے ساتھ ملوث ہوتا ہے، وہ خالص خودی کا عمل یا انسانی عمل نہیں ہوتا بلکہ انسانی اور حیوانی اعمال کا امتزاج ہوتا ہے۔ ایسے آرٹ کا دیکھنا یا تخلیق کرنا وہ خاص قسم کا سرور پیدا نہیں کر سکتا جو سچے آرٹ کا امتیاز ہے اور اس سرور سے بالکل مختلف ہے جو جبلتوں کی تشفی سے حاصل ہوتا ہے۔

سچا آرٹ

تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں آرٹ کو بتکلف نیکی یا اخلاق کی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہئے۔ سچا آرٹ جستجوئے حسن کے سوائے اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ خودی کی ہر فعلیت کی طرح آرٹ بھی خودی کی آرزوئے حسن کا آزادانہ اظہار ہوتا ہے جو خود بخود اور بغیر کسی پابندی یا تکلف یا غرض کے فقط اپنی ہی خاطر عمل میں آتا ہے۔ لیکن سچا آرٹ چونکہ حسن کی سچی جستجو کرتا ہے وہ خود بخود خیر اور صداقت اور حسن حقیقی کی جستجو سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے تا کہ اپنے آپ کو آرٹ

Marfat.com

کی حیثیت سے درست اور مکمل بنا لے۔ اگر وہ خیر اور صداقت کو نظر انداز کر دے تو پھر نہ وہ حسن کا اظہار ہی رہ سکتا ہے اور نہ آرٹ۔ جب تک آرٹ جبلتوں کے دباؤ سے اور بدی اور بداخلاقی کے اثر سے آزاد نہ ہو اور نیکی اور صداقت کو پوری طرح سے ملحوظ نہ رکھے......وہ نہ تو خودی کی آزادانہ فعلیت ہی ہوسکتا ہے اور نہ ہی آرٹ کہلا سکتا ہے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا فعلِ جمیل جو نیکی کے بلند ترین معیار پر پورا اتر سکے......صرف خدا کی محبت کے درجۂ کمال پر ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سچے آرٹ کی توقع صرف اس شخص سے کر سکتے ہیں جس کا تصورِ حقیقت فی الواقع حسین ہو یعنی سچا خدا ہو اور جس کی خودی خدا کی محبت کے کمال کو پا چکی ہو۔ جس شخص کا تصورِ حقیقت حسین نہیں ہوگا یعنی خدا کے سوائے کوئی اور ہوگا جیسا کہ مثلاً ایک کافر یا منکرِ خدا کا تصور تو اس کا آرٹ بھی خود بخود اس کے نازیبا اور ناقص تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت پیدا کر کے پایۂ حسن سے گر جائے گا۔ یہی صورت حال کم وبیش اس شخص کے ساتھ پیش آئے گی جس کا تصورِ حقیقت تو صحیح اور حسین ہے لیکن جس کو اپنے تصورِ حقیقت کے ساتھ ایسی کامل اور خالص محبت نہیں جو غلط تصورات کی محبت کے ساتھ ذرا بھی ملوث نہ ہو۔ چونکہ آرٹ ہمیشہ فنکار کے تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت پیدا کر لیتا ہے اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ سچا آرٹ ایک مکمل طور پر آزاد فعلیت ہونے اور آرٹ برائے آرٹ ہونے کے باوجود ہمیشہ خود بخود مقاصدِ زندگی کا ترجمان اور خدمت گزار ہوتا ہے۔

سچا علم اور سچا آرٹ دونوں حسنِ حقیقی یعنی خدا کی محبت کے دو پہلو ہیں جو اسی کی خدمت اور اعانت کے لئے اپنا وجود رکھتے ہیں۔

علم و فن از پیش خیزان حیات
علم و فن از خانہ زادان حیات

اس شعر میں حیات سے اقبال کی مراد آرزوئے حسن یا خدا کی محبت ہے۔ کیونکہ اقبال اپنے کلام میں جس چیز کو حیات کہتا ہے وہی ارتقا انسانی سطح پر آرزوئے حسن یا خدا کی محبت کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔

Marfat.com

خدا کی آرزو اور آرٹ کا تعلق

فن کی ہر قسم' خواہ وہ مصوری (رنگ) ہو یا تعمیر (خشت) ہو یا مجسمہ سازی (سنگ) ہو یا موسیقی (چنگ) ہو یا شاعری (حرف) ہو یا گانا (صوت) ہو انسان کی آرزوئے حسن سے پیدا ہوتی ہے جس کا اصل مقصود خدا اور صرف خدا ہے۔ اقبال اسی آرزوئے حسن یا خدا کی محبت کو کبھی خونِ جگر کبھی خونِ دل اور کبھی جنون کہتا ہے۔ آرزوئے حسن پتھر کی سل کو ایک مجسمہ کی صورت میں تبدیل کر کے دل (یعنی جذبات محبت کا مرکز) بنا دیتی ہے۔ یہی آرزوئے حسن صدا کو پُرسوز اور پُرسرور بنا کر ایک گانے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

فن کے تمام نقوش جو آرزوئے حسن کے اصل مقصود یعنی خدا کی سچی محبت سے بے تعلق ہوں' ناقص اور ناتمام رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح سے وہ نغمہ بھی جو آرزوئے حسن کے اصل مقصود سے بیگانہ ہو بے اثر اور بے سود ہے اور سودائے خام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ مردہ اور بے معنی ہے اور ایک ایسی آگ کی طرح ہے جو بجھ کر راکھ بن چکی ہو۔ ایسی آگ میں سوز کہاں ہوتا ہے لیکن وہ نغمہ جو خدا کی محبت کے سوز میں ڈوبا ہوا ہو اس کے اثر کی وجہ سے اسے خونِ دل میں حل کی ہوئی آتش سوزاں کہنا چاہیے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ' چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرۂ خونِ جگر' سِل کو بناتا ہے دِل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود!
نقش ہیں سب ناتمام' خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام' خونِ جگر کے بغیر!

نغمہ می باید جنون پروردہ — آتشے در خون دل حل کردہ
نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست — سوز آواز آتش افسردہ ایست

صحیح تصورِ حقیقت یعنی خدا کے تصور میں وہ سارا حسن موجود ہے جس کی خودی کو آرزو ہے۔ لہٰذا خدا کے ذکر اور فکر اور فعلِ جمیل کے ذریعہ سے خودی اس قابل ہو جاتی ہے کہ اپنی

Marfat.com

آرزوئے حسن کو پوری طرح سے مطمئن کرے اور اس طرح سے اپنی محبت کو درجۂ کمال پر پہنچا دے۔ اس مقام پر پہنچ کر خودی کو ذکر اور فکر اور فعلِ جمیل سے ایسا سرور حاصل ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ لہٰذا جو شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اسے وہ سرور ہیچ نظر آتا ہے جو اکثر اشخاص آرٹ یا فن سے حاصل کرتے ہیں اور ایسا شخص اگر فنکار ہو تو وہ اپنے فن سے خود ایسا سرور حاصل کرتا ہے اور اس کو دوسروں کے لئے بھی ایسے سرور سے بھر دیتا ہے جو کسی ایسے فنکار کے لئے ممکن نہیں ہوتا جو خدا کو نہ مانتا ہو یا خدا کو ماننے کے باوجود اپنی محبت کی پوری پوری نشوونما کرنے سے محروم رہ گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا فن اس کے لئے مشاہدۂ حسن کی اس لذت کو پھر زندہ کر دیتا ہے جس سے وہ پہلے آشنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا فن محض فن کی حیثیت سے درجۂ کمال پر ہوتا ہے۔ بعض اشخاص زندگی کی پریشانیوں سے عارضی طور پر نجات پانے اور تفریح حاصل کرنے کے لئے فن کی پناہ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس لذت سے ناآشنا ہوتے ہیں جو خدا کی مخلصانہ عبادت میں انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ تمنائے حسن یا خدا کی محبت کے اظہار سے خودی کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کی نوعیت میں اظہارِ تمنا کے طریق کے بدل جانے سے کوئی فرق نہیں آتا، تاہم تمنائے حسن کے اظہار کے بعض طریقے اس تمنا کی تسکین اور تشفی کے لئے دوسرے طریقوں سے زیادہ موثر ہیں۔ مثلاً خدا کے ذکر کے ذریعہ سے خودی جس قدر اپنی تمنائے حسن کی تشفی یا تسکین کر سکتی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو آرٹ کے ذریعہ سے ممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکر کے ذریعہ سے اس تشفی اور تسکین کے عمل کے دوران خودی کو جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس سے بہت بڑھ کر ہوتا ہے جو آرٹ کے ذریعہ سے اسے حاصل ہو سکتا ہے۔

آرٹ کی خطرناک قسمیں

آرٹ چونکہ خودی کی آرزوئے حسن کی تشفی کا عمل ہے اس سے بھی خودی کی محبت ترقی کرتی ہے۔ لیکن آرٹ کی بعض قسمیں ایسی ہیں مثلاً سرود، رقص، مصوری اور مجسمہ سازی جو آسانی سے جنسی تلذذ کا سامان بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے آرٹ کو پاکیزہ بھی بنایا جا سکتا ہے لیکن اگر مکمل طور پر ایسا کرنا مشکل ہو تو خودی کی حفاظت اور تربیت کے لئے اس سے احتراز ضروری ہے کیونکہ پھر یہ آرٹ کے مقام سے گر کر فقط جنسی اپیل کا ایک ڈھنگ بن کر رہ جاتا ہے۔ جب بھی ہم اس

Marfat.com

قسم کے آرٹ کا مشاہدہ کریں ہمیں دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ یہ آرٹ ہے۔ اس قسم کا آرٹ خودی کے لئے موت کا پیغام ہے۔

وہ مُغنی جس کا دل پاک نہیں اپنے سانس سے نغمہ کو زہر آلود کر دیتا ہے

نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں

مرجعِ عقیدت انسانوں کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی بالخصوص آرٹ کی ایسی قسمیں ہیں جو ایک حد تک انسان کے مخلصانہ ذوقِ عبادت اور جذبۂ یک بینی و یک پرستی کو چرانے اور ایک غیر محسوس طریق پر خدا سے ہٹانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ایسے آرٹ سے بھی احتراز خودی کی پوری پوری نشو ونما کے لئے ضروری ہے۔

سینما (بڑی سکرین اور اب چھوٹی سکرین)

اس وقت سینما کی جو حالت ہے اس کا جو تاجرانہ مقصد اور مدعا ہے اور اس کے پیچھے زندگی کا جو سفلی اور حیوانی نقطۂ نظر کام کر رہا ہے اس کے پیشِ نظر ہمیں سینما کو بھی آرٹ کی ایسی ہی اقسام میں شمار کرنا چاہئے۔ اقبال کی نگاہ میں یہ عہدِ قدیم کی بت فروشی اور بت گری کی ایک صورت ہے۔ وہ بت گری کوئی آرٹ (صنعت) نہ تھی بلکہ کافری کا ایک تقاضا تھا۔ یہ بھی کوئی آرٹ نہیں بلکہ ایک قسم کی ساحری ہے اور تہذیبِ نو کی پیدا کی ہوئی ایک تجارت ہے جس کا مقصد جلبِ زر کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اقبال اسے بت سازی اور بت پرستی اس لئے کہتا ہے کہ یہ انسان کی آرزوئے حسن کو خدا سے ہٹا کر غلط راستہ پر ڈالتا ہے اور بت پرستی بھی ایسا ہی کرتی ہے۔ انسان کی تفریح کا سارا سامان آرزوئے حسن کی صحیح تشفی سے پیدا ہونا چاہئے۔ ورنہ اس کی تفریح اس کی خودی کی نشو ونما کے لئے مضر ہوتی ہے اور اس کا انجام مسرت نہیں بلکہ حزن وملال کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔

وہی بُت فروشی، وہی بُت گری ہے
سینما ہے یا صنعتِ آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی، شیوۂ کافری تھا
یہ صنعت نہیں، شیوۂ ساحری ہے

Marfat.com

وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا
یہ تہذیبِ حاضر کی سودا گری ہے

تمثیل

اسی طرح سے تیاتر یا تمثیل بھی خودی کی تربیت کے لئے خطرناک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کمال اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ ادا کار اپنے آپ کو بالکل مٹا دے اور اپنی جگہ اس شخص کی خودی کو پوری طرح سے کارفرما کردے جس کا کردار وہ ادا کر رہا ہے۔ ایک انسان اپنی شخصیت اور اس کے اندر جاگزیں ہونے والی آرزوئے حسن کا اس سے زیادہ برا استعمال اور کیا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے دل میں جو خدا کا گھر ہے خدا کے سوائے اوروں کی خودی کو بساتا ہے جس طرح سے اسلام سے پہلے کافروں نے خانہ کعبہ میں لات ومنات ایسے بت پوجا کے لئے کھڑے کر دیئے تھے۔ ایسے کفر سے خدا کی پناہ۔ انسان کی زندگی اس کی خودی پر منحصر ہے۔ اس کی مسرت، اس کی محبت، اس کی ذات کا تسلسل اور ثبات اور اس کی صفات سب کا دارومدار اس کی خودی پر ہے۔ اگر وہ اپنی خودی کو ہی مٹا دے تو پھر اس کے پاس اور کیا چیز رہ جاتی ہے جس کی بنا پر اسے زندہ سمجھا جائے۔ چونکہ انسان کی خودی خدا کی طلب گار ہے اس کا مقام مہ و پروین سے بھی اونچا ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے معزز اور مکرم ہے۔ اسے غیر اللہ کے لئے وقف کرنا اپنی تذلیل ہے۔

تری خودی سے ہے روشن ترا حریمِ وجود
حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات
بلند تر مہ و پروین سے ہے اُسی کا مقام
اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے ذات وصفات
حریم تیرا، خودی غیر کی! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات!
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو، تو نہ سوزِ خودی، نہ سازِ حیات!

ظاہر ہے کہ جن حقائق کی بنا پر تیاتر یا تمثیل خودی کی تربیت کے لئے مضر ہے وہ

Marfat.com

اداکاری کی تمام قسموں پر صادق آتے ہیں۔

ہنرورانِ ہند کا آرٹ

ہنرورانِ ہند کا آرٹ جنسیت میں ڈوبا ہوا ہے لہٰذا گھٹیا اور پست ہے۔ان کا تخیل اس قسم کا ہے کہ انسان کے دل سے عشق و مستی یعنی خدا کی محبت رخصت کر دیتا ہے۔ان کا تاریک فکر قوموں کے لئے ہلاکت ہے۔یہ ہنرور خدا پرست نہیں بلکہ برہمنوں کی طرح بت پرست ہیں اور ان کے صنم خانوں میں موت کی تصویریں بنا کر رکھی گئی ہیں یعنی ان کے ہنر کی مخلوقات افراد اور اقوام کے لئے موت کا حکم رکھتی ہیں۔ان کا ہنر انسانوں کو یہ جاننے سے باز رکھتا ہے کہ ان کی خودی ترقی کر کے بلند مقامات تک پہنچ سکتی ہے۔وہ اپنے ہنر سے بدن کی خواہشات کو تو بیدار کرتے ہیں لیکن روح یا خودی کی خواہشات کو سلاتے ہیں۔ان میں سے ہر ایک خواہ وہ شاعر ہے یا مصور ہے یا افسانہ نویس......عورت کی کشش کے فریب میں مبتلا ہے۔

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل اُن کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کا مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

عجم کا شعر

شعر کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ خدا کی محبت کی پرورش کرے اور اسے یہاں تک ترقی دے کہ انسان کی خودی باطل کو فنا کرنے کے لئے تلوار کی طرح تیز ہو جائے جس کی وجہ سے انسان دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لئے پر جوش، زوردار اور انقلاب آفریں عمل پر آمادہ

Marfat.com

بن سکے۔ اگر مرغ سحر خیز کا نغمہ گلستان میں رونق نہیں لاتا بلکہ اسے اور بے رونق کر دیتا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ خاموش ہی رہے۔ کائنات کی رونق یہ ہے کہ اس میں حسن اور نیکی اور صداقت کا دور دورہ ہو۔ اگر شاعر کا شعر خدا کی اس کائنات میں بدی اور زشتی کو دور کر کے نیکی اور حسن اور صداقت کے اوصاف کو جو خدا کی محبت کے مقامِ کمال ہی سے صادر ہو سکتے ہیں، پھیلانے اور عملی طور پر مؤثر کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو شعر کا ہونا، نہ ہونا برابر ہے۔ مانا کہ عجم کا شعر بڑا دلکش اور دل آویز اور بڑا زوردار اور مؤثر ہے یہاں تک کہ پہاڑ کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ شمشیر خودی کو تیز نہیں کرتا اور اگر ایک پرویز کی سلطنت یعنی باطل کی قوت اس سے شکستہ نہیں ہوتی تو اس کا اثر کس کام کا ہے۔

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دل آویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستان
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہ ہوئی دولتِ پرویز

سرودِ حرام

فقیہوں میں یہ بحث چلی آتی ہے کہ سرود حلال ہے یا حرام لیکن اگر ہم اسرارِ حیات یا خودی کے اوصاف و خواص کی روشنی میں دیکھیں تو اس بحث کا فیصلہ آسان ہے۔ وہ سرود جو خدا کی محبت سے بیگانہ کرنے والا ہو حرام ہے کیونکہ وہ خودی کے لئے موت کا پیغام ہے اور ظاہر ہے کہ زندگی موت پر مقدم ہے اور ہم زندگی دے کر موت کو خرید نہیں سکتے۔

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نالے و چنگ و رباب

خودی کے اوصاف و خواص کے پیش نظر خدا کی محبت سے محرومی انسان کے لئے موت ہے۔

آں کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم او زار نیست

Marfat.com

بے شک گانے والے کی لَے کی بلندی اور پستی سے جو گانے میں دلکشی پیدا ہوتی ہے اس سے دل کو بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے اور اگر دل میں غم یا خوف کی کیفیت موجود ہو تو جاتی رہتی ہے۔ لیکن اگر مغنی کا سرود خدا کی محبت کے جذبہ کو کچلنے والا ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سننے والے کا دل مر جائے گا اور زندہ اور پائندہ نہ رہے گا۔ اگر دل خود ہی مر گیا تو دل کی کشود کس کام آئے گی۔ اگر نوا ایسے دل سے نکلے جس میں خدا کی سچی محبت کا سوز در حقیقت موجود ہو تو اس نوا کے اثر سے ستاروں کا وجود بھی، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی قسمتوں پر حکمران ہیں، پگھل سکتا ہے اور پوری دنیا مغنی کی مرضی کے مطابق بدل سکتی ہے۔ اگرچہ ایسی نوا کائنات میں بالقوہ موجود ہے اور کائنات کی ممکنات میں پوشیدہ ہے۔ تاہم ابھی بالفعل اور آشکار نہیں ہوئی۔ ایسا سرود جس کی تاثیر سے آدم مستقل طور پر غم اور خوف سے نجات پا کر لَاخَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَاهُمۡ يَحۡزَنُوۡن کا مصداق بن جائے اور ایازی یعنی غلامی اور شخص پرستی کا مقام محمود غزنوی یعنی بادشاہت اور بت شکنی کے مقام میں بدل جائے اور یہ پوری کائنات جو مہ و انجم کا ایک حیرت خانہ ہے لاموجود میں شمار ہونے لگے اور صرف تو باقی رہ جائے یا تیرا یہ اعلان کہ سوائے خدا کے اور کوئی موجود نہیں یعنی یہ پرانی کائنات مٹ جائے اور ایک نئی کائنات وجود میں آئے جو تیری اور تیرے محبوب خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایسا سرود جسے عارفانِ خودی جائز اور مشروع سمجھتے ہیں، ابھی کسی مطرب کا منتظر ہے۔ مراد یہ ہے کہ کائنات خدا کی مرضی کے مطابق ضرور بدل کر رہے گی۔ لیکن اس تبدیلی کا ذریعہ ایک ایسا نغمہ ہی ہو سکتا ہے جس کی تاثیر سے لوگوں کے دل خدا کی محبت کے سوز سے پگھل جائیں۔

کھل تو جاتا ہے مُغنّی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود!
ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود!
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود!

Marfat.com

مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمۂ لاموجود
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہانِ خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!

منکرِ خدا کا آرٹ

جو شخص اپنی آرزوئے حسن کی تشفی کے لئے خدا کے تصور سے کام نہیں لے سکتا اس لئے کہ وہ خدا کا منکر یا کافر ہے یا خدا کے تصور سے آشنا نہیں اس کا آرٹ اسی گھٹیا قسم کا آرٹ ہو سکتا ہے اگرچہ وہ دیکھنے والوں کے لئے فردوسِ نظر ہو اور وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اس آرٹ نے ان پر جنت کا ایک دروازہ کھول دیا ہے اور خدا کی قدرت کے رازہائے سربستہ ان پر آشکار کر دیے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خودی کی تگ و دو سے مادی طور پر ترقی یافتہ بن جانا یا اس جہان سحر و شام کے ادوار میں سے دور جدید کا انسان بن جانا ایسے کارہائے نمایاں بھی حق و باطل اور زشت و زیبا کی اس حریفانہ کشمکش سے...... جو انسانی زندگی کی ایک خصوصیت کے طور پر انسان کے ضمیر کے اندر اور باہر جاری ہے' انسان کو نجات نہیں دلا سکتے۔ اس سے نجات پانے کا طریق صرف یہ ہے کہ انسان خدا پر ایمان لائے اور خدا کی محبت کو ترقی دے کر کمال پر پہنچائے۔ اس زمانہ کے کافر نے ایک نئی قسم کی بت پرستی کو' جس میں لات و منات کی بجائے وطن اور قوم اور رنگ و نسل کو اصنام بنایا جاتا ہے' اپنا شعار بنا لیا ہے۔ خدا سے بیگانگی کے اس زمانہ میں اس کافر سے ہم اس سچے آرٹ کی توقع کیسے کر سکتے ہیں جو صرف عشق حقیقی سے زندگی پانے والوں کا ہی امتیاز ہے' وہ مر چکا ہے اور یہی اس کا آرٹ جو غیر حسن کو حسن' موت کو حیات اور قبر کی تاریک رات کو زندگی کی روشنی سمجھتا ہے اس کا جنازہ پڑھا رہا ہے۔

ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ ہنر کی تعمیر
فاش ہے چشمِ تماشا پہ نہاں خانۂ ذات!
نہ خودی ہے، نہ جہانِ سحر و شام کے دور
زندگانی کی حریفانہ کشاکش سے نجات!

Marfat.com

آہ! وہ کافرِ بے چارہ کہ ہیں اُس کے صنم
عصرِ رفتہ کے وہی ٹوٹے ہوئے لات و منات!
تو ہے میّت! یہ ہنر تیرے جنازے کا امام
نظر آئی جسے مرقد کے شبستان میں حیات!

انسان کی تمام اعلیٰ سرگرمیوں کا مقصد خودی کی حفاظت اور تربیت ہے

سرود اور شعر اور ہنر کی دوسری قسمیں ہی نہیں بلکہ ادب اور دین اور سیاست بھی انسان کے ایسے اعمال ہیں جن کا منبع بندۂ خاکی کا دل یا اس کی آرزوئے حسن ہے۔ یہ اعلیٰ قسم کے اعمال انسان کا خاص امتیاز ہیں اور حیوان کے حصہ میں نہیں آئے۔ ان کا مقصد خدا کی محبت کے اسی جذبہ کی تشفی اور خدمت اور اعانت ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات اور خدا کا خلیفہ اور ہم راز اور ہم کار بناتا ہے۔ ان اعمال کے نتائج اور فوائد میں سے ہر ایک اپنی قدر و قیمت میں ایک نایاب اور قیمتی موتی کی طرح ہے۔ لہٰذا اس میں ذرا شک نہیں کہ ان اعمال کا مقام ستاروں سے بھی بلند تر ہے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی خودی کی (یعنی خودی کی محبت کی جو فقط خدا کے لئے ہوتی ہے) حفاظت اور تربیت نہ کر سکے تو محض بے سود اور بیکار ہے کیونکہ اس سے زندگی کے مقصد کو اور اس عمل کے اپنے مقصد کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر وہ عمل خودی کی حفاظت اور تربیت کرنے والا ہے تو عین زندگی ہے۔ اس دنیا میں جن قوموں نے اپنے دین اور اپنے ادب کو خودی کی تربیت اور ترقی کے مقصد سے بے تعلق کر لیا تھا وہ ذلیل ہو کر رہی ہیں۔

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ!
ضمیر بندۂ خاکی سے ہے نمود ان کی
بلند تر ہے ستاروں سے ان کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ

Marfat.com

ہوئی ہے زیرِ فلک اُمتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ!

اگر آرٹ میں خودی کی تعمیر یعنی خدا کی محبت کی نشو ونما کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو خواہ وہ مصوری ہو یا شاعری ہو یا موسیقی ہو یا گانا وہ افسوناک ہے۔ انسان کے لئے زندگی خدا کی محبت ہے اور موت خدا سے دوری۔ لیکن افسوس کہ مکتب ہو یا مے کدہ (یعنی آرٹ جو حسن کی نمائش سے مست کرتا ہے) اس وقت دونوں بے خدا ہونے کی وجہ سے موت کا درس دے رہے ہیں۔ ہمیں جینا سیکھنا چاہئے اور اصل جینا خودی کا جینا ہے۔ اگر ہماری خودی زندہ ہو جائے تو ہم اس دنیا میں بھی زندہ رہیں گے اور اگلی دنیا میں بھی۔ بدن کی زندگی جو شرر کی طرح ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہماری اصل زندگی نہیں۔ انسان کی اصل بدن سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔ بدن روح سے ہے، روح بدن سے نہیں۔ زندہ رہنے کے لئے ہمیں وجود یا زندگی کے لوازمات اور مقدمات اور مدارج کو سمجھنا چاہئے۔

اے کہ ہے زیرِ فلک مثلِ شرر تیری نمود
کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود!
گر ہنر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نالے و سرود!
مکتب و میکدہ جز درسِ نبودن ندہند
بودن آموز کہ ہم باشی و ہم خواہی بود!

آرٹ کی تاثیر کا منبع

آرٹ یا ہنر کی ساری مشکلوں اور کوتاہیوں کا سبب سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جب ایک نے نواز اپنی نے سے اثر میں ڈوبی ہوئی مست کرنے والی سریں نکالتا ہے تو نے کی آواز میں شراب کا سرور کہاں سے آجاتا ہے۔ یقیناً اس کا منبع نے کی سوکھی ہوئی لکڑی نہیں بلکہ نے نواز کا دل ہے تو پھر یہ دل کیا چیز ہے۔ اس میں مست کرنے کی خاصیت اور اثر پیدا کرنے کی طاقت کہاں سے آئی ہے۔ یہی دل انسان کی خودی ہے جو اصل انسان ہے اور اس دل میں فقط

Marfat.com

ایک ہی آرزو ہے اور وہ آرزوئے حسن ہے جو صرف خدا کی محبّت سے مکمّل اور مستقل طور پر مطمئن ہوتی ہے۔ عبادت، علم، اخلاق اور ہنر ایسے اعمال انسان کی اسی آرزوئے حسن کے پہلو ہیں اور اسی کی اعانت کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ غلط اور ناقص اور نازیبا تصورات زیبائی کا لباس اوڑھ کر خدا کی محبت کے جذبہ کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں لیکن اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ غیر اللہ سے کٹ کر بالکل خدا کے لئے ہو جائے اور جب یہ کلیتاً خدا کے لئے ہو جاتا ہے تو انسان کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور وہ سچ مچ صاحب دل بن جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ صاحب دل ایک نگاہ سے شہنشاہ ایران کا تختہ اُلٹ سکتا ہے اور اس کی نگاہ میں روم اور شام اور اس کی سلطنتوں کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ جب دل خدا کی محبت سے زندہ ہوں تو قوم بھی زندہ ہوتی ہے اور جب دلوں سے خدا کی محبت رخصت ہو جائے اور دل مردہ ہو جائیں تو قوم بھی مر جاتی ہے۔ دل کی واردات پے بہ پے بدلتی رہتی ہیں کیونکہ اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی اس کی محبت کو رکاوٹوں کا سامنا ہونے لگے تو یہ جلالی صفات کا مظاہرہ کرتا ہے جس سے محبت کی رکاوٹوں کو فنا کر دیتا ہے اور جب اس کی محبت کو موافق حالات پیش آئیں تو یہ حریر و پرنیاں کی طرح نرم ہو جاتا ہے اور سراسر محبت نظر آنے لگتا ہے۔ اگر ایک فنکار کی ناقص نا تمام اور راہ گم کردہ محبت بھی اس کی نے کے نالوں میں کچھ اثر پیدا کر سکتی ہے تو پھر خود ہی سمجھ لیجئے کہ اگر اس کی محبت اپنے حقیقی محبوب کے لئے ہو گی اور درجہ کمال پر ہو گی تو اس کے نالۂ نے میں تاثیر اور مستی کس درجہ کی ہو گی اور اس کا فن عمدگی کے کس مقام پر ہو گا۔ اگر فنکار یہ راز پا جائے تو اس کو فن کی تمام مشکلات کا حل یہیں سے ملے گا۔

اقبال اس مضمون کو شعر میں بیان کرتا ہے:

آیا کہاں سے نالہ نے میں سرور مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے؟
دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے
کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے؟
کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے بہ پے

Marfat.com

کیا بات ہے کہ صاحب دل کی نگاہ میں
جچتی نہیں سلطنت روم و شام و رے
جس روز دل کی رمز مغنی سمجھ گیا
سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے!

ہنر کے کمال کا معیار

ایک فن کار کے متعلق بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اہل نظر ہوتا ہے، حسن کا ذوق رکھتا ہے اور حسن کو غیر حسن سے ممیز کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک فن کار خود فن کی حقیقت اور اس کے مقصد سے نا آشنا ہو تو ہم اسے اہل نظر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ہنر کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کی سچی محبت کا ایسا سوز پیدا ہو جو اس کو زندہ جاوید بنا دے۔ یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ ہنر کی تخلیق اس قسم کی ہو کہ وہ خدا کی محبت کی نشو و نما کر سکے۔ اگر فنکار غیر حسن کو حسن بنا کر پیش کرے تو اس کا فن بدن کی اس زندگی میں جو شرر کی طرح ایک دولمحہ کے لئے ہی ہوتی ہے، کسی قدر لذت یا سرور کا باعث ہو تو ہو لیکن نہ تو وہ خدا کی محبت کی تربیت کر سکے گا اور نہ ہی روح کی ابدی زندگی اور اس کی محبت کی ابدی سوز کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکے گا۔ لیکن بدن کی اس نفس یا دو نفس کی زندگی کی حقیقت کیا ہے کہ فنکار اپنے فن کو اس کا غلام بنا دے۔ ابر نیساں کا قطرہ اگر کسی صدف میں جا پڑے تو وہ گہر بن جاتا ہے۔ فن کار کا جوہر وہ قطرہ نیساں ہی سہی جو اس کے شاہکار کے صدف کو حسن کے گوہر تابدار سے پر کرتا ہے لیکن وہ صدف یا وہ گوہر جو قطرہ نیساں کے کمالات کی تخلیق ہونے کے باوجود دریا میں تلاطم پیدا نہ کر سکے دریا کے لئے بے حقیقت ہے۔ اسی طرح سے فن کار وہ شاہکار اور فن کا وہ حسن جو قوم کے اندر کوئی حرکت پیدا نہ کر سکے قوم کے لئے بے معنی اور بے کار ہے۔ باد سحر سے چمن میں پھول کھلتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ شاعر کی شاعری اور گانے والے کا گانا دونوں چمن قوم کے لئے باد سحر کا کام دے سکتے ہیں۔ لیکن وہ باد سحر بیکار ہے جس سے قوم کا گلستان شگفتہ ہونے کی بجائے مرجھا جائے۔ ایک ایسی قوم جو حالت جمود میں ہو جب تک اس کیلئے کسی معجزہ سے فکر و عمل کی نئی راہیں نہ کھل جائیں وہ انسانیت کی منزل مقصود کی طرف حرکت نہیں کر سکتی۔ ہنر ایسا ہونا چاہیئے جو عصائے کلیمی کی طرح ہو جس کی ایک ضرب سے بے آب و گیاہ

Marfat.com

بیابان میں پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے تھے جو ایک معجزہ کا حکم رکھتا ہو اور ایک حیرت انگیز فکری انقلاب سے قوم کو ارتقاء کے کھوئے ہوئے راستوں پر ڈال سکتا ہو۔ اقبال کہتا ہے:

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں — جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

خطرناک شاعری

اگر شعر خودی کی آرزوئے حسن کے اصل مقصود کو پیش نظر نہ رکھ سکے تو یہ انسانیت کے لئے نہایت ہی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ یہ فن کی اور قسموں کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ عوام تک پہنچ جاتا ہے، اس سے تھوڑے خرچ پر اور بار بار استفادہ کیا جا سکتا ہے، پھر یہ اظہار مطلب کے لئے زیادہ موزوں اور موثر ہے، انسانی جذبات کو زیادہ آسانی کے ساتھ اپنے ضبط میں لاسکتا ہے اور ہماری روزمرہ کی زندگی سے بآسانی تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ اگر شاعر مقصود حیات سے نا آشنا ہو تو پھر وہ زشتی اور نازیبائی کو حسن بنا کر پیش کرتا ہے انسان کے ارتقاء کی راہ میں ایک رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے موت کو زندگی اور زندگی کو موت کا رنگ دے کر سامنے لاتا ہے ایسا زہر تقسیم کرتا ہے جو شہد میں حل کیا گیا ہو بعض اوقات اس کا نقصان حساب سے باہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ لاتعداد انسانوں کی آرزوئے حسن کی غلط راہوں اور غلط منزلوں کی طرف راہ نمائی کر کے ان کو بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جن سے وہ مر کر ہی نجات پاتے ہیں۔ ایسے شاعر کا کلام پھول کو تازگی سے اور بلبل کو ذوق پرواز سے محروم کر دیتا ہے۔ گویا اس کے اثر سے نہ حسن میں شوخی باقی رہتی ہے اور نہ عشق میں گرمی۔ انسان خیالات کے بحر بیکراں میں غرق ہو جاتا ہے اور عمل سے بیگانہ ہو جاتا ہے اس کا کلام شراب کی سی مستی ضرور پیدا کرتا ہے لیکن ہر انسان کو اپنی خودی کی سلامتی کے لئے اس کی چمکتی ہوئی شراب سے بچنا چاہیے۔ جس بدقسمت قوم میں ایسا شاعر پیدا ہو وہ اجل سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

وائے قومے کز اجل گیرد برات　　شاعرش وا بوسد از ذوقِ حیات
خوش نماید زشت را آئینہ اش　　در جگر صد نشتر از نوشینہ اش
بوسۂ او تازگی از گل برد　　ذوقِ پرواز از دلِ بلبل برد
دریم اندیشہ اندازد ترا　　از عمل بیگانہ می سازد ترا
از خم و مینا و جامش الحذر　　از مۓ آئینہ فامش الحذر

مقدس شاعری

اس کے برعکس اگر شعر خودی کی آرزوئے حسن کے مقصود سے آگاہ ہو تو عالم انسانی کے ارتقاء کا ایک مفید اور موثر ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایسا شعر کہنے والے شاعر کے متعلق اقبال لکھتا ہے کہ اس کا سینہ حسن کی جلوہ گاہ ہوتا ہے جس سے حسن کا نور پھیلتا ہے۔ وہ اپنے شعر سے جس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے حسن میں اضافہ کر دیتا ہے۔ قدرت کا حسن بھی اس کے کلام کے جادو سے زیادہ دلکش اور محبوب ہو جاتا ہے اس کا فکر بلندی میں چاند اور ستاروں تک پہنچتا ہے وہ زشتی کو جانتا ہی نہیں اور حسن کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ قافلے اس کی بانگ درا سے اس کے پیچھے اپنی منزلوں کی طرف چل پڑتے ہیں۔

سینۂ شاعر تجلی زارِ حسن　　خیزد از سینائے او انوارِ حسن
از نگاہش خوب گردد خوب تر　　فطرت از افسونِ او محبوب تر
فکرِ او با ماہ و انجم ہم نشیں　　زشت را نا آشنا' خوب آفریں
کاروانہا از درایش گام زن　　درپۓ آواز نالیش گام زن

جس طرح سے دل جسم کے اندر احساسات کا مرکز ہوتا ہے' شاعر ایک قوم کے لئے جذبات اور احساسات کا مرکز ہوتا ہے وہ اپنی محبت کے سوز سے جو شاعری کی جان ہے' ایک نئی دنیا پیدا کرتا ہے۔ خدا کی محبت کا سوز کائنات کے ہر ذرہ میں ہے اسی سے پوری کائنات کی تعمیر ہوئی ہے۔ وہ شاعری جو اس سے خالی ہے ایک طرح کا ماتم ہے۔ اگر شعر کا مقصود خدا کی محبت کی بنیاد پر انسانیت کی تعمیر ہو تو وہ نبوت کا وارث ہے۔

شاعر اندر سینہ ملت چو دل　　ملتے بے شاعرے انبار گل

Marfat.com

سوز و مستی نقشبند عالمے است — شاعری بے سوز و مستی ماتمے است

شعر را مقصود اگر آدم گری است — شاعری ہم وارث پیغمبری است

لہٰذا اقبال شاعر کو دعوت دیتا ہے کہ وہ زندگی کے مقصد کو اپنے ہنر کا معیار قرار دے۔ اگر اس کی شاعری خدا کی محبت کو فروغ دینے کے کام آ رہی ہے تو قابل قدر ہے ورنہ نہیں۔

اے میانِ کیسہ ات نقد سخن

بر عیارِ زندگی او را بزن

اگر ہنر کار کا ہنر خدا کی محبت کے جذبہ کی عملی تسکین اور تشفی کے لئے کام نہیں آ رہا تو وہ یقیناً قوموں کی بربادی کا سبب بنے گا۔ ایسے ہنر سے گریز واجب ہے۔

نہ جدا رہے نوا گر تب و تابِ زندگی سے

کہ ہلاکئ امم ہے یہ طریقِ نے نوازی!

غلام اور کافر کا آرٹ

چونکہ آرٹ خودی کی آرزوئے حسن کے آزادانہ اظہار پر موقوف ہوتا ہے' ایک غلام یا ایک ایسا آدمی جس کا تصور حقیقت صحیح نہ ہو اعلیٰ قسم کا آرٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اکثر اوقات اس کے آرٹ کا مقصد یا فطرت کی نقل ہوتا ہے یا ان افراد کے ذوق کی ترجمانی اور خدمت گزاری جن کو یہ آرٹ محظوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایک غلام اپنی پوری آرزوئے حسن کے مطابق ایجاد و تخلیق کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خودی اپنے صحیح تصورِ حقیقت کے لئے نہیں بلکہ اپنے آقاؤں کے غلط تصورِ حقیقت کے لئے سوچنے اور کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی ایجاد و تخلیق کی قوتیں اپنا آزادانہ اور مکمل اظہار نہیں پا سکتیں۔ اس کا آرٹ جدت کے وصف سے عاری ہوتا ہے۔ آرٹ حسن کے آزادانہ اظہار کا نام ہے۔ چونکہ غلام کا آرٹ حسن کا آزادانہ اظہار نہیں ہوتا لہٰذا وہ سچا آرٹ بھی نہیں ہوتا۔ ایک فن کار اپنے آرٹ میں اپنے آپ کا مکمل آزادانہ اظہار اسی صورت میں کر سکتا ہے جب اس کی خودی ہر قسم کے زشت اور ناقص تصوراتِ حقیقت کے اثر سے آزاد ہو۔ ناقص تصوراتِ حقیقت چونکہ خودی کی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے وہ

Marfat.com

اس کی آزادی کو سلب کر کے اسے اپنا غلام بنا لیتے ہیں، جس کے بعد وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں خودی آزادانہ تخلیق کے قابل نہیں رہتی۔ لہٰذا خدا سے کفر اور غلامی دونوں حالتیں اعلیٰ قسم کے آرٹ کے لئے سازگار نہیں۔ بلند ترین سطح کا آرٹ صرف اسی حالت میں ممکن ہے جب فن کار کی خودی ہر قسم کے غلط تصورات حقیقت کے اثر سے مکمل طور پر آزاد ہو، خواہ یہ اثر کفر سے پیدا ہو یا غلامی سے۔ غلامی کی حالت میں پیدا ہونے والے فنون لطیفہ کے اندر کئی قسم کی ہلاکتیں مخفی ہوتی ہیں۔ غلامی کے ساحرانہ اثرات کا ذکر کیا کیا جائے، غلام کی فنی مخلوقات اُس کے دل ہی کی طرح بے نور ہوتی ہیں، اس کی سُریں اس کے دبے ہوئے دل و دماغ ہی کی طرح پست ہوتی ہیں، اس کی نَے کی آواز ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ غلام ہے۔ اس کا ساز انسانوں کی ایک پوری بستی کے لئے موت کا پیغام ہوتا ہے۔

مرگ ہا اندر فنون بندگی — من چہ گویم از فسون بندگی
چوں دل او تیرہ سیمائے غلام — پست چوں طبعش نوا ہائے غلام
از نے او آشکارا راز او — مرگ یک شہر است اندر ساز او

یک نظر آں گوہرِ نابے نگر — تاج را در زیرِ مہتابے نگر
مرمرش ز آبِ رواں گردندہ تر — یک دم آنجا از ابد پائندہ تر
عشقِ مرداں سرِّ خود را گفتہ است — سنگ را با نوکِ مژگاں سفتہ است
عشقِ مرداں پاک و رنگیں چوں بہشت — می کشاید نغمہ ہا از سنگ و خشت
عشقِ مرداں نقدِ خوباں را عیار — حسن را ہم پردہ در ہم پردہ دار
ہمتِ او آنسوئے گردوں گذشت — از جہانِ چند و چوں بیروں گذشت
زانکہ در گفتن نیاید آنچہ دید
از ضمیرِ خود نقابے بر کشید

Marfat.com

12

مجاہدانہ لائف سٹائل

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

اسوۂ کامل کا عکسِ جمیل

قیامِ نظامِ خلافت کی جدوجہد

کے ساتھ

کامل اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(حکمت بالغہ فروری 2010ء)

Marfat.com

نظامِ خلافت کے قیام کے داعیوں کے نام

آج الحمدللہ اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کی اصطلاح عام ہے اور ہر منبر و محراب سے یہ صدا آرہی ہے نظام خلافت کا نعرہ بھی فضا میں موجود ہے اس لئے کہ قرآن و سنت کی بالادستی اور منہاج النُّبوہ کے طرز پر حکومت بنانے کو ہی نظام خلافت کہتے ہیں۔ گویا اسلامی ریاست، اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کا مفہوم ایک ہی ہے کہ دورِ حاضر میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو نافذ کر کے ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیا جائے۔

نظام خلافت کے قیام کے لئے بہت سے لوگ مختلف انداز میں مصروفِ عمل ہیں۔ یہ مرحلہ عمل کا داعی ہے اور ایسی جماعتوں سے وابستہ حضرات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں تاہم ــــــ اطاعت رسول کے ساتھ ساتھ اتباع رسول ﷺ کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ ماضی قریب میں اتباع رسول کے نام سے بھی ــــــ حضرت محمد ﷺ کے طرز زندگی کو سنت عادت اور سنت نبوت و رسالت کے عنوانوں میں تقسیم کر کے اپنے لئے سنت عادت سے بچنے کی سبیل پیدا کی گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر ہر عمل فطرت انسانی کے عین مطابق ہے (بشرطیکہ آپ ﷺ سے ثابت ہو) آپ کی زندگی میں "عادت" کے تحت بھی ایک ایسے اُسوہ اور LIFESTYLE کا سراغ ملتا ہے ــــــ جو ہمیں حقیقی مسلمان ــــــ مردِ مجاہد اور سرگرم داعی بنا سکتا ہے۔ لہٰذا آج کے نظام خلافت کے داعیان کو اپنے آپ کو ایک مجاہد کی زندگی گزارنے کے لئے اتباع رسول ﷺ کا پورا اہتمام کرنا چاہئے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سنت عادت کا بھی اہتمام ضروری ہے کہ ــــــ یہی فطرتِ انسانی ہے اور فاطر فطرت کا منشا ہے۔

Marfat.com

مسلمانوں کے لئے عملی زندگی میں قرآن وسنت کی بڑی اہمیت ہے۔ 'سنت' کے تو معنی ہی سنت رسول ہیں اور اس کا تعلق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے ہی جڑا ہوا ہے۔ قرآن مجید بھی عملاً حضرت محمد ﷺ پر اُترا اور انہیں کی لسانِ حق ترجمان سے ادا ہو کر انسانوں کے گوش گزار ہوا ـــــ لہٰذا قرآن مجید کی اہمیت کی طرح قرآن مجید لانے والے کی بھی اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں اور اظہر من الشمس ہے۔ بقول حالی

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ قرآن مجید خالق کائنات کا پیغام ہے انسانوں کے نام۔ لہٰذا قرآن وسنت کو ماننے کا حاصل یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں انسان کے اندر ایسا مطمع نظر پیدا ہو کہ تمہارا خالق تم سے کیا چاہتا ہے؟ تمہیں کیسا دیکھنا چاہتا ہے؟ اور اس کی عملی تفسیر خود حضرت محمد ﷺ ہیں کہ انہوں نے اس قرآن مجید کو وصول کیا، سمجھا، بیان کیا اور ہر طرح کی مشکلات وموانعات کے باوجود پورے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا اور آپ ﷺ کے مخاطبین اوّل صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کو، قرآن مجید کو اسی طرح دیکھا اور پرکھا، عمل کیا اور محفوظ کیا ـــــ اور بعینہٖ دوسروں تک پہنچا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب ایک صحابی سعد ابن ہشام نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا آپؓ نے فرمایا: اَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ ''کیا آپ لوگ قرآن مجید نہیں پڑھتے؟'' اور پھر فرمایا: فَاِنَّ خُلُقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآن (ابوداؤد) آپ کے اخلاق (مبارکہ) قرآن ہی (کا عکس جمیل) تھے۔ یعنی آپ مجسم قرآن مجید تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی پیروی میں جو امتی بھی امکانی حد تک آپ کا اتباع کرے گا (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کر دکھایا اور بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ منزل بن کر اُبھرے) وہ بھی بقول علامہ اقبال

Marfat.com

؎ ہر لحظہ مؤمن کی نئی شان نئی آن
کردار میں، گفتار میں، اللہ کی برہان
یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

علامہ اقبال نے اپنے فارسی کلام میں ایک جگہ ایک مشہور صوفی کے حوالے سے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد لوگ خواب میں دیدار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترستے ہیں اور اس کے لئے کئی مصنوعی حیلے بہانے اور اوراد و وظائف کرتے ہیں حقیقت میں اگر لوگ کامل اتباع رسول کریں اور اپنے من میں ایمان یعنی اللہ کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے ساتھ تن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کا بنالیں یعنی وضع قطع بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کرلیں اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالیں تو یہ دیدار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوگا اور ــــــ یہی ''قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن'' کا منظر بھی۔

یہ بڑی بنیادی حقیقت ہے کہ جب قرآن مجید ہم تک لانے والے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قرآن مجید کے شارح اور مفسّر بھی وہی ہیں تو آپ کو اپنا محسن بلکہ محسنِ انسانیت کہنا عین کلمۂ حق ہے قرآن مجید میں سورہ یٰسین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام و مرتبہ بڑے حسین اور مدلّل انداز میں آیا ہے۔ فرمایا:

یٰسٓ

یہ حروف مقطعات ہیں اور اُمّت کا اتفاق ہے کہ اس کے قطعی معنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نزولِ قرآن کے زمانے میں ایسے الفاظ کا رواج تھا جیسے حضرت سلطان باہو کے کلام میں

ا۔ اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو

یا د۔ دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہو

اسی لئے کفار مکہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور ہدایت خداوندی کے لئے ان الفاظ کے معنی بتانا ناگزیر نہیں تھا ورنہ ضرور بتا دیے جاتے۔ نیز یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک میں

Marfat.com

سے بھی ایک ہے۔

وَ الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ

''حکمت سے لبریز یہ قرآن مجید گواہ ہے''

یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع میں آیا ہے کہ اس قرآن مجید جیسی عبارت (چاہے ایک ہی سورت ہو) بنانا کسی انسان کے لئے قطعی ناممکن ہے۔ لہٰذا ـــــ یہ قرآن مجید کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خاص افراد میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام اترتا رہا ہے اور جنہیں تاریخ میں نبی (PROPHET) یا رسول (MESSENGER) کہا گیا۔ گویا قرآن مجید کا نزول اور آج تک محفوظ چلے آنا اس بات کا واضح ترین ثبوت ہے کہ اس کتاب کے لانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تھے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

''بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں''

مزید برآں چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے لہٰذا آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی منفرد اور 'کتاب عزیز' یعنی نادر کتاب ہے ـــــ اس استدلال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید اترا ہے اور قرآن مجید ایک منفرد کلام اور ''کلامِ آخرین'' ہے اور اس کتاب کے شارح اور مفسّر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی وضاحت کرنے والے معلّم بھی آپ ہی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ـــــ ہم مسلمان ان حقائق کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو بڑی دل لگتی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم' پر ہیں

ہم سب مسلمان نماز میں روزانہ درجنوں مرتبہ جس صراط مستقیم کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی طرف رہنمائی کی استدعا کرتے ہیں اس راستے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اور وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ ذرا سا غور فرمایئے اور توجہ کیجیے عقل عام (COMMON SENSE)

Marfat.com

بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ ''صراط مستقیم'' نبی اکرم ﷺ کے ''اسوۂ حسنہ'' اور LIFESTYLE کا نام ہے اسی کو ''سنت'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے آپ ﷺ کی پوری زندگی اور مجموعی طور پر کل زندگی ہی ''سنت'' کی شرح ہے۔ تاہم آپ ﷺ کے ''خلق'' اور خصائل جو کہ قرآن مجید کی تفسیر مجسم ہیں کو سنن اور سنتیں بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ یقیناً تحقیق و جستجو اور نقد و جرح کے بعد جو سنت اور حدیث صحت کے ساتھ سامنے آجائے اس پر عمل درآمد اطاعت رسول اور اتباعِ رسول کا تقاضا ہے اور آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے اعتراف کا لازمی نتیجہ۔

ابھی صراطِ مستقیم کا لفظ آپ ﷺ کے حوالے سے آیا تھا اور اس کا تذکرہ سورہ فاتحہ میں بھی ہے یہ لفظ بذاتِ خود غور طلب ہے عام طور پر اس کا سلیس ترجمہ ''سیدھا راستہ'' کر دیا جاتا ہے۔ تاہم یہ اصطلاح گہرے غور و خوض کی متقاضی ہے۔ سیدھا راستہ، سیدھا چلنا، سیدھا کر دینا کے الفاظ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

عربی میں ''مستقیم'' کا لفظ استقامت سے بنا ہے اور باب استفعال میں اسم فاعل ہے۔ یعنی ہمارے ذہن کے مطابق اس کے معنی بنتے ہیں مُستغفرِ مغفرت چاہنے والا کی طرح مستقیم ـــــ استقامت چاہنے والا۔ یعنی مستقیم کے معنیٰ میں استقامت کا مفہوم پوشیدہ ہے بالفاظ دیگر سیدھا راستہ یا صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چلنا استقامت چاہتا ہے۔ مشکلات، موانع، ادھر ادھر کے آسان اور دلکش راستوں سے صرف نظر کر کے صرف حضرت محمد ﷺ کے راستے اور اُسوہ پر چلتے رہنا ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے اور یہ حضرات صدیقین جن میں سے صدیق اکبر تھے حضرت عبداللہ بن ابی قحافہ المعروف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ان کے علاوہ اور بھی صدیق تھے مردوں میں سے بھی اور خواتین میں سے بھی جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ (الصدیقۃ) الکبریٰ رضی اللہ عنہا وغیرہما۔

حضرات شہداء کرام ہیں پورے دین پر چل کر زندگی بھر گواہی دیتے ہوئے ضرورت پکارے تو جان دے کر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے وفاداری نبھا دینا شہادت ہے کئی احادیث میں آپ ﷺ نے شہید کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

Marfat.com

اَلْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَ الْحَرِيقُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْبُ شَهِيْدٌ وَ الْمَلْدُوْغُ شَهِيْدٌ وَ الْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَ مَنْ يَقَعُ عَلَيْهِ الْبَيْتُ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ يَقَعُ مِنْ فَوْقِ الْبَيْتِ فَتَنْدَقُّ رِجْلُهُ أَوْ عُنُقُهُ فَيَمُوْتُ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ تَقَعُ عَلَيْهِ الصَّخْرَةُ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ الْغَيْرٰى عَلٰى زَوْجِهَا كَالْمُجَاهِدِ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهَا أَجْرُ شَهِيْدٍ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ نَفْسِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَخِيْهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ جَارِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ الْآمِرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهِىْ عَنِ الْمُنْكَرِ شَهِيْدٌ (ابن عساکر)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ڈوب کر مرجائے وہ شہید ہے اور جو جل کر مرجائے وہ شہید ہے اور مسافر (اجنبی) مرجائے وہ شہید ہے اور جو جانور کے ڈسنے سے مرجائے وہ شہید ہے اور جو پیٹ کی تکلیف سے مرجائے وہ شہید ہے اور جس پر مکان گرجائے وہ شہید ہے اور جو مکان کے اوپر سے گر گیا پھر اس کی ٹانگ یا گردن ٹوٹ گئی اور وہ مرگیا تو وہ شہید ہے اور جو پتھر کی چٹان گرنے سے مرجائے وہ شہید ہے اور اپنے شوہر پر غیرت کھانے والی عورت اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے (وہ جان دے دے تو) اس کے لیے شہید کا اجر ہے اور جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ شہید ہے جو اپنے بھائی کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور جو اپنے پڑوسی کی حفاظت میں قتل ہوجائے وہ شہید ہے اور نیکی کا امر کرنے والا اور برائی سے روکنے والا (جان کی پرواہ کیے بغیر) شہید ہے۔''

یعنی قرآن مجید کے بتائے ہوئے 'صراط مستقیم' پر چلنے کے لئے حضرت محمد ﷺ کی اتباع میں زندگی گزارنے والا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت شہادت کے مقام پر ہے اسی معنی میں آپ ﷺ شاہد اور شہید ہیں اور اسی کی گواہی آپ ﷺ قیامت کے دن دیں گے وہاں بھی شہید کہلائیں گے اور اسی معنی میں امت مسلمہ بھی شہید بمعنی عمل و کردار سے دین کی گواہی

Marfat.com

دینے والی ہے کہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا......(143-02)

''اوراسی طرح ہم نے تم کوامت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ بنیں''

یہی مضمون سورہ حج کی آخری آیت میں بھی وارد ہے۔

صدیقین اور شہداء کے بعد عام صالح مسلمان بھی صراط مستقیم پر چل کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق بنتے ہیں۔

صالحین یا مسلمان عوام میں سے ذرا نمایاں اور دین پر چلنے والے افراد سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا تصور دین واضح ہے اور دین کے بارے میں فرائض واجبات سنن مؤکدہ اور سنن غیر مؤکدہ کے علاوہ مستحبات کو بھی سمجھتے ہیں تاکہ جس وقت کوئی کام کریں تو معلوم ہو کہ یہ کس درجے کا کام ہے اور کوئی کام رہ جائے تو واضح ہو کہ کس درجے کی کوتاہی ہوئی ہے۔ اگر یہ فرق واضح نہیں ہوگا تو عین ممکن ہے کہ کسی مسلمان سے فرائض و واجبات ترک ہو جائیں تو وہ اتنا پریشان اور غمزدہ نہ ہو جتنا کہ کسی سنت غیر مؤکدہ اور مستحب کے چھوٹ جانے سے پریشان ہو جائے یہ ایک غیر متوازن سوچ کا نتیجہ ہے اور انفرادی سطح پر بڑھتے بڑھتے بڑی مہلک نتائج پیدا کرتا ہے اور یہ مرض جب کسی اجتماعیت میں سرایت کرتا ہے تو وہ معاشرہ اور قوم یا امت عمل سے فارغ ہو جاتی ہے، جہاد و قتال، تبلیغ و شہادتِ حق جیسے فرائض کی ضرورت محسوس نہیں کرتی جب کہ مستحبات پر عمل پیرا رہتی ہے۔ حتیٰ کہ نوافل عبادات کا شوق نمایاں ہو جاتا ہے اور اس میں بھی دوسروں کو دکھا کر کوئی نیکی کرنا یا نیکی کر کے تذکرہ اور چرچا کرنا انسان کا وطیرہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح ممنوعات اور منکرات کے ذیل میں جب تک انسانی حس تیز نہ ہو اور ذہن میں اوامر کی طرح بچنے کی چیزوں کی بھی درجہ بندی واضح نہ ہو تو انسان اس میں بھی ٹھوکر کھاتا ہے بچنے کی چیزیں اور منکرات وہ کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ اس کی درجہ بندی یہ ہے سب سے ممنوع شے حرام کہلاتی ہے گویا اس کے قریب نہیں جانا ہاتھ نہیں لگانا

Marfat.com

اور اختیار نہیں کرنا۔شبہ حرام ـــــــــ جس چیز کے بارے میں حرام کا عنصر غالب ہو۔ پھر مکروہات کا وسیع دائرہ ہے اس میں بعض مکروہات تحریمی ہیں کہ یہ مکروہ کام حرام کے قریب ہے یا حرام تک لے جاتا ہے پھر اس کے بعد مکروہ تنزیہی ہے۔

یہ ساری تفصیل انسانی علم میں واضح اور مستحضر ہو تو انسان اس پر عمل درآمد کر سکتا ہے عوام نہ سہی کم از کم عوام میں سے نمایاں افراد "صالحین" کو تو ضرور ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور انہیں میں سے آگے بڑھیں تو پھر شہداء اور صدیقین کے مراتب ہیں۔ شہادت اور صدیقیت کے بھی بس ایک درجے کے فرق سے لوگوں کے گروہ نہیں بلکہ مزاجاً صدیق ہونے اور عملاً شہادت حق کی جدوجہد کے ساتھ انسانوں کے حالات، افتادِ طبع، وسائل، فطری میلانات، خاندانی اور علاقائی ماحول اور مواقع کے لحاظ سے ہر انسان کا اپنا مقام اور ہزاروں درجے ہیں۔ شہداء کے بے شمار درجے ہیں اور صدیقین کے بھی درجے ہیں حتیٰ کہ خود خالق کائنات نے فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْض (253:02)

"یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"

یعنی اہل ایمان میں صالحین، شہداء اور صدیقین کی ایک بڑی تقسیم ہے اور اس کے اندر پھر انسانوں کے ذاتی اعمال کے مطابق بہت سے درجے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حد تک تو قرآن مجید میں بڑی صراحت ہے یہ اعلیٰ مقام ہم نے انسانوں کو دیا ہے اور انسانوں میں سے بھی صرف مرد حضرات کو عطا فرمایا قرآن پاک میں رَجُلٌ اور رِجَالٌ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ مقام خواتین کے حصے میں نہیں آیا اس کی بے شمار حکمتیں خالق ارض وسماء کے علم میں ہیں وہ مرد وعورت کی فطرت سے کماحقہٗ واقف ہے، اس نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کس انسان میں کیا صلاحیت رکھی ہے اور کس انسان سے کیا کام لینا ہے۔

تاہم جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام لوگوں کو دین سکھانا اور دوسروں پر دین کی گواہی دینا تھا اور اس کے لئے خارج کی دنیا میں بھاگ دوڑ، جدوجہد، جنگیں،

Marfat.com

مہمیں اور خطرات سے نمٹنا تھا لہٰذا ان مشکلات سے اس فاطر فطرت نے عورت کو بچایا اور اس کی خلقی ذِمہ داریاں انسانوں کی اگلی نسل (یعنی جو لوگ آج سے تیس سال بعد دنیاوی معاملات کے باگ دوڑ سنبھالیں گے حکمران، وزیر، سپہ سالار، جرنیل، تاجر، علماء، صوفیاء وغیرہ) وہ آج ماں کی گود میں زیر پرورش ہیں ماں کی حیثیت سے عورت کی اصل ذمہ داری ان نونہالوں کی صحیح پرورش و پرداخت ہے کہ وہ کل بڑے ہو کر اچھے مسلمان اور اچھے انسان بن کر زندگی گزار سکیں۔

تاہم نبوت کے بعد کے درجات صدیقیت، شہادت اور صالحیت میں خواتین مردوں کے ساتھ ان درجات میں برابر کی شریک ہیں۔ یہ شانہ بشانہ کام کرنے کی بات نہیں ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں خواتین کو بھی مردوں کے مساوی نمائندگی کا معاملہ اور ہر دفتر اور ہر کمرے میں مردوں اور خواتین کی تعداد برابر کر دی جائے بلکہ مرد اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور خواتین اپنے فرائض ادا کریں اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے اندر رہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کا جانچے گا اور عورتوں کو جانچے گا کہ ہر ایک نے اپنے دائرہ کار میں کتنی صحت کے ساتھ کتنا کام کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر آخرت میں درجات عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ کا اُسوہ حسنہ

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہتر نمونہ ہے''

آپ ﷺ پیغمبر تھے اور آپ کا طرز زندگی اور LIFE STYLE اہل ایمان کے لئے ایک ROLE MODEL اور سراپا نمونہ ہے۔

اُمت کے تمام افراد کے لئے یہ لازمی ہے بلکہ انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح کے لئے ناگزیر ہے اور ہم اس اُسوہ کے محتاج ہیں اگر یہ اُسوہ میسر نہ ہوتا تو انسان کے لئے فلاح ناممکن تھی۔ انسان اپنی فکر اور مشاورت سے اس اُسوہ اور ہدایت تک نہیں پہنچ سکتا۔

مجموعی طور پر آپ ﷺ کی زندگی تمام انسانوں اور ہر دور کے انسانوں کے لئے قیامت تک ایک مکمل اور کامل نمونہ ہے۔ بلکہ آپ کی ختم نبوت اور ختم رسالت کا تقاضا ہے کہ آپ

Marfat.com

ہی کا اُسوہ (LIFE STYLE) مثالی اور کامل ہے اور دنیا کے ہر گوشے میں رہنے والے انسان کے لئے IDEAL ہے بلکہ آپ ﷺ کے اُسوے کے سوا (دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے اُسوہ جات ہو سکتے تھے اور اپنے دور میں اپنی اُمتوں کے لئے لازمی بھی تھے مگر وہ اپنی اصلی حالت ہی میں محفوظ نہیں رہ سکے اور آج آپ ﷺ سے قبل کے انبیاء کے متبعین چاہیں بھی تو اپنے پیغمبر کا اُسوہ سامنے نہیں لا سکتے) کوئی اُسوہ دنیا میں میسر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا پوری زندگی کے لئے اور ہر مزاج کے انسان کے لئے واحد کامل اور مکمل یا معتبر (AUTHENTIC) اور محکم حوالہ جات سے مزین اُسوہ صرف حضرت محمد ﷺ کا اُسوہ ہے جو دنیا کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ــــــ آج نہیں تو کل دنیا محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کے اُسوہ کو زندگی گزارنے کا واحد طریقہ تسلیم کرے گی۔

مجموعی طور پر آپ ﷺ کا اسوہ تمام اہل ایمان کے لئے نمونہ ہے تاہم ہر شخص بادنیٰ تأمل سمجھ سکتا ہے کہ "مرد" کی زندگی عورت کے لئے نسوانی معاملات میں کیسے نمونہ ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ خواتین (جو عمر، مزاج، کنبہ، قبیلہ، ذہنی سطح اور علاقائی تقسیم میں مختلف تھیں) آپ ﷺ کے گھر میں جمع فرما دیں (انسان نسوانی معاملات اپنی بیٹی، بہو، بہن کو اس طرح نہیں سمجھا سکتا جیسے بیوی کو سمجھا سکتا ہے) پھر ان خواتین کو خاص مقام دیا اُمہات المؤمنین کا درجہ دیا ان کو سابقہ تجربات، یادوں، اُمنگوں اور روایات سے خوب پاک کیا اور انہوں نے ازواجِ مطہرات کا لقب پایا تا کہ آپ ﷺ ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نسوانی معاملات کی تعلیم دیں اور یہ بلند مرتبہ خواتین امت کی تمام خواتین کے لئے نسوانی معاملات میں اسوہ کاملہ بن جائیں۔ نیز ان ازواجِ مطہرات کے لئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد نکاح پر پابندی لگا دی تا کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیم ضائع نہ ہونے پائے۔ آج خواتین کے لئے نسوانی معاملات میں یہی ازواج مطہرات ہی اسوہ کاملہ ہیں۔

آپ ﷺ کا اُسوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی کامل پیروی یعنی ــــــ "بندگیٔ رب" کا مظہر تھیں اور عملی زندگی میں دین کی گواہی دینے اور دوسروں کے لئے نمونہ بننے کا جذبہ ان کی زندگیوں کا عنوان تھا اور یہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کی ذمہ داری پہلے بھی اور آج بھی ہے۔

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کی زندگی کو الفاظ میں بیان کریں تو ایک متحرک اور فعال شخصیت کا سراپا نقشہ سامنے آتا ہے، ایک مجاہد کی زندگی کا ہیولہ ابھرتا ہے اور یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے شہادت حق کی جدوجہد اور جہاد و قتال نکال دیں تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نقشہ بھی ایک مرد مجاہد کا نقشہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے۔

اتباعِ رسول ﷺ میں آج ہمیں بھی اصلاً ایک مجاہد کی زندگی گزارنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور ایک متحرک شخصیت کے ساتھ DYNAMIC انداز میں جوش و خروش اور جذبے و شوق کے ساتھ فلاح اُخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر بے لوث انداز میں کام میں لگے رہنا اور دینی تقاضے پورے کرتے رہنا ہی ایک بندہ مومن کے لئے سیرت کا پیغام اور اُسوۂ حسنہ کا عکس ہے۔

مردِ مومن اور جہاد

جب تک دنیا قائم ہے اور خیر وشر کا معرکہ جاری ہے اس وقت تک جہاد باقی رہے گا اور اہل ایمان کے جذبوں، ولولوں اور شوق جہاد و شوق شہادت کا امتحان ہوتا رہے گا۔ میدان بدلتے رہتے ہیں تاہم اہل ایمان کے ولولے بھی وہی اور نجات اُخروی کا شوق بھی وہی باقی ہے اور باقی رہے گا۔

یہ معرکہ خیر وشر اس وقت تک جاری رہنا ہے جب تک دنیا میں ایک دفعہ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب نہیں ہو جاتا اور اتمام حجت نہیں ہو جاتا کہ دین پر چل کر بھی عالمی سطح پر حکومت چلائی جاسکتی ہے اور ایک حقیقی فلاحی ریاست صرف آسمانی ہدایت کے تابع ہی قائم ہو سکتی ہے جیسے پہلے خلافت راشدہ قائم ہوتی تھی بعینہٖ کل روئے ارضی پر خلافت کا نظام قائم ہونا ہے حضرت محمد ﷺ نے اس کی بشارتیں دی ہیں۔

اتباعِ رسول ﷺ کا شوق اور مجاہدانہ زندگی کی امنگ ہو تو آج بھی حضرت محمد ﷺ کا LIFESTYLE ہی واحد کم سے کم قابل عمل طریقہ ہے جس پر ہر مسلمان چل سکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا اُسوہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اونچے طبقات کے لئے نہیں، صرف

Marfat.com

ہوائی جہازوں کے سفر، پُر سہولت اور پُر کشش سفر، نفیس اور آرام دہ گھر اور پُر تکلّف ذاتی سواری والوں کے ہی نہیں بلکہ غریب دیہاتی سب کے لئے ہے۔ایک بدو کے لئے بھی اور ایک جدید یونیورسٹی کے پروفیسر کے لئے بھی، ایک دیہاتی کے لئے اور چاند اور مریخ پر سفر کرنے والے کے لئے بھی۔اور دین کے تقاضے وہی ہیں کہ بندہ مؤمن کو اللہ کی بندگی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے رہن سہن میں مجاہدانہ طرز زندگی اختیار کرنا چاہیے۔

جب مجاہدانہ زندگی کی بات ہوگی تو جنگی تربیت، مشقیں، فوجی پریڈ اور ہتھیاروں کا استعمال ایک علیحدہ شئے ہے اور مجاہد کا مزاج اور شئے ہے۔مجاہدانہ مزاج ہر دم سرگرم، فعال، سادہ مزاج اور مشن سے محبت کرتے ہوئے موت سے نہ ڈرنا جیسے اوصاف سے عبارت ہے۔اگر یہ بات صحیح ہے تو ــــــ آیئے غور کیجیے ــــــ ذہن بنایئے اور مجاہد کی زندگی میں جو بھی مشکلات آتی ہیں اور ROUGH اور TOUGH زندگی کے مراحل سامنے آتے ہیں اُن کے لئے تیار رہئے۔بلکہ ــــــ روزانہ تھوڑا وقت نکال کر اس کی مشق کیجیے ــــــ اپنے آپ کو عادی بنایئے، تکلفات ہٹا دیجیے، پروٹوکول ختم کر دیجیے، اپنے کام خود کرنے عادت ڈالیے اور اپنا بوجھ کسی صورت میں بھی دوسروں پر نہ ڈالنے کا عزم کیجیے۔یہی مجاہدانہ زندگی کے خدوخال ہیں۔

آپ ذرا سوچ کر بتا سکتے ہیں کہ جو سہولتیں آج ایک اوسط درجے کے شہری مسلمان کو میسّر ہیں کیا میدان جہاد میں ایک مجاہد کو میسر آتی ہیں۔آج بھی دنیا میں جنگ جاری ہے اور جہاد ہو رہا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ مجاہدین کو کوئی تکلیف نہ ہو ــــــ راشن ختم نہ ہو اسلحہ ختم نہ ہو، فرسٹ ایڈ کا سامان میسّر رہے، ضروریات زندگی بہم پہنچتی رہیں ــــــ تاہم کیا اس کی گارنٹی ہے کہ زندگی میں ایک مجاہد کو ایسے مواقع نہیں آئیں گے جہاں وہ ان سہولتوں سے یکسر محروم ہو اور اُسے کوئی سہولت میسّر نہ ہو؟ کیا آپ نے ایسے وقت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رکھا ہے؟

ٹھنڈے دل سے ذرا اپنے آپ سے سوال کر کے جواب حاصل کیجیے۔

- کیا مجاہدین کو میدانِ جہاد میں گرم دبیز بستر میسّر ہوتے ہیں۔
- کیا دشمن سے جنگ اور رات کے پہروں اور حملوں کے دوران گھر کا آرام اور A/C، کولر اور صاف شاہراہیں اور روشن دو رویہ سڑکیں ملتی ہیں۔

Marfat.com

◐ کیا گھر سے باہر دشمن سے مڈبھیڑ میں مجاہدین کو ATTACHED BATH میسّر آتے ہیں اور TISSUE PAPER ملتے ہیں۔

◐ کیا اکثر اوقات میدان جنگ میں TOILETS اور WASHROOMS کی سہولت میسّر ہوتی ہے۔

یہ اور اس طرح کے بیسیوں اور سوالات ہیں جن کا جواب نفی میں ہے۔ اگر آج آپ اور میں سچے مؤمن بننا چاہتے ہیں اور سچے مؤمن کے لئے ایک مثالی سراپا ـــــــ ایک مجاہد کا سراپا ہے تو کیا آپ نے کبھی اس کی تیاری کی ہے۔ تحریک شہیدین کے اکابرین کے بارے میں ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کے لئے جامع مسجد دہلی کے فرش پر گرمیوں کی دوپہر میں ننگے پاؤں چلنے کی مشق کرتے تھے کہ کہیں جہاد میں گرم ریت اور تپتی زمین پر چلنے کا موقع آجائے تو ہمت نہ ہار جائیں۔ کیا ایسی تیاری ضروری نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آج اس طرح کا جہاد نہیں۔ ملکوں میں ARMED FORCES ہیں اور باقاعدہ ٹریننگ ہے تاہم شہری زندگی میں رہتے ہوئے مجاہدانہ سوچ کے ساتھ زندگی گزارنے کا ایک فوجی مزاج تو پیدا کیا جاسکتا ہے۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں آپ کو کبھی رفع حاجت کے لئے کھلے میدان میں ایک لوٹا پانی کے ساتھ فراغت کی ضرورت ہو تو آپ کیا کریں گے؟ اس صورتِ حال سے اگر آپ کو پسینہ آجائے تو سمجھئے کہ مجاہدانہ سوچ اور مجاہدانہ ذہنیت کے تقاضے کیا ہیں؟

جہاد پر جانا اور عملاً کسی ایسی جماعت میں شریک ہونا جو دشمن کے خلاف عملی جہاد میں مصروف ہے ایک بہت اگلا مرحلہ ہے۔ اس راستے کا پہلا قدم یہ ہے کہ آپ اپنے معمولات زندگی اور اوقات کی تقسیم، رہن سہن، کھانے پینے کا انداز، بود و باش اور جسمانی رکھ رکھاؤ کی عادات ایسی بنائیں کہ آپ کو میدانِ جنگ میں جانے میں آسانی ہو۔

ہمارا دین تو دین فطرت ہے بوڑھے، جوان، بچے، عورتیں، مرد، دیہاتی، شہری سب اس میں شریک ہیں۔ اگر آپ کہیں بھی ہیں اور نیت ایک مرد مجاہد کی زندگی گزارنے کی ہے اور اس کی عملی تیاری کرتے رہتے ہیں اپنے آپ کو دنیاوی پر تکلف زندگی سے ذرا دور رکھتے ہیں تو سمجھئے کہ

Marfat.com

آپ مجاہد ہیں، جب موقع آئے گا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق بھی دے گا آسانیاں بھی پیدا کرے گا اور آپ اپنے آپ کو اس کے لئے ذہناً تیار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیت کا اجر بھی عطا فرمائے گا۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ

(مسلم، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے کبھی جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں شہادت کی آرزو تھی، وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا''۔

کیا ایک سچے مسلمان اور مرد مومن کی زندگی کے لئے شہادت کی آرزو ضروری نہیں؟ کیا شہادت کے لئے ایک مجاہدانہ زندگی ضروری نہیں؟ کیا مجاہدانہ زندگی کے لئے اُسوۂ رسول ﷺ اُسوۂ کامل نہیں ہے؟ کیا حضرت محمد ﷺ نے اس کام کے لئے امت کی کوئی رہنمائی نہیں فرمائی؟ ان جیسے سب سوالات کا جواب تلاش کیجیے! جواب ہاں میں ہی ملے گا۔

تو ـــــ آیئے! اگر آپ نے دین کے تقاضے سمجھے ہیں، بندگیٔ رب، شہادتِ حق یا شہادت علی الناس اور اقامت و غلبہ دین کرنا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنا ہے اور ضرورت پڑے تو جہاد و قتال کے مراحل بھی آنے ہیں اور اس کے لئے ذہناً تیار رہنا ہے ـــــ تو کیا اتباعِ رسول ﷺ کے علاوہ آپ کے پاس کوئی محفوظ راستہ ہے جس میں کوئی نقصان اور خسارہ کا اندیشہ نہ ہو؟ یقیناً کوئی نہیں ہے اور اتباعِ رسول ﷺ بھی ـــــ کامل اتباع ـــــ مکمل اور غیر مشروط اطاعت کے ساتھ۔

سنتِ ہدایت اور سنتِ عادت

افسوس اس بات کا ہے کہ اس دور میں بقول شخصے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو سنت ہدایت اور سنت عادت میں تقسیم کر کے اپنے لئے ذہن میں سنت عادت کی پابندی نہ کرنے کے لئے چور دروازہ بنالیا گیا ہے۔ حالانکہ رسول ﷺ کی سنت (LIFE STYLE) ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور اس میں PICK & CHOOSE کا اختیار کسی مسلمان کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر مسلمان اپنی عمر، استطاعت اور شعبہ زندگی کے لحاظ سے اپنے

Marfat.com

سے متعلق احکام پر ہی عمل کرسکتا ہے۔ آج زندگی کے شعبہ جات بہت وسیع ہیں اور انسان کے پیشہ سے متعلق بعض اوقات کسی خاص شعبہ کی ضرورت و حالات کا تقاضا ہے ایک شخص واپڈا کا لائن مین رہے اس کو بجلی کے کھمبوں پر چڑھ کر بجلی ٹھیک کرنا ہوگا۔ ایک شخص کسی لیتھ مشن (LATHE MACHINE) یا پرنٹنگ پریس یا کسی مل میں کام کرتا ہے جہاں ڈھیلے لباس (LOOSE CLOTHES) کے ساتھ مشین میں کپڑے الجھنے کا خطرہ ہے یا فوج، پولیس کا محکمہ۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ایسی جگہوں پر انسان مجبور ہے کہ مخصوص لباس پہنے۔ یہ مجبوریاں بعض شعبہ ہائے انسانی میں وقتی ہیں اور اگر اسلام کا غلبہ ہوتا ہے اور ایک مسلمان ذہن کے ساتھ ضرورت کی چیزیں اور ان کے استعمال کا فیصلہ ہو تو شاید یہ مشکلات بہت کم ہو جائیں جیسے ہمارے ہاں آج تہبند کے ساتھ دفتر جانا ناممکن ہے تاہم آج ہی کے دور میں سری لنکا، بھوٹان، کھٹمنڈو وغیرہ میں اعلیٰ عہدیدار بھی چادر (دھوتی) باندھتے ہیں اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

تاہم آج کے دور میں کام کے اوقات میں انسان مجبوراً وہ لباس پہنے جو اس کے شعبہ زندگی سے متعلق ہے ـــــ صرف اس میں شرعی لحاظ سے کسی ممنوعہ چیز کو ختم کرنا ضروری ہے۔ ان حالات میں بھی دل میں یہ رہے کہ جب تک اسلام غالب نہیں ہوتا یہ مجبوری ہے ان شاءاللہ ہم ان حالات کو بدل دیں گے اور بدلنے کی کوشش میں لگا رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے درگزر فرمائے گا۔

بندہ مؤمن جب مجاہدانہ زندگی کا تصور کرتا ہے اور اپنی ذات میں وہ حالات وارد کر کے تصور کرتا ہے اور بدترین حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتا ہے تو عقل عام (COMMAN SENSE) بھی یہی کہتی ہے کہ وہ شخص ناکام و نامراد نہیں ہوگا اور کبھی پریشان اور بد دل بھی نہیں ہوگا اس لئے کہ عام اصول زندگی ہے:

"HOPE FOR THE BEST & BE PREPARED FOR THE WORST"

''بہترین حالات کی امید رکھنا اور بدترین حالات کے لیے خود کو تیار رکھنا''

مشکل ترین حالات ذہن میں رکھ کر تیاری کرنے والا اچھے حالات میں تو پرسکون ہی رہے گا ـــــ اور یہی ہے ہمارا اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

Marfat.com

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کا اُسوۂ حسنہ کیا ہے؟ جسے اختیار کرنے سے ہمیں ایک مجاہدانہ سوچ اور طرزِ زندگی میسر آسکتا ہے۔

- اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات اور ملازمت سے فراغت کے بعد گھر آئیں اور تو تہبند باندھیے اس لئے کہ جہاد وقتال کی زندگی کے مشکل ترین حالات میں بھی کپڑے کا ایک ٹکڑا ملنا ازحد آسان ہے جو ستر چھپانے والا لباس بھی ہے اور کھلے میدان میں رفع حاجت وغیرہ کے لئے آبرومندانہ طرزِ عمل بھی۔
- گھر میں رہتے ہوئے بھی طہارت وضو اور غسل کے لئے مناسب مقدار میں کفایت کے ساتھ پانی استعمال کیجیے تاکہ کل فیلڈ اور میدان جنگ میں آپ کو پریشانی نہ ہو۔
- کوشش کیجیے کہ باتھ روم کے اندر بھی گھٹنے سے ناف تک کپڑا باندھ لیں ایک تو آپ بہت ساری خرابیوں سے بچ جائیں گے دوسرے آپ اس بات کے عادی ہوں گے کہ کل کھلے میدان میں کسی چشمے، کنویں، ٹیوب ویل وغیرہ پر نہانا پڑ جائے تو شرمندگی سے بچ جائیں گے۔
- گھریلو زندگی میں رہتے ہوئے ان باتوں کے عادی بننے کی کوشش کریں۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ہر شہری کا ایک دیہاتی دوست ہوتا ہے آپ بھی کوشش کیجیے سال دو سال بعد کسی دیہاتی دوست کے پاس جا کر مجاہدانہ زندگی گزارنے کا عملی تجربہ کریں اور شوق اور جذبے سے کریں احساس کمتری کے ساتھ نہیں۔ خود اعتمادی اور مثبت سوچ کے ساتھ اور حوصلے کے ساتھ کریں۔

- کوشش کریں کہ گھر میں بھی اکثر فرشی نشست پر کھانا کھائیں اس لئے کہ مجاہدانہ زندگی میں یہی دستر خوان میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔ فیلڈ میں ڈنر سیٹ، ٹی سیٹ نہیں ملتے لہٰذا اتباع رسول ﷺ کے جذبے سے سالن دو تین افراد مل کر کھائیں، پانی کئی افراد ایک ہی گلاس میں پی لیں، چھری کانٹے چمچ کے بغیر خود بھی اور بچوں اور دیگر افراد خانہ کو کھانا کھانے کا عادی بنائیں۔ فیلڈ میں یہ سہولت بھی اکثر دستیاب نہیں ہوتی۔
- کھانے میں "لذت" اور نت نئے کھانے کھانے کا شوق کم کر دیجیے، فیلڈ میں یہ چیز بھی میسر نہیں ہوتی کہیں آپ وہاں پریشان ہو جائیں حتیٰ کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

کھانے میں عیب نہ نکالو جو سامنے آئے پسند ہے تو کھالو ورنہ چھوڑ دو۔ نمک مرچ کمی، زیادتی کی شکایت بھی کم کردیں۔

روزانہ غسل کر کے دفتر جانا یا کام پر جانا اچھی بات ہے مگر میدانِ جنگ میں یہ مواقع زیادہ نہیں ہوتے لہٰذا اس عادت کو بدل ڈالیں رسول اللہ ﷺ عام طور پر ہفتے میں دو دن غسل فرماتے تھے۔

◐ خود اپنے ہاتھ سے مسواک تیار کر کے استعمال کی عادت بنائیں کبھی کبھی ایسا کرتے رہیں گے چاقو وغیرہ کے استعمال کے عادی ہوں گے تو کل ضرورت کے وقت فیلڈ میں مشکلات نہیں ہوں گی۔

◐ آج کل گھروں میں گرم پانی عام دستیاب ہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل سے ہم لوگ ڈرتے ہیں فیلڈ میں یہ سہولت بھی اکثر دستیاب نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو کم۔ لہٰذا ـــــ آج سے ہی اپنے آپ کو عادی بنائیں اور بالارادہ کبھی کبھی گرم پانی استعمال نہ کریں۔

◐ قرآن مجید میں، نمازوں کے وقت مساجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرنے کا حکم آیا ہے۔ کوشش کریں کہ اچھے صاف ستھرے کپڑے اور اچھا جوتا پہن کر مسجد جائیں، خوشبو لگائیں، صفیں صحیح رکھیں۔

◐ آج شہری زندگی میں اکثر لوگ دفتر جاتے ہوتے نہاتے ہیں اور FRESH ہو کر دھلے ہوئے کپڑے پہن کر دفتر جاتے ہیں اگر آپ مجاہدانہ زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں تو یہ مشقت فجر کی نماز کے ساتھ کر لیجیے۔ غسل کر کے اور دھلے ہوئے کپڑے پہن کر مسجد میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں۔ اس بناؤ سنگھار، زیب و زینت، صفائی اور پاکیزگی کا سب سے زیادہ حق دار خالق کائنات ہے اور دفتر کا باس دوسرے درجے میں اس اہتمام سے مسجد جائیں گے تو آپ کو ایک خاص کیف سرور میسر آئے گا۔ فجر کی نماز قرآن مجید کے مطابق آپ کے لئے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا (''صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور ہے'') کا مصداق بن جائے گا۔

◐ گھر دفتر وغیرہ میں نماز کا اہتمام رکھیں اور نماز سے متعلق ضروریات (چپل، مسواک

Marfat.com

وغیرہ) فراہم رکھیں، بروقت اٹھیں وضو کریں اور نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ جو نماز گھر سے مسجد جا کر ادا کرتے ہیں اس میں کوشش فرمائیں کہ آپ فرضوں سے پہلے والی سنتیں گھر سے پڑھ کر جائیں اور بعد والی گھر آ کر پڑھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طرح کرتے تھے اور نبی پاک ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے (گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ حدیث) اسی طرح آپ وضو کی حفاظت اور بقیہ نماز کی ادائیگی کر لئے فضول وقت ضائع نہیں کریں گے اور گھر والوں کی نماز کی نگہداشت بھی کر سکیں گے۔ نیز چھوٹے بچے آپ کو دیکھ کر نماز کے عادی بنیں گے۔

(ہاں ــــــ کبھی مسجد میں درس ہے، تعلیم ہے، ملاقات ہے یا مسجد سے ہی کہیں آگے جانا ہے یا آپ مہمان گئے ہوئے ہیں تو فرض نماز سے قبل اور بعد کی سنتیں مسجد میں ادا کر لینی چاہئیں (لوگوں کے ذہنوں میں فرض نماز کے بعد جگہ بدلنے کا تصور ہے اور لوگ آپس میں جگہ بدل لیتے ہیں یہ جگہ بدلنا دراصل مسجد سے گھر جانا تھا مگر ہم صرف خانہ پُری کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں)۔

- ممکن ہو تو رات کو اٹھ کر تہجد کا اہتمام کیجیے اور اس کی عادت پختہ کیجیے اس سے اللہ تعالیٰ سے ایک ذاتی تعلق پیدا ہوتا ہے جو مجاہد کے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔
- اپنے وقت کی منصوبہ بندی کیجیے ہر کام وقت پر کرنے کا عادی بنئے۔ مجاہدانہ زندگی کی ایک نشانی آخرت کا یقین اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر وقت اور زندگی ضائع ہونے یا ضائع کرنے سے بچانا ہے۔ وقت کا ضیاع (TIME KILLING) ہی زندگی کا ضیاع ہے اور آخرت کا خسارہ۔
- مجاہدانہ زندگی کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ کی شخصیت میں ایک تحریک ہونی چاہیے اپنی زندگی کو با مقصد بنایئے، زندگی کا ایک مشن بنایئے، اور یہ مشن بندہ مؤمن کے لئے نجاتِ اُخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، اس مشن کو سامنے رکھ کر ہر کام وقت ضائع کیے بغیر اُٹھ کر کیجیے۔ تحریک اور DYNAMISM ایک مجاہد کی زندگی کی جان ہے یعنی جذبہ اور شوق۔ کوشش کریں کہ دوسرا آپ کو کام کہے تو اس کو فوراً اُٹھ کر کر دیں کہنے والے کو دوبارہ نہ کہنا پڑے۔

کسی ضروری ذاتی / اجتماعی کام کے لئے از خود خیال آئے یا کوئی دوسرا حکم دے یا کوئی

Marfat.com

چھوٹا فرمائش کرے بلا تاخیر جلد سے جلد اس کام کو کر ڈالنے کی عادت ہی مجاہدانہ زندگی کا سلیقہ اور کامیاب زندگی کا اصول ہے۔ (ہمارے ہاں معاشرے میں ''ھڈ حرام'' کی اصطلاح اس انسان کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو سست الوجود، کاہل، ناکارہ، آرام پسند ہوتا ہے کوشش کیجیے مجاہدانہ زندگی پر ان منحوس اوصاف کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں)۔

○ گھر میں بھی رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اس مزاج اقدس کو اپنایئے ہجرت مدینہ کے بعد جنگ خندق تک مدینہ کے حالات بڑے مخدوش تھے اور کفار مکہ کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ کہ وہ کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ کر سکتے ہیں بالخصوص جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح کے بعد کفار جوش انتقام میں اندھے ہو رہے تھے۔ اس صورت حال میں ذرا سی بھی شور شرابے اور قافلہ کی آواز سے مسلمان چوکنے ہو جاتے تھے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رات ذرا سا شور ہوا تو مسلمانوں کے ذمہ دار حضرات اٹھے اور مل جل کر صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے گھوڑوں پر نکلے تو دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار باہر سے مدینہ میں آ رہا ہے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ فرمایا: میں دیکھ آیا ہوں کوئی خطرے کی بات نہیں جاؤ گھروں میں آرام کرو۔

رات کو دشمن کے حملے کے خطرے میں سب سے پہلے اٹھ کر اکیلے چلے جانا اور کسی نوکر، غلام، نائب، ڈپٹی کو تکلیف نہ دینا بلکہ خود صورت حال کا جائزہ لے آنا اور دوسرے مسلمانوں کے آرام میں خلل نہ ڈالنا اور ان کو آرام کی نیند سونے دینا ——— یہ صرف ایک کامل مرد مجاہد ہی کی شان ہو سکتی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ آبائنا واُمہاتنا) جو محبوب خدا بھی ہو۔ اس کردار کا عکس اپنے اندر پیدا کیجیے۔ رات کو گھر کے صحن میں چھت یا باہر سیڑھیوں میں چکر لگا آیئے، خطرات کا جائزہ لینا سیکھیے کوئی آدمی نظر آئے تو معلومات کیسے کرتے ہیں۔ خطرہ ہو تو للکارتے کیسے ہیں؟ دوسروں کو جگاتے کیسے ہیں؟ اور ضرورت ہو تو مدد کے لئے کیسے پکارتے ہیں؟ اس کی بھی مشق کی ضرورت ہے۔ رات کے اندھیرے میں نکل کر خطرات کو معین کرنا اور ان سے نکلنے کی تدابیر سوچنا بھی سُنت رسول ﷺ کا حصہ ہے۔

اس کی ابتداء گھر سے ہوگی رات کو ایک مرتبہ ضرور جاگ کر باہر مین گیٹ، چھت، صحن تک ہو آنا یہ کام ایک ذمہ دار مجاہد ہی کر سکتا ہے۔

Marfat.com

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ایسی باتیں وقت آنے پر سیکھ لیں گے کر لیں گے ——

سوچیے ابھی سوات اپریشن ہوا ہے (2009ء) یہ کوئی دشمن سے جنگ کی بات نہیں عوام اپنے ملک میں بے گھر ہو گئے تھے ایک صاحب روایت کر رہے تھے کہ ہوائی جہاز سے پرچیاں گرائی گئیں دو گھنٹے کی مہلت ہے گھر خالی کر دیں آدھ گھنٹہ تو پرچی نیچے زمین تک آنے میں ہی لیتی ہے عملاً لوگوں کے پاس ایک ڈیڑھ گھنٹہ تھا۔ گھر کا سامان سمیٹ کر میدان میں آ جائیں اور مہاجرین کے کیمپ کی طرف عورتوں بچوں ضروری سامان سمیت روانہ ہو جائیں۔

ناز و نعم میں پلنے والے اور MODREN COMFORTS کے عادی لوگ صرف دو گھنٹے بعد سڑک پر بے یار و مددگار تھے۔ کھلے آسمان تلے کھانا پکانا —— ٹھنڈے گرم پانی سے بے نیاز کھیتوں اور میدانوں میں فراغت کے لئے جانے پر مجبور —— اس مشکل وقت کے لئے پہلے سے تیاری اتباعِ رسول ﷺ میں ہی مضمر ہے اور اس کے لئے شوق و جذبے کی اشد ضرورت ہے۔

◉ گھر میں اپنے تمام افراد خانہ (جن سے پردہ نہیں ہے) کی ایک ہفتہ وار نشست (SITTING) کا اہتمام کیجیے ہو سکے تو ریفریشمنٹ کا بھی انتظام کیجیے اور اس نشست میں بچے، بوڑھے، جوان، خواتین و حضرات سب شریک ہوں اور مطالعہ قرآن، مطالعہ حدیث، دعائیں نصیحت آموز باتیں ایک دوسرے کو بتائیں بچوں سے بھی چھ کلمے نماز، نماز کا ترجمہ، دعائے قنوت، نظمیں، قومی ترانہ سنیں غرض ہلکے پھلکے انداز میں چھوٹوں بڑوں سب کو شریک کر کے مل بیٹھیں اور دینی معلومات میں اضافہ کریں اس طرح گھریلو ماحول میں ان شاء اللہ ایک مثبت اور پسندیدہ تبدیلی آ جائے گی۔

◉ آئندہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے عمل میں خود حصہ لیں۔ خود ذبح کریں ممکن ہو تو آئندہ مرغی وغیرہ ذبح کرنے کا تجربہ کریں چند سال بعد چھوٹا جانور بکرا وغیرہ خود ذبح کر لیں۔ اس طرح بھی جہاد و قتال کی تربیت ملتی ہے اور ایک ڈاکٹر کی طرح ایک عام انسان بھی خون اور زخموں سے الرجی محسوس نہیں کرتا۔ یہ اور اس طرح کی دیگر بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں جو مسنون و ماثور ہیں ایک مجاہد کی زندگی کے لئے نہایت اہم ہیں۔ مجاہد بننا اور شوقِ جہاد و شوقِ شہادت لے کر میدان

Marfat.com

میں نکل جانا تو بہت بعد کا مرحلہ ہے گھر میں رہتے ہوئے اس شوق کو زندہ رکھنا اور مرنے نہ دینا بھی بڑی سعادت ہے۔

◐ فوج کبھی کبھی میدان جنگ میں استعمال ہوتی ہے مگر ہر روز ورزش، پریڈ، تیاری سامان کھول کر دوبارہ جوڑنے کا عمل وغیرہ کرتے رہنا ہی ایک کامیاب فوجی کی زندگی ہے پاکستان کی 62 سالہ (2000ء تک) تاریخ میں دشمن سے جنگ شاید 62 دن بھی نہیں ہوئی مگر ہماری فوج روزانہ یہی کام کرتی ہے حرکت تحریک اور DYNAMISM اپنے آپ کو ہر وقت اور ہر روز FIT رکھنا ہے ایسا نہ ہو کہ کل بلاوا آجائے اور آدمی تیار نہ ہو تو محرومی ہو جائے گی۔ لہٰذا ـــــ آج یہ جذبہ پروان چڑھانا، اس کو برقرار رکھنا اس کو اپنے ساتھیوں میں متعدی (CULTIVATE) کرنا ایک متحرک انسان اور مجاہد ہی کی شان ہے۔

ع نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو

آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے حضرت محمد ﷺ کی وہ سنتیں جنہیں کوئی سنت عادت کہہ کر اہمیت نہیں دیتا وہ دراصل مجاہدانہ زندگی اور دین کے لئے مر مٹنے کے جذبے سے گریز کر رہا ہے اور میدان جہاد سے دور رہنے کی فکر میں ہے ورنہ ـــــ دنیا کے ہر انسان کے لئے اگر کوئی ـــــ کم سے کم ـــــ طرزِ زندگی ہے تو وہ اُسوۂ رسول ﷺ ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا میں اچھا مسلمان ـــــ مردِ مومن اور مجاہد بن سکتا ہے اور آخرت میں رضا الٰہی کے حصول کے ساتھ جنت کے اعلیٰ مراتب کا حق دار بھی۔

تو ـــــ آیئے! آج سے ایک 'نئی' مجاہدانہ زندگی شروع کرتے ہیں کہ اپنے اپنے دفتری معمولات اور کاروباری اوقات کے ساتھ نجی اور پرائیویٹ زندگی میں بھی سنت رسول ﷺ کی اتباع میں پوری زندگی گزاریں گے اور بالخصوص وہ سنتیں جو سنت عادت سمجھ کر لوگ پس پشت ڈال دیتے ہیں ان کو بھی اپنا کر ایک مجاہد کی زندگی کا نقشہ اپنے مزاج اور ماحول میں پیدا کریں گے تاکہ ہم خود بھی اور اپنے کنبہ قبیلہ کو بھی ایک مجاہد بنا کر اُٹھا سکیں اور شوق جہاد کے ساتھ شوق شہادت کی آرزو بھی دل میں پال کر رکھنی چاہیے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس اعلیٰ مقام کے لئے ہمیں بھی

Marfat.com

پسند کر لے۔ آمین

پوری زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ کے ساتھ اتباع رسول ﷺ اختیار کر کے ہم ایک سچے مسلمان بن سکتے ہیں کہ ہمارا اخلاق بھی 'قرآن' ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ بھی ہم سے محبّت کرنے لگے گا اور حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ان ﷺ کی طرح اللہ کی محبوبیّت کا کوئی عکس ہمارے حصے میں بھی آ جائے گا۔ یہ نہیں کر پاتے تو قرآن وحدیث کی کئی وعیدیں ہمارے سامنے رہنی چاہیے اور جنّت کا حصول تو ایک خواب وخیال سے زیادہ درجہ نہیں پا سکتا۔

ع عشق تمام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب

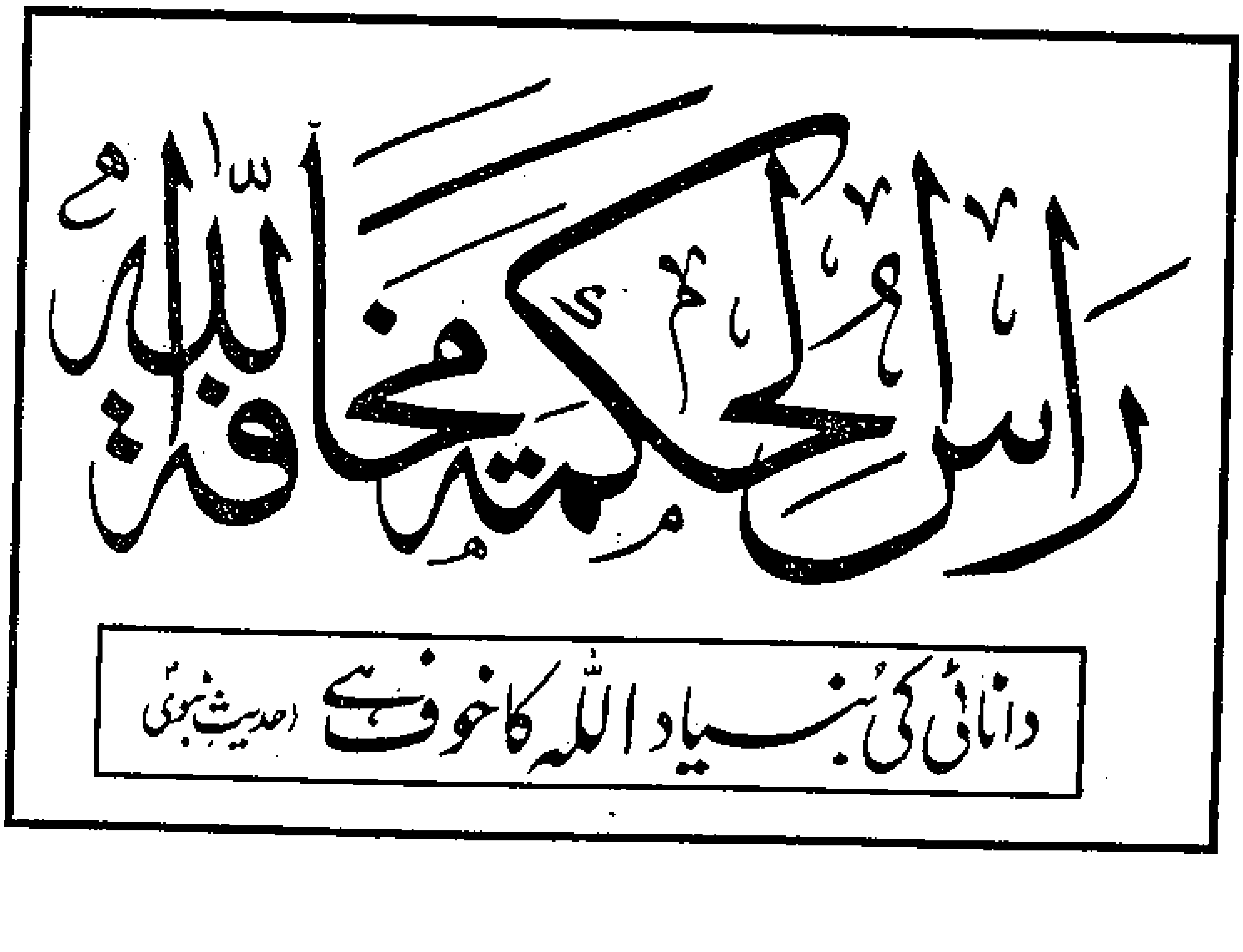

Marfat.com

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

Marfat.com

13

تعمیرِ سیرت و کردار تقرّبِ الٰہی کا راستہ ہے

تعمیر سیرت و کردار کا عزم اور اس راستے پر اُٹھنے والا ہر قدم انسان کو اپنے رب کے قریب کرتا ہے اس تقرب کا ظہور دنیا میں دو موسموں دو قسم کے خارجی حالات میں علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔

یہ بات نہایت اہم ہے کہ تعمیر سیرت و کردار کا خواہش مند ہر مسلمان یا ہر سالک صادق اپنے معمولات کا تنقیدی جائزہ لے کہ اس کی محنت اور مجاہدات صحیح موسم میں صحیح رُخ پر ہیں یا نہیں ہیں اور احساس دامن گیر ہو تو جلد اپنی اصلاح کر لے۔

تقرّبِ الٰہی کے مدارج و ذرائع

(حکمت بالغہ جنوری 2012ء)

Marfat.com

Marfat.com

تقرّبِ الٰہی ایک دینی اصطلاح ہے۔ تَقَرُّب کا لفظ قُرُب سے بنا ہے۔ اس مادے سے کئی الفاظ عام استعمال میں آتے ہیں قرب سے قُربَان ہے جس کا معنی ہے "ہر وہ عمل یا چیز جس سے اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ تقرّب حاصل کیا جائے، چاہے وہ ذبیحہ ہو یا کوئی اور چیز"۔ اردو میں قربانی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرب سے باب تفعیل میں تَقرِیب کا لفظ آتا ہے اس کا معنی ہے قریب کرنا۔ اسی سے مُقرَّب کا لفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب لوگوں کے لئے آیا ہے۔ اسی سے تَقَرُّب باب تفعُّل سے خود کو کسی کے قریب کرنا (قرب حاصل کرنا یا قرب ڈھونڈنا) تقرّبِ الٰہی کے معنی ہوں گے کسی شخص کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنا۔ تقرّبِ الٰہی کی سوچ اور نظریہ کے کچھ مدارج ہیں اور کچھ ذرائع (MEANS)۔ ان سطور میں تعمیر سیرت و کردار کے ضمن میں تقرّبِ الٰہی کے بعض مراتب اور ذرائع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تقرّبِ الٰہی کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جو خالق کائنات نے انسان کی فطرت میں ڈالا ہے۔ اس کائنات کی اصل حقیقت 'الحق' اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ الۡبَاطِلُ (62:22)

"یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جس چیز کو یہ (کافر) لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل (اس کا وجود ہی نہیں) ہے"

اس اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق فرمائی ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے انسان میں فطرتاً جسمانی تقاضے بھی ہیں اور روحانی تقاضے بھی۔ ہمارے جسمانی تقاضے حیوانوں کے تقاضوں سے مشابہ ہیں جبکہ روحانی تقاضے فرشتوں سے مشابہ ہیں۔ اس دنیا میں حیوانی اور روحانی تقاضوں کو ایک توازن کے ساتھ لے کر چلنا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں میں کئی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ ہاتھ پاؤں آنکھ کان ناک کے علاوہ دماغ،

Marfat.com

عقل، زندہ دل اور ضمیر بخشا ہے' نیکی بدی کی تمیز بخشی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انسان سے مطلوب تقاضوں اور فرائض کی انجام دہی کے لئے اس میں اپنی پہچان اور محبّت کے جذبات رکھے ہیں۔ ایک انسان اگر جسم اور روح کے تقاضوں کی ادائیگی میں متوازن زندگی گزارتا ہے تو اس کے باطن میں اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے محبّت کا ایک جذبہ موجزن رہتا ہے اور پھر اسی محبت کے کچھ عملی تقاضے بھی سامنے آتے ہیں۔

صحیح فکر ــــ یعنی ایمان کے تقاضے

انسان کا عمل اس کی فکر کے تابع ہے۔ فکر اگر صحیح ہو جائے تو اس انسان کے اعضاء و جوارح سے پھوٹنے والے سارے اعمال درست ہو جائیں گے اس کے اندر موجود جذبات (غم، غصہ، محبت، نفرت وغیرہ) بھی ہر قسم کی کجی سے پاک ہو کر درست ہو جائیں گے۔

صحیح فکر کا حاصل یہ ہے کہ انسان زندگی میں شعور کی عمر کو پہنچے تو کائنات کے مشاہدے اور عقل وفطرت کے تقاضوں کے تحت کائنات کے چند بنیادی حقائق کو پہچانے اور برملا ان کا اعتراف کرے۔ اسی برملا اعتراف کا نام کلمہ شہادت ادا کرنا اور ایمان لانا ہے۔ کسی حق کی گواہی (شہادت) دینا ہی اس کا برملا اظہار اور اعتراف ہے۔ گویا ذہنی طور پر ایک صحت مند انسان کو اپنے شعور کی عمر کے حصے میں پہنچ کر ان باتوں کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ (i) یہ کائنات ایک محکم نظام کے تحت چل رہی ہے اور اس کا ایک خالق و مالک ہے وہ رب ہے وہ اللہ ہے۔ (ii) انسان اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں آیا بلکہ یہ زندگی عارضی ہے اصل زندگی یہاں سے 'موت' واقع ہونے کے بعد شروع ہوگی۔ مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا اس جہاں سے اگلے جہاں میں انتقال کا نام ہے۔ انسان کا اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ضروری ہے اس کے کچھ تقاضے فطرت انسانی میں ودیعت (IN-BUILT) ہیں اور باقی تقاضوں کی تعلیم اور وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ ان میں سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تھے ان پر نبوت ختم ہوگئی اب اُمت کے باشعور اور اچھے افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خود بھی اچھے بنیں اور دوسروں کو اس بات پر آمادہ کریں اور اس بات کی کوششیں کریں کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے اور تمام انسانوں کو ایسا ماحول میسّر آئے کہ وہ اپنے رب کی مرضی کے مطابق زندگی

Marfat.com

گزارنے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں علیہم السلام کو لکھی ہوئی ہدایات بھی دی تھیں یعنی صحیفے اور کتابیں' چار بڑی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں قرآن سب سے آخری کتاب ہے وہ محفوظ ہے اور سابقہ کتابوں کی مہیمن بھی۔

اس صحیح فکر کو ایمان کہتے ہیں یہ ایمان پیدا ہو جائے تو اس کے کچھ تقاضے ناگزیر ہیں۔

ایمان اور محبتِ الٰہی

ایمان کا درجہ بلند ہو تو دل میں اللہ تعالیٰ (اپنے خالق و مالک) کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان کی کیفیات اور کمی بیشی کے ساتھ اس محبت کے معیار اور گھٹنے بڑھنے کا براہ راست تعلق ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (165:02)

''جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں''

ایمان کامل ہو گا تو محبّتِ الٰہی بھی کمال کے درجے کی ہو گی محبت ہو گی تو اطاعت ہو گی وفا کیشی ہو گی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق ہو گا اس سے ملاقات کا شوق ہو گا ملاقات کا شوق بڑھ جائے تو اس ملاقات میں موت رکاوٹ محسوس ہوتی ہے یوں موت کو انسان خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ اسی لئے جہاد اور شہادت کی آرزو بندۂ مؤمن کی شان ہے۔ آخرت کی زندگی سے شدید محبت اور اللہ کی ملاقات کی خواہش ہی پھر زندگی کا مشن قرار پاتا ہے اور یہ محبت شدید ہو تو انسان دوسرے بنی نوع انسانوں کو بھی اسی مقصدِ جلیل کی طرف بلاتا ہے اور ساتھ لے کر چلتا ہے۔

ایمان اور تقربِ الٰہی

ایمان کے بڑھنے سے محبتِ الٰہی کا جذبہ جوان ہوتا ہے اور محبتِ الٰہی ایک خاص حد تک بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی قرب سے قربانی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ تقربِ الٰہی کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے چنانچہ جب سے انسان دنیا میں آیا ہے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے اندر اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کا شوق موجود ہے اور ہر انسان کو اس کی جستجو ہے یہی جستجو کا جذبہ اہل ایمان کو بے چین اور مضطرب کیے رکھتی ہے۔

Marfat.com

تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ دونوں میں کسی بات پر اختلاف ہوا تو دونوں نے اللہ سے قرب کے لئے قربانی کی۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (27:05) تاریخی طور پر یہ قدیم ترین تصوّرِ قرب الٰہی ہے۔ دونوں نے جانور قربان کئے ایک کی قربانی قبول ہوگئی دوسرے کی نہیں ہوئی۔ ایک طویل عرصے تک ہر پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات میں ایک قربان گاہ کا تصوّر رہا ہے جہاں اہل ایمان کو کئی معاملات میں قربانی پیش کرنے کا حکم ہوتا تھا گویا ان اعمال سے انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شوق ظاہر کرتا تھا اور خلوص ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل کر لیتا تھا اور قربانی قبول ہو جاتی تھی۔

تقربِ الٰہی کے دو درجے

جب ایک انسان میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کائنات میں بڑا اہم، نازک اور خاص 'پرزہ' ہے اس وقت انسان کو اپنے باطن میں ایسا بے پناہ سرور ملتا ہے کہ اس کا دل اس سے لبریز ہو جاتا ہے ـــــ ذرا آگے بڑھ کر جب یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: 'لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ' (75:38) (میں نے تو اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے) تو خودی میں ترفّع پیدا ہو جاتا ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ اس نے بہت کچھ پا لیا ہے۔ انسانی فطرت اگر صالح ہے اور ماحول کے بُرے اثرات سے مسخ نہیں ہوگئی تو یہاں سے باطنی طور پر انسان میں اپنے رب کے قرب اور معرفت کی لگن بیدار ہوتی ہے اپنے رب کے احکام کی پیروی اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی کامل اتباع سے انسان اس راستے کے پیچ وخم سے آگاہ ہوتا ہے اور ایک واضح شاہراہ ـــــ صراطِ مستقیم کی شاہراہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔ یہ انسان کی اپنی فطری صلاحیتوں کا عکس ہے کہ (جیسا کہ اس انسان کے اپنے اندر بہادری بزدلی، عالی ہمتی پست ہمتی، بلند حوصلگی اور کاہلی، مسابقت کا جذبہ اور پژمردگی وغیرہ کے داعیات ہیں) یہ شاہراہ اسے آسان نظر آئے یا مشکل محسوس ہو، اس کا تعلق اس کے اپنے باطن سے ہے۔

کوئی انسان بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکومت سے باہر نہیں ہے مگر قربِ خداوندی ایک الگ شئے ہے یہ جذبہ معرفت خداوندی کا متقاضی ہے اور لذتِ آشنائی سے پروان چڑھتا ہے

Marfat.com

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کے جذبے کے ساتھ شوق کا زادِ راہ لے کر اس صراطِ مستقیم کا سفر (چاہے وہ تیز رفتاری سے ہو یا سست روی سے) شروع ہو جاتا ہے یہی سفر انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کی سعی ہے۔

تقربِ الٰہی کا پہلا مرحلہ خدا اور بندے کے درمیان حائل بے شمار حجابات کو عبور کرتے کرتے آگے بڑھنے کا مرحلہ ہے اس مرحلے کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ نفس مطمئنہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور اس کے لئے دیدارِ الٰہی کے حصول میں صرف 'موت' کا پردہ رہ جاتا ہے جب وہ آخرت میں اپنے اچھے کردار کی بدولت سرخرو ہو کر جنت میں داخل ہوگا اور پھر وہیں وہ دیدارِ الٰہی سے بہرہ ور ہو جائے گا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس مرحلہ پر انسان اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب پاتا ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے ـــــ ابھی دیدارِ الٰہی کا مرحلہ بظاہر 'موت' کی سرحد سے پرے ہے مگر انسان اس کیفیت میں بے پناہ سکون محسوس کرتا ہے اور اس کی اب سب سے بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے دنیاوی مصروفیات اور علائق دنیوی کے ناگزیر انسانی تقاضوں سے جو وقت بھی بچے وہ بس 'اعتکاف' کی حالت میں اپنے ربّ کے سامنے 'تصورِ جاناں' کیے بیٹھا رہے۔ اس سے زیادہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مالوف شئے دنیا میں کوئی اور نہیں رہ جاتی ہے۔ یہ تقرّبِ خداوندی کا ایک اہم درمیانی درجہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے (20-84) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہِ ایزدی سے طُور پہاڑ پر آنے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی جذبے، شوقِ ملاقات اور رضائے الٰہی کی خاطر وقت مقررہ سے پہلے ہی وہاں حاضر ہو گئے۔

اس درجہ سے آگے بڑھنے اور مزید ترقی کے بھی بے شمار درجے ہیں اس عرصے میں جبکہ انسان اِن درجات اور مراحل کے کہیں آس پاس ہوتا ہے انسان کے دل کی کیفیات ایسی

Marfat.com

پُرلطف ایمانی کیفیات ہوتی ہیں جو بیان سے باہر ہیں اور انسان کی اپنے بشری تقاضوں اور جبلّتوں کے باوجود یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر اسی کیفیت میں رہے اور یہ کیفیات اُس سے زائل نہ ہوں۔ اس منزل پر پہنچنے والے مسافروں کی کیفیت آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَ أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ (النسائی، عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسی نعمتوں کا جو کبھی ختم نہ ہوں اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں آنکھ کی ایسی ٹھنڈک کا جو منقطع نہ ہو اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر فیصلے پر راضی رہنے کا اور موت کے بعد پرسکون زندگی کا اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری ذات کے دیدار کا اور تیری ملاقات کے شوق کا''

نیت صاف ہو...... جذبہ صادق ہو...... راہ سیدھی ہو...... عمل میں کوتاہی نہ ہو...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہو...... قرآن رہنما ہو...... صحابہ رضی اللہ عنہم رہبر ہوں انسان کی خواہشات اور توقعات کی لگام جبریل اور حور کے ہاتھوں میں نہ ہو (یعنی انسان صرف دعاؤں کی قبولیت اور دنیاوی عزت و مقام کے حصول اور لذت کوشی پر قناعت کرنے والا نہ بنے) تو بعض اوقات چشم زدن میں اگلا مرحلہ نگاہوں کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

می شود پردۂ چشم پر کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے
وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے
در طلب کوش و مدہ دامنِ امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے!

Marfat.com

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے ملفوظات میں ہے کہ اس مرحلہ کی کیفیات میں ایک دفعہ فرمایا (اور یہ صرف اُن کا ذاتی احساس نہیں تھا بلکہ ہر سالک اور راہِ حق کے مسافر اور طالب حق کا یہی احساس ہوتا ہوگا) کہ

(حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالائے آسمان رفت و باز آمد

بخدا ــــــ اگر من رفتمے باز نمی آمدمے

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معراج کی شب ساتوں) آسمانوں کے بھی اُوپر چلے گئے (قربِ الٰہی کا یہ درجہ جسد کے ساتھ دنیاوی زندگی کا انتہائی درجہ ہے) اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ بخدا ــــــ اگر (ممکن ہوتا اور) میں (اس طرح) بالائے آسمان چلا جاتا (اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کر لیتا) تو واپس کبھی نہ آتا (قربِ خداوندی کی اس لذت سے نکلنا پسند نہ کرتا)۔

حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اُوپر بیان کردہ کیفیات ہر سالک کے دل پر درجہ بدرجہ وارد ہوتی ہیں اور اس مقام پر وقتی طور پر یہی مجنونانہ صدا دل سے نکلتی ہے مگر 'ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں' کے مصداق منزل دور ہو...... وسائل سفر بھی ہوں...... بتانے والا بھی ہو...... خضر راہ بھی ہو...... محبوب کی آواز بھی پکار رہی ہو اور انسان آگے بڑھنے کا نام نہ لے بلکہ کہے کہ یہی منزل بہت اچھی ہے ٹھنڈی ہے یہیں سکون ہے آرام ہے آگے شاید مشکلات ہوں میں آگے بڑھتا ہی نہیں ــــــ یہ مطلوب نہیں ہے۔ تقرّب الٰہی کے کسی پہلے مرحلے کی ٹھنڈی چھاؤں اور پرسکون کیفیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے حصول میں پیش آمدہ اگلے مرحلے کے لیے ہر دم کمر بستہ رہنا ہی سلامتی طبع اور ذوقِ بلند کی علامت ہے۔

تقرّبِ الٰہی کا اب درپیش یہ اگلا مرحلہ اور اعلیٰ درجہ کیا ہے اس کی کیا اہمیت ہے اور یہ کیسے پہلے بیان کردہ درجے سے اعلیٰ ہے؟ یہ بڑی دلچسپ 'داستان' ہے لذیذ بھی ہے اور ذرا لمبی بھی۔

یہ وہ بحث ہے جس سے مقام رسالت کے اعلیٰ و ارفع مقاصد اور ذمہ داریوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جو سلسلۂ انزالِ کتب اور ارسالِ وحی شروع فرمایا تھا اس کے لئے ایک حدیث کے مطابق 124,000 نبی تشریف لائے جن میں خاص چن کر 313 کو رسول بنا دیا گیا (مجمع الزوائد عن ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ)۔ رسالت کے فریضہ

Marfat.com

کے ساتھ کون کون سی اضافی ذمہ داریاں تھیں یہ بات بہت اہم ہے۔ سمجھ میں آجائے تو 'دین' کا ایک بڑا حصہ سمجھ میں آجاتا ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے انسان کو اپنی ذمہ داریاں روزِ روشن کی طرح واضح اور ناگزیر محسوس ہوتی ہیں۔ بالخصوص ختم نبوت کے تقاضوں اور آج ہم مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کا نقشہ کج بحثیوں سے بلند ہو کر ایک ناگزیر فریضہ کے طور پر سامنے آجاتا ہے۔ نبی اور رسول کی طرح آج بھی اُمت مسلمہ کے باعمل افراد کے لیے بھی یہی دو طرح کے مزاج ہوتے ہیں اور تقرّب الٰہی کے لحاظ سے نوعیت کا فرق رکھتے ہیں۔ ہم قارئین کرام کو اصولی بحث کے بجائے اوپر مذکور بحث کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کوشش میں ہمیں کامیاب فرمائے (آمین) تاکہ گوہر مقصود حاصل ہو سکے۔

تقرّبِ الٰہی کا اعلیٰ درجہ

مثال یہ ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ مرجع خلائق ہوتے ہیں دنیاوی طور پر بھی اور دینی و مذہبی اعتبار سے بھی ماضی کے بادشاہ ہوں یا آج کے سیاسی رہنما یا صوفیا یا علماء ان کے حلقوں میں یہ مرحلہ آتا ہے۔

آج کے سیاسی رہنماؤں میں سے مثال لیں تو ہمارے ہاں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں وہ کبھی کبھی اقتدار میں بھی آجاتی ہیں پھر ان کے کارکن بے پناہ مراعات حاصل کرتے ہیں بعض سیاسی پارٹیوں کی تاریخ کئی عشروں تک پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی باصلاحیت مخلص نوجوان کسی پارٹی کو صحیح سمجھ کر نچلی سطح پر اس کی بنیادی رکنیت حاصل کرتا ہے۔ محنتی ہے مخلص ہے پرجوش ہے باصلاحیت ہے؛ لہٰذا وہ جماعت کے نظام میں آگے بڑھتا جائے گا۔ آج یونٹ انچارج ہے تو تھوڑے عرصے بعد یونین کونسل کا ذمہ دار ہوگا مزید آگے بڑھے گا تو شہر کی پارٹی کا ممبر بنے گا اور پھر صدر بن جائے گا۔ الیکشن میں اچھی کارکردگی دکھائے گا تو کچھ عرصے بعد اگلے الیکشن میں اُسے MPA کا ٹکٹ مل جائے گا لوگ اُسے منتخب کر دیں گے اس سے اسے پارٹی لیڈر کا بھی اعتماد حاصل ہوگا اور عوام کا بھی۔ الغرض آگے بڑھتے بڑھتے شاید دو عشروں بعد وہ پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کا ممبر بن جائے اور پارٹی لیڈر کی نظر میں چند معتمد ترین افراد میں شامل ہو جائے۔ آج کل سیاسی طور پر اسے 'کچن کیبنٹ' کہتے ہیں کہ چار پانچ ایسے منظورِ نظر افراد کہ وہ روز بروز کے معاملات میں ہر

Marfat.com

وقت مشورے میں رہتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کی بنیاد پر باقی قریبی ساتھیوں کے مقابلے میں پارٹی لیڈر کی نگاہ میں جچ جائے اور نمبر ٹو (NUMBER TWO) کہلانے لگے۔ یہ اس پارٹی لیڈر کے 'تقرّب' کا پہلا انتہائی درجہ ہے۔

اب ایسا ہوتا رہتا ہے اور یہ مراحل آجاتے ہیں کہ امریکہ (یا کسی اور ملک) سے تعلقات بڑے نازک ہیں وہ سپر پاور ہے پہلا سفیر معاملات کو صحیح سمت میں نہیں لے جا رہا ہے مشورہ ہو کہ وہاں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو بڑا با اعتماد بھی ہو، مخلص بھی ہو، معاملات کو چلانے کا اہل بھی۔ پارٹی لیڈر کے اعتماد کا یہ اگلا اعلیٰ درجہ ہوگا کہ وہ اپنے سینئر ترین معتمد آدمی کو امریکہ میں سفیر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرلے۔ وہ قریب ترین شخص معینہ جگہ چلا جائے اور اپنے محبوب لیڈر کی حکم برداری کرے تو یہ اس کی فدائیت کی نشانی ہے اور اگر وہ کہے کہ میں تو اپنے محبوب لیڈر کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تو یہ طرزِ عمل بظاہر اپنے محبوب لیڈر سے محبت کو ظاہر کرے گا مگر اس لیڈر کی جو ضرورت اور خواہش و مرضی ہے کہ کوئی جائے اور امریکہ میں میرے مفادات اور پارٹی مفادات کا خیال رکھے اس فرض سے کوتاہی ہوگی ـــــ یہ مرحلہ اس شخص کی محبت کا بھی امتحان ہوگا اور 'تقرب' کا ایک زینہ بھی، کہ یہ سب کچھ کسی ذاتی مفاد کی وجہ سے ہے یا اس لیڈر اور اس پوری پارٹی کے ساتھ مخلص بھی ہے اور محبوب سے دور رہ کر محبوب کی محبوبیت اور تقرّب کو نظر انداز نہ کرنا یہ اس کی آزمائش ہوگی اور اس امتحان میں پورا اترنا اس کی کامیابی کا اعلیٰ درجہ ہوگا اور محبوب کے مزید قریب کرنے کا ذریعہ بھی۔

اسی لئے تقرب کا یہ درجہ پہلے درجے سے بہت اونچا ہے۔ پہلا انسان ہر وقت اپنے محبوب کے قدموں میں اور قریب ہوتا ہے اور دوسرے درجے میں اپنے محبوب کی خاطر محبوب سے دور ہوتا ہے اسی لئے یہ درجہ پہلے درجے سے کہیں زیادہ فرمانبرداری اخلاص، محبت اور فدائیت کا متقاضی بھی ہے اور اس کا منہ بولتا ثبوت بھی۔

تقربِ الٰہی کے حوالے سے دیکھیں تو آسمان قربت پر پہنچ جانا ایک مرحلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے دوبارہ خلق خدا کی رہنمائی اور مخلوق کو خالق سے جوڑنے کے جذبے سے دوبارہ آسمانِ قربت سے اُتر کر محبوب سے دور رہ کر تکالیف اُٹھانا لوگوں کی باتیں سہنا اور پھر بھی

Marfat.com

محبوب سے راضی رہنا جس سے محبوب کی منشا پوری ہو ـــــ یقیناً اعلیٰ تر درجہ ہے۔

حضرت محمد ﷺ بھی آسمانوں پر تشریف لے گئے ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ کو قربِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ درجہ حاصل ہے مگر اسی قرب میں محبوب کا کہنا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے واپس آکر طائف کی بستی جیسے حالات میں پتھر کھانا، مکہ کی گلیوں میں لوگوں کے استہزا کا نشانہ بننا، مجنوں اور شاعر کے بُرے القابات سننا، وطن چھوڑنا، اُحد میں زخمی ہونا، خندق کے دن تکالیف اُٹھانا ـــــ صرف اور صرف محبوب کی خاطر اور اس کی رضا کے حصول کے لئے ہے کہ وہ اسی میں راضی ہے یقیناً ـــــ تقرّب کا بہت بلند درجہ ہے۔

تقرّبِ الٰہی کے درجے

تقرّبِ الٰہی کے اُصولاً تو یہی دو درجے ہیں اور صرف یہی ممکن ہیں۔ پہلی نظر میں لگتا ہے کہ انسان کے پاس اختیار (CHOICE) ہے کہ وہ ان میں سے جس درجے کو چاہے اپنے لئے چن لے اور اسی درجے میں محنت کر کے اور مجاہدات کے ذریعے آگے بڑھتا چلا جائے۔ مگر آپ دِقتِ نظر سے کام لیں گے تو ـــــ قارئین کرام! آپ کو محسوس ہوگا کہ انسان کے پاس اور ایک مخلص مسلمان کے پاس ان دو درجوں میں سے اپنے لئے کسی ایک کو چن لینے کا اختیار نہیں ہے یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور اُس نے یہ اختیار استعمال فرما کر ہمیں دنیا میں بھیج دیا ہے۔

تقرّبِ الٰہی کے یہ درجے خارجی حالات اور ماحول کے تابع ہیں۔

کسی انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ کونسا طریقہ تقرّبِ الٰہی کے لئے استعمال کرے یہ اس کا کام نہیں ہے یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا ہے کہ آپ دنیا میں آکر تقرّبِ الٰہی کے لئے کونسا طریقہ اپنائیں گے اور اس کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔

ہر انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اُسے دیگر کئی معاملات کی طرح اس میں اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کس ماحول میں رہے۔ خاندان، برادری، علاقہ، زبان ماحول دینی کیفیات اُس کو بطور ایک امتحانی پرچہ (GIVEN SITUATION) کے ملتی ہیں۔ انسان کی داخلی کیفیات سے قطع نظر خارجی طور پر کسی انسان کو ایمانی نقطہ نظر اور دینی لحاظ سے دو قسم کے ماحول میں کوئی ایک ماحول ملتا ہے یعنی کوئی انسان دنیا میں آنکھ کھولے بچپن لڑکپن گزار کر جوان ہو، شعور کی عمر کو پہنچے،

Marfat.com

عملی زندگی میں قدم رکھے تو ــــــ ایک صورتِ حال ایسی ہوسکتی ہے کہ اللہ کا دین مغلوب ہے لوگ دین سے بے پروائی برت رہے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا نہیں مانتے دین کے احکام پر قلیل لوگ عمل کرتے ہیں باقی نہیں کرتے، مسلمان غیروں کے غلام ہیں خلق خدا کی عظیم اکثریت اپنے رب سے غافل ہے اور دنیاداری، بے حیائی، عیاشی، ظلم، بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کے نظام کے تحت حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہی ہے شیطان خوش ہے اور حزب الشیطان مسلّط ہے، معرفت خداوندی، تقربِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی سعی کے الفاظ سے ہی دنیا ناآشنا ہے۔ دوسری صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ کوئی جوان اس ماحول میں عملی زندگی میں داخل ہو کہ دین غالب ہے ہر طرف نیکی کا غلبہ ہے، برائی کے دروازے بند ہیں ظلم، ناانصافی، شراب نوشی، جوا، بے حیائی، عیاشی، بدکاری کا سدباب کر دیا گیا ہے اور صلح وجنگ، عدالتیں، منڈیاں، بازار، عوام، حکومت، سیاست، معیشت، سب کام اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق طے پا رہے ہیں کفالت عامہ کا نظام ہے کوئی بھوکا نہیں سوتا کوئی کسی کا حق نہیں مارتا اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کا تقرّب حاصل کرنا، اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کی فضا قائم ہے، مسجدیں آباد ہیں شیطان ذلیل ورسوا ہے اور پریشان ہے۔

پہلی صورت اس وقت تھی جب حضرت محمد ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے 13 سال مکہ کے 8 سال مدینہ کے پھر دین غالب ہو گیا کم وبیش یہی کیفیت آج بھی ہے کہ دین مغلوب ہے۔

دوسری صورت تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور تھا اللہ کا دین غالب ہے جہاد ہو رہا ہے لوگ دین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں اس ماحول میں بے حیائی عیاشی کے تمام راستے بند ہیں ایک نوجوان اپنی زندگی کا لائحہ عمل کیا طے کرے گا؟ وہ ذاتی سطح پر خدمت خلق، عبادات ذکر واذکار تلاوت کرے گا جب کوئی تقاضا جہاد کا ہوگا کچھ لوگ یہ فرض کفایہ ادا کر کے باقی مسلمانوں کو اس فرض سے سبکدوش کر دیں گے۔

یہ دو قسم کے خارجی حالات ہیں جن میں سے کسی ایک قسم کے حالات سے لازماً انسان دوچار ہوتا ہے۔ گویا جس ماحول میں کوئی پیدا ہوتا ہے اس پر اُس کا کوئی کنٹرول نہیں تھا نہ اس کے پاس کوئی اختیار (CHOICE) لہٰذا ہر ذی شعور انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس ماحول

Marfat.com

کے مطابق اپنے دینی فرائض اور دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کا پابند ہے اور یوں تقرّبِ الٰہی کا اُوپر مذکور پہلا درجہ یا دوسرا درجہ اپنا لینے کا بھی پابند ہے۔ پہلے درجے میں رہتے ہوئے دوسرے درجے کے لئے ذہناً تیار رہنا بھی ممکن ہے اور اس کے مواقع بھی آتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں تقرّبِ الٰہی کے درجے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرّبِ الٰہی کو دو واضح درجوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک تقرب بالفرائض ہے اور دوسرا تقرب بالنوافل۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ،

جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے

وَ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ،

میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہ اُمور مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں

وَلَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ،

اور میرا بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں،

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ

جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے

وَ یَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا،

اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے

Marfat.com

وَلَئِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِيْذَنَّهٗ...... (رواہ البخاری)

اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔

تقرّب بالفرائض بمقابلہ تقرّب بالنوافل

اس فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہر انسان کے لئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے یا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے دو درجے ہیں۔ ایک تقرب بالفرائض کا درجہ ہے اور دوسرا تقرب بالنوافل کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ بیان ہی واضح کر رہا ہے کہ تقرب بالفرائض کا درجہ اعلیٰ ہے بمقابلہ تقرب بالنوافل کے۔

تقرب بالفرائض میں مطاع اور محبوب کے حکم کے مطابق عمل کرنا ہے اپنی ذاتی پسند ناپسند کو پیچھے کر کے ہر وقت اس کی 'رضا' کی خاطر کام کرنا ہے جبکہ تقرب بالنوافل میں متعلقہ شخص اپنی پسند اور چاہت کے مطابق اضافی عبادات کر رہا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق عبادات میں سے کسی ایک طرزِ عبادت (نفل نماز، نفل روزے، نفل صدقات وغیرہ) کو خود اپنے طور پر ترجیح دے کر کرتا چلا جا رہا ہے۔ لہٰذا تقرب الٰہی کی یہ تقسیم اور اس میں فرائض اور نوافل کے الفاظ ہی تقرب بالفرائض کے درجے کو تقرب بالنوافل کے درجے سے کہیں زیادہ اعلیٰ درجہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

تقرّبِ الٰہی کے ان مراتب کا فرق ــــ ایک مثال

تقربِ الٰہی کے ان دو مراتب کو واضح کرنے کے لئے پہلے بیان کردہ ایک مثال سے دوبارہ مدد لیتے ہیں۔ ایک مقام ہمارے ہاں نبوت و رسالت کا ہے اور دوسرا ولایت کا۔ نبوت کا درجہ اعلیٰ ہے اور 'ولایت' کا درجہ بہر حال نبوت کے مقابلے میں کم ہے۔

بعض اولیاء اللہ صرف ذاتی نیکی اور ذاتی روحانی ترقی پر ہی کفایت کرتے ہیں اور جب ان کو مقاماتِ عالیہ مل جاتے ہیں تو اسی مقام پر رہنا پسند کرتے ہیں اور بعض اولیاء اس مقام سے ترقی کر کے اوپر جاتے ہیں اور اپنے محبوب اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اور اس کی فرمانبرداری کے

Marfat.com

جذبے سے محبوب کی حضوری کے سکون کو قربان کر دیتے ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے معراج کے مراتب عالیہ سے نوازے گئے قربِ الٰہی حاصل ہوا مگر اپنے منصب رسالت اور خلق پر اِتمامِ حجت کی خاطر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس بات کی اہمیت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض و احکام کی بجا آوری کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے 'قرب' اور 'حضور' پر فائق رکھنا ضروری ہے۔ چاہے انسان کا دل یہ چاہتا ہو کہ قربِ الٰہی کی ٹھنڈی چھاؤں کو ہی اپنا مسکن بنائے رکھا جائے۔

جیسا کہ اوپر تذکرہ ہوا تھا کہ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے ملفوضات میں کسی موقع پر ایک خاص کیفیت کا تذکرہ ہے کہ

محمد ﷺ بالائے آسمان رفت و باز آمد بخدا! اگر من رفتمے باز نمی آمدمے

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ آسمان سے اوپر (سدرہ المنتہیٰ تک) تشریف لے گئے اور واپس آ گئے۔ خدا کی قسم اگر میں (کسی طرح) وہاں پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔

تقرب بالنوافل ــــــ حاصل شدہ قرب خداوندی کے مقامات پر ٹھہرے رہنے اور سکون کا نام ہے جبکہ تقرب بالفرائض ایسے بلند مقامات پر پہنچنے کے بعد بھی محبوب کے احکام کی بجا آوری کو مقدم رکھنا ہے۔ یہ انسانی کمزوری ہے کہ کتابوں کا قدردان اگر کسی ایسی لائبریری میں پہنچ جائے جہاں اس کے مطلب اور ذوق کی کتابوں کی کثرت ہو اور اُسے یہ نعمت غیر مترقبہ ملنے کا احساس ہو جائے تو وہ کچھ عرصے کے لئے دوستوں سے الگ اس لائبریری کے در و دیوار اور کتابوں میں گم ہو جائے گا اور اُسے شاید دوستوں کے بچھڑنے اور کسی اور اہم پروگرام کا فکر ہی نہ رہے اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو ــــــ بعض اوقات انسان اپنی پسندیدہ ذوق کی جگہ جا کر ایسا کھو جاتا ہے کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا اور کبھی نماز کا وقت بھی گزر جاتا ہے۔

تقرب بالفرائض اپنی پسند اور محبوب اشیاء کی کثرت اور فراوانی کے باوجود محبوب کے حکم اور اس کی رضا جوئی کو مقدم رکھنے کا نام ہے اور ذاتی اغراض، پسند ناپسند ذوق، تن آسانی، آرام راحت کو قربان کر دینے کا نام ہے۔ بقول شاعر

Marfat.com

خیریت جان، راحت تن، صحت داماں
بھول گئیں سب مصلحتیں اہل ہوس کی

تقرّب بالفرائض ـــــ کی شان

قربِ الٰہی کی یہ ایک ایسی شاندار منزل ہے کہ انسان اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے جو اس کا اب محبوب بن چکا ہے ـــــ دنیا کا ہر غم اور تکلیف اپنے گلے لگانے کو تیار ہے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار اور چوکس ہے۔ حتیٰ کہ محبوب کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں بے آرامی، ہجرت، ترکِ وطن، اولاد کی قربانی، علائق دنیوی کی قربانی سب کچھ اس کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغام بر (رسول ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد کے شوق کے سامنے بڑی شان استغنا سے ٹھکرا دیے جانے کے قابل ہیں۔

یہ مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو یا ہمارے آقا سیّدنا محمد ﷺ کی ہو ـــــ حاصل ایک ہی ہے۔ دونوں جگہ "اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کا باطل شکن نعرہ ہے جس کے جواب میں بارگاہ ایزدی سے ایسے شخص کے لیے سلام کا تحفہ 'اِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا' کی نوید جانفزا اور 'لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی' کی تھپکی ہوتی ہے جس سے اس راستے کی تکالیف محسوس ہی نہیں ہوتیں اور اس راہ کے سنگ گراں بھی پھول محسوس ہوتے ہیں۔

تقرب بالفرائض کے ذریعے انسان یعنی بندہ مومن ایک ایسے خدائی لشکر کا ایک فرد بن جاتا ہے جسے قرآن پاک میں 'حزب اللہ' کہا گیا ہے۔ وحی الٰہی کے مطابق دنیا میں دو ہی گروہ (PARTIES) ہیں ایک حزب اللہ اور دوسرا حزب الشیطان۔ حزب اللہ ـــــ اللہ کی پارٹی ہے اور یہ پارٹی اللہ کا جھنڈا اُٹھاتی ہے سربلند رکھتی ہے اور اس راہ میں اس پارٹی کا ہر فرد اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اُخروی کامیابی میسّر آ جائے۔ جنت میں دیدارِ الٰہی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکے۔ جبکہ حزب الشیطان ـــــ ابلیس لعین اور شیطان کے پیروکاروں کی پارٹی ہے جو دنیا میں شر، اخلاقی بے راہ روی، بے حیائی، بے پردگی، عریانی، فحاشی، کاروباری اور سماجی برائیوں کے علاوہ سیاسی طور پر ظلم، ناانصافی، شرک، خدائی کا

Marfat.com

دعویٰ، وحی دشمنی، انبیاء کرام علیہم السلام سے دشمنی اور خدا بیزاری کو آگے بڑھاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کی حمایت کرتا ہے اُسے آگے بڑھاتا ہے اس پر دست شفقت رکھتا ہے اور کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ بقول شاعر

؎ اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یا ؎ دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا

حزب اللہ ——— کا معاملہ یہ ہے کہ یہ پارٹی اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے باطل سے ٹکراتی ہے اور اس کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (18:21)

''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے''

یا بقول علامہ اقبال

؎ صورتِ شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے ہر زماں جو اپنے عمل کا احتساب

'حزب اللہ' تشکیل پا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو نیچا دکھاتا ہے اور حق کا بول بالا کرتا ہے۔ اس حزب اللہ کا ہر فرد ——— اپنی جگہ ایک چٹان ہوتا ہے۔ بندۂ مومن دوستوں میں ہو تو ——— معاملہ مختلف ہے۔ مگر جب معرکہ حق و باطل ہو تو کفر کے مقابلے پر اُتر کر بندۂ مومن جرأت بہادری، وسیع الظرفی، حوصلہ اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے اور پیٹھ نہیں دکھاتا۔ بندۂ مومن حزب اللہ میں شریک ہو کر خدائی لشکر بن جاتا ہے اور ہر طرح کی کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔

تقرب الفرائض کا خوگر بندۂ مومن ——— تقرب بالفرائض کے مرحلہ میں بھی شعور ذات کو نہیں بھولتا۔ اجتماعی کام کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادی اصلاح بھی کرتا ہے اور دوسروں کی

Marfat.com

طرح اپنا بھی بے لاگ محاسبہ کرتا رہتا ہے۔

بقول علامہ اقبال

ے
ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہوتو فولاد ہے مومن

یا ے
بروز بزم ملائم چوں پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

اس 'حزب اللہ' پر اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اور فرشتوں نے جو تخلیق آدم کے وقت کہا تھا کہ ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں لہٰذا انسان سے بہتر ہیں اور 'خلافتِ ارضی' کا بار اُٹھا سکنے کے اہل ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے' اس گوشت پوست کے انسان کی قربانیوں اور اپنی جبلی خواہشوں اور تقاضوں تک کو پس پشت ڈال کر صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر جان و مال بھی راہِ حق میں فدا کر دینے والے' آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کو یہ خلافتِ ارضی کا بارگراں عطا فرمایا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان محبت خداوندی میں جو قربانی دے سکتا ہے وہ فرشتہ نہیں دے سکتا۔

ے
چناں خود را نگہ داری کہ باایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجود خود ز خونِ دوستاں خواہی!
مقامِ بندگی دیگر ، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی!

یا ے
از کمالت گر ملک آگاہ بودے
کے اَتَجعَلُ گفتہ خود رسوا شدے (مثنوی پیر مہر علی شاہ)

اولادِ آدم علیہ السلام میں سے یہ قابل فخر حصہ تقرب بالفرائض کے حصول میں کوشاں اہل ایمان' مقربین بارگاہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں بڑا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انہی مقربین بارگاہ کا ہی درجہ آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو تاریخ اسلام میں رات کے راہب اور دن کے شاہسوار کہا گیا ہے۔ جبکہ قرآن پاک میں نسل انسانی کے ان قیمتی نایاب گوہروں کا یوں باعزت تذکرہ کیا گیا ہے:

Marfat.com

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ

محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔

تَرٰىهُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا

(اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کررہے ہیں۔

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ

(کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پرنشان پڑے ہوئے ہیں۔

ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَ مَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ (29:48)

ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ

اور بہت سے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں

فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوۡا وَ مَا اسۡتَکَانُوۡا

تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی نہ (کافروں سے) دبے

وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ (146-03)

اور اللہ تعالیٰ استقلال رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

یہی فخر انسانیت لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ

(وہ) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ

Marfat.com

بلند کیے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان میں صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہیں

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ

(یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ

وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جب دل اور آنکھیں (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے

وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (36:24)

اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہی غازی اور پُراسرار بندے ہیں جن کے مخالفوں سے اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔ یہی لوگ دین کو سربلند کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب کر دیتا ہے۔

تقرّب بالنوافل

جب اللہ تعالیٰ کا دین متین غالب ہو جائے تو اب باصلاحیّت باہمّت اور اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اوّلاً اس نظام کو اپنے راستے سے نہ ہٹنے (DERAIL) دیں اور ثانوی طور پر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیں۔ اجتماعی ذمّہ داریوں کے ساتھ ساتھ انفرادی اور گھریلو ذمّہ داریاں بھی ادا کرتے ہیں۔ فرمانِ رسالت ﷺ ہے

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي (ترمذی، عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

''تم میں سب بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہیں اور میں تم

Marfat.com

میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں"

غلبہ حق کے بعد ــــــ تقرب الٰہی کا درجہ نوافل کے ذریعے آگے بڑھنے کا ہے۔ اب انسان کی دل و دماغ کی صلاحیتیں اور سارا وقت جو اپنی کسب معاش اور گھریلو ذمہ داریوں سے بچے ــــــ اُسے اس کام میں لگا دینا ہی بندۂ مومن کے لئے واحد راستہ رہ جاتا ہے۔

جب اسلام غالب ہو، اللہ تعالیٰ کے دین کا چرچا ہو، ہر طرف ماحول میں نیکی ہی نیکی ہو برائی کا سد باب کر دیا گیا ہو ــــــ شیطانِ لعین کے برائی پھیلانے کے راستے محدود مسدود کر دیے گئے ہوں خلق خدا آسودگی اور امن کے ساتھ اپنے رب کی عبادت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں ہو۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول رہتا ہے۔ ہر انسان ایک دوسرے سے آگے نکل کر اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا خواہش مند ہو تو یہ وقت ہے کہ انسانیت اپنے مقصد وجود کو حاصل کر لیتی ہے۔ اخلاق، کردار، عادات، اطوار، رہن سہن، خوشی غمی کے اظہار کے طریقے، کھیل کود کے طریقے حتیٰ کہ ایمانی کیفیات اور نجات اُخروی کے احساس کے تحت انسان اس دنیا میں جو بھی کام کرتا ہے وہ بھی رضائے الٰہی کے حصول کے مددگار بن جاتے ہیں۔ اس ماحول میں ہر اُمت کا طرزِ تعمیر، طرزِ بود و باش، طرزِ فکر، آرٹ اور فارغ اوقات کے مشغلے ایک نیا جنم لیتے ہیں جو اس اُمت کے نظریات و خیالات کے عکاس ہوتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب اُمت مسلمہ کو عروج حاصل تھا وہ مغلیہ دور کا ہند ہو، یورپ کا مغربی حصہ اندلس (سپین) ہو یا مشرق وسطیٰ کی عباسی سلطنت اور ایران کا مسلم دور حکومت اس میں انسانی دماغ اور ہاتھوں سے قلم اور برش کے ذریعے جو آرٹ کے نمونے بنائے گئے ہیں ان کی پاکیزگی اور اعلیٰ انسانی قدروں کے عکاس ہونے کا زمانہ معترف ہے اور یہی انسانیت کی معراج ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ فی الارض بنا کر اپنی اسی شان کے اظہار کے لئے بھیجا ہے ــــــ جو اسلام کے غلبے کے دور میں تقرب النوافل کے ذریعے اپنے رب کے قرب اور رضا کے حصول کے لئے کوشاں انسانیت اپنے رویوں سے ظاہر کر رہی ہوتی ہے۔ یہ ماحول انسانیت کی معراج کہلا سکتا ہے اس ماحول میں انسانیت امن و سکون سے اپنے رب کی مرضی کے مطابق مجموعی طور پر زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ یہی جنت ارضی ہے...... جہاں کوئی بھوکا نہیں سوتا...... کسی کی

Marfat.com

عزت نہیں لٹتی ...... کوئی ڈاکہ نہیں ...... کوئی چوری نہیں ...... ظلم نہیں ...... دھونس و دھاندلی نہیں ...... بے انصافی نہیں ...... ملاوٹ نہیں ...... کم تولنا نہیں ...... بے ایمانی نہیں ...... رشوت نہیں ...... سود نہیں کسی قسم کا استحصال نہیں ...... خدائی کے دعوے نہیں ...... آقا و غلام غریب و امیر، کالے اور گورے، سیٹھ اور مزدور، اعلیٰ ذات اور کمتر ذات میں کوئی تفاوت نہیں مساوات انسانی کا چلن ہے جس سے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت للعالمینی کا ہر کس و ناکس اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے اور اس کی برکات سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یہی فکر انسانی کی معراج ہے اور حقوق انسانی کا سنہری اور درخشندہ نمونہ ـــــ کہ اس سے بہتر دورِ انسانیت کبھی آ ہی نہیں سکتا اور اس کے علاوہ نہ کبھی آیا ہے۔

تقرّب بالفرائض اور تقرّب بالنوافل کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق

جب بندہ اپنے رب کی طرف فرائض کی ادائیگی (فرائض عبادات، حلال رزق کی طلب، جہاد اور شوقِ شہادت) کے ذریعے آگے بڑھتا ہے، دین کا جھنڈا اُٹھاتا ہے اور دنیا میں نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بن جاتا ہے۔ حزب اللہ بن کر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی تلوار اور "جُنۡدٌ مِنۡ جُنُوۡدِ اللّٰه" کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے ظہور کا آلہ اور مظہر بن جاتا ہے۔

دوسرے ماحول میں جب انسان غلبہ اسلام کے حالات میں صرف ذاتی عبادات اور نوافل کے ذریعے قرب خداوندی کا متلاشی رہتا ہے تو اُسے بھی قرب خداوندی ملتا ہے مگر یہ قربِ الٰہی ایک دوسری شان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کا ہاتھ کان آنکھ اور پاؤں بن جاتا ہے گویا جو بندے کی چاہت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے پورا فرما دیتے ہیں جو دُعا کرتا ہے وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

پہلی صورت کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے جوریت کی مٹھی پھینکی تھی ـــــــ وہ عمل کیا تھا

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (17:08)

''اور (اے نبی ﷺ) جس وقت آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں''

گویا ارادہ اور مشیت اللہ تعالیٰ کی تھی جو آپ ﷺ کے ہاتھ سے پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرمادی۔

دوسری صورت میں جب انسان ذرا نمایاں ہوکر درجہ کمال کے قریب ہوتا ہے تو وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ جو دُعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے جو ارادہ کرتا ہے پورا ہوجاتا ہے۔ یہ کیفیت انسان پر اس وقت تک طاری رہتی ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہتا ہے۔

حاصل کلام

ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ آج جبکہ اسلام مغلوب ہے اس کے غلبے کے لئے جدوجہد، حصول رضائے الٰہی کی خاطر قربانی اور درجہ شہادت پاکر اعلیٰ درجات جنت حاصل کرلینا اسی شخص کے نصیب میں ہوسکتا ہے جو اس راہ کا مسافر ہو ـــــــ اس پُر خطر راہ کا مسافر وہ شخص ہے جو تقرب بالفرائض والی عزیمت کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں چوکس ہوشیار اور بیدار ہے۔ اور ـــــــ جو ہمارے بھائی اس دور میں بھی صرف ذاتی عبادات اور ذکرواذکار کے مشغلے میں لگ کر جہاد اور غلبہ دین کی ذمہ داری دوسروں کے سر ڈال کر خود صرف تقرب بالنوافل کے لئے کوشاں ہیں وہ اس راستے سے جس چیز کے لئے کوشش کررہے ہیں وہ غلط موسم اور غلط ماحول میں کسی بے موسم کی چیز کے لئے کوشاں ہیں۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ

آپ ہی طرزِ تغافل پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

Marfat.com

یا بقولِ شاعر مشرق علامہ اقبال

اندازِ بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلک مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب مُلّا و نباتات و جمادات

آیئے آج اسلام کی غربت کے دور میں اپنے لئے صحیح طرزِ عمل اور صحیح راستہ ——— یعنی تقرب بالفرائض کا راستہ اختیار کریں، آگے بڑھیں اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کی جدوجہد کریں اور دنیا میں نظام خلافت برپا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور خلق خدا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت للعالمینی کا مظہر ——— عدل اجتماعی کا وہ نظام دے دیں جس میں خلافت راشدہ کا عکس جمیل جھلک رہا ہو ——— جیسا کہ احادیث مبارکہ میں قربِ قیامت میں اسلام کے عالمی غلبہ کے اشارات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے پورے کرانے والا ہے اور ہماری سعی کو مشکور فرمانے والا ہے۔ آمین۔

Marfat.com

خودی کی زندگی

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر!
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر!
نہنگِ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگِ مُردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!

Marfat.com

14

انسانی معاملات میں

اصلاحِ احوال کا واحد ذریعہ توبہ ہی ہے

فکرِ صحیح یعنی ایمان کے ساتھ اگر عملِ صحیح مل جائے تو انسانی زندگی کا ہر گوشہ انفرادی اور اجتماعی فلاح کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اس راہ میں بے راہ روی کا واحد علاج توبہ ہی ہے جو تجدید ایمان کا دوسرا نام ہے

حقیقتِ توبہ

تذکیری نشست کیڈٹ کالج جھنگ میں 13 اپریل 2014ء کو ماہانہ خطاب مذکورہ عنوان سے ہوا، جسے استفادۂ عام کے لیے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔

(حکمت بالغہ جون 2014ء)

Marfat.com

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (18-17:04) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

عزیز طلباء اور معزز حضرات! آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے توبہ اور توبہ کی حقیقت۔ توبہ کا لفظ ہم سب بولتے ہیں اور ہمارے دین کی ایک بہت ہی اہم اصطلاح ہے اور یہ ہر شخص کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہم سب جو زندگی گزار رہے ہیں اور زندگی میں جو کام کر رہے ہیں ہمارا دین یہ کہتا ہے کہ ہم نے ان سب کا اپنے رب کو جواب دینا ہے۔ اس دنیا کی زندگی یہی ہے کہ اس میں لوگ آتے ہیں، بچے پیدا ہوتے ہیں، بڑے ہوتے ہیں، جوان ہوتے ہیں بوڑھے ہو جاتے ہیں علم حاصل کرتے ہیں اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں کوئی زندگی میں وزیراعظم بنتا ہے، کوئی وزیر بنتا ہے، کوئی فوجی بنتا ہے، کوئی تاجر بنتا ہے، کوئی استاد بنتا ہے اور پھر زندگی گزار کر لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد کہاں جاتے ہیں؟ جو لوگ غیر مسلم ہیں وہ تو سمجھتے ہیں کہ جو آدمی مر گیا سو مر گیا ختم ہو گیا جیسے گدھا مر گیا، شیر مر گیا، گھوڑا مر گیا، ہاتھی مر گیا، کتا مر گیا، ختم ہو گیا۔ اب دنیا کی ایک عظیم اکثریت امریکہ، یورپ، برطانیہ، چین، جاپان یہ سارے ہی غیر مسلم ہیں اور ان تمام

Marfat.com

ممالک کے رہنے والوں کے نزدیک مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں بس انسان زندگی میں جو کچھ کرے، لوٹے، ظلم کرے، زیادتی کرے، مارے پیٹے، صرف پولیس کی نگاہ سے بچتا رہے، مار نہ پڑے بس اس کے بعد وہ مر گیا تو ختم۔ جبکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین ہمیں یہ کہتا ہے کہ مرنا ختم ہونے کا نام نہیں ہے، مرنے کے بعد ایک اور زندگی شروع ہونے والی ہے۔ یہ کوئی انسان اپنے تجربے سے نہیں بتا سکتا۔ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ وہ مر گیا ہو اور پھر تھوڑی دیر کے لئے واپس آیا ہو اور آ کر بتائے کہ بھائی! میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ مرنے کے بعد بہت برا حال ہے بہت سوالات ہو رہے ہیں تو تم سیدھے ہو جاؤ۔ دنیا میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے۔ دنیا میں ہمیں یہ باتیں اللہ نے بتائی ہیں یہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور محمد ﷺ پر اترا تھا ہمیں یہ بات محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے اور ہم اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں اور نبی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ایک سچا انسان مانتے ہیں اور سچا انسان بھی اس طرح کا مانتے ہیں کہ ساری دنیا کی رائے ایک ہو ساری دنیا کے لوگ کہہ رہے ہوں کہ یہ بات ایسے ہے اور محمد ﷺ کی رائے ایک طرف ہو وہ اپنی رائے میں اکیلے ہوں تو بھی بات کس کی سچی ہے؟ بات محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی ہے۔ ساری دنیا مخالفت کر رہی ہو بات کسی کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو اور وہ اپنے کسی مفاد کی وجہ سے اسے مان نہ رہے ہوں لیکن جو بات محمد ﷺ کہہ رہے ہیں وہ بات صحیح ہے۔ تو نبی ماننے کا یہی مطلب ہے۔ لہٰذا ہمیں تو آخرت کو مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ منکر نکیر فرشتے کیسے آتے ہیں؟ قیامت کے دن کیسے زندہ کیے جائیں گے؟ حساب کتاب کیسے ہو گا؟ جنت کیسے ہو گی؟ دوزخ کیسی ہو گی؟ جنت کی نعمتیں کیا ہیں؟ یہ آج ہم سوچ ہی نہیں سکتے یہ ایک دوسری دنیا ہے ایک اور جہاں ہے۔ لیکن ہم مانتے ہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم سب یہاں زندگی گزار رہے ہیں اور پھر آدمی یہاں سے چلا جاتا ہے نوجوان بھی جا رہے ہیں، چھوٹی عمر کے جا رہے ہیں، بڑی عمر کے جا رہے ہیں، کئی بوڑھے ستر اسی سال کی عمر کے بھی جا رہے ہیں، لیکن جو جتنی عمر میں جائے گا اور اس نے یہاں جو کام کیے ہیں اچھے کام کیے ہیں یا بُرے کام کیے ہیں، شرارتیں کی ہیں، لوگوں کو تنگ کیا ہے، پریشان کیا ہے یا خدمت خلق کی ہے، ان سب باتوں کا اللہ کے ہاں حساب ہونا ہے اللہ کے سامنے

Marfat.com

ہر شخص کو پیش ہونا ہے اور پوری زندگی کا حساب دینا ہے۔ یہ ہمارا دین ہمیں کہتا ہے۔ آپ ابھی نوجوان ہیں آج سے ہی سوچنا شروع کر دیں گے تو شاید کچھ دنوں میں کچھ سالوں میں آپ کو سمجھ آجائے کہ دنیا میں ہم انسان جو کچھ کرتے ہیں کچھ لوگ اچھے کام کرتے ہیں، کچھ لوگ شرارتیں کرتے ہیں، لیکن اچھے لوگوں سے بھی کبھی کبھار غلطی ہو جاتی ہے غلطی کے امکان تو موجود ہیں آج 100 فیصد تو کوئی بھی صحیح نہیں ہو سکتا کسی سے کم غلطیاں ہوتی ہیں کسی سے زیادہ ہوتی ہیں، لیکن لوگوں کو، نوجوانوں کو، بڑوں کو، چھوٹوں کو غلط کاموں سے روکنا کہ آج کے بعد کوئی شرارت نہیں کرے گا، آج کے بعد کوئی کسی کی چیز نہیں چھپائے گا آج کے بعد کوئی جھوٹ نہیں بولے گا، جو لوگ بڑے ہیں کوئی کم نہیں تولے گا، کوئی ملاوٹ نہیں کرے گا، کوئی بددیانتی نہیں کرے گا، کوئی کسی کو نہیں مارے گا۔ دنیا میں ہمارے پاس بُرے کاموں سے روکنے کے لئے کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے آخرت پر ایمان کے۔ آپ کتنا ہی سخت قانون بنالیں جگہ جگہ پولیس کھڑی کر دیں اور ہر طرح سے انتظامات کر دیں پھر بھی لوگ غلط کام کرنے کا، نافرمانی کا، شرارت کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیں گے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق اور مالک ہے جس نے ہمیں بنایا ہے وہ ہمارا محسن ہے، ہماری خیر اور بھلائی چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہم اچھے کام کریں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ انسان کے اندر کوئی شرارت کا پہلو بھی ہے لہٰذا اللہ نے آخرت کا احساس دیا ہے اور انسان کو غلط کاموں سے روکنے کا یہ نظام بنایا ہے۔ ذرا غور کریں کہ ہر آدمی پر تو ایک نگران مقرر نہیں کیا جا سکتا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور جہاں یہ غلط کام یا کوئی حرکت کرنے لگے وہاں اس کو خود ٹھیک کر دے یا اس کی شکایت کر دے۔ ہر آدمی پر ایک پولیس والا بھی نہیں لگایا جا سکتا، پولیس والا بھی آخر انسان ہے اسے بھی آرام کرنا ہے چھٹی کرنی ہے اور کھانا ہے اور گھر جانا ہے اگر آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی لگائیں تو ہر آدمی پر 24 گھنٹے نگرانی کے لئے تین آدمی چاہئیں جو آٹھ آٹھ گھنٹے اس پر پوری نگرانی کریں گے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ تو پھر یہ تو مسئلہ حل ہونے والا نہیں۔ یہ اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہر انسان کو اللہ خود دیکھ رہا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کرتا ہے۔ دیکھو! انسان کی ایک زندگی وہ ہے جیسے ہم یہاں مل کر بیٹھے ہیں، یہاں سے باہر جائیں گے کھیل کود ہو گا پھر کلاس میں چلے جائیں گے، پھر مسجد میں چلے جائیں گے۔ یہ ہماری اجتماعی زندگی ہے، مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں۔

Marfat.com

اس اجتماعی زندگی میں ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ کون کتنے بجے آیا تھا، نماز میں کون پہلے آیا اور کون بعد میں آیا، کون پہلی رکعت میں پہنچا اور کون آخری رکعت میں پہنچا۔ لیکن ایک ہماری زندگی ہوتی ہے انفرادی زندگی، جب آدمی کمرے میں اکیلا ہوتا ہے تو کنڈی لگا دیتا ہے، باتھ روم جاتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے کنڈی لگا دیتا ہے، اسی طرح اور کئی مواقع آتے ہیں کہ آدمی اکیلا ہے بظاہر اس کو کوئی نہیں دیکھ رہا۔ جو کافر لوگ ہیں ان کے نزدیک تو موج کا اور عیش کرنے کا موقع ہے، کوئی بندہ دیکھ ہی نہیں رہا۔ لیکن اللہ نے بتایا ہے کہ انسان ایک جواب دہ مخلوق ہے، اس کو آخرت میں جواب دینا ہے لہٰذا اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اور ہر چیز نوٹ ہو رہی ہے۔ اللہ نے کراماً کاتبین دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ لگا دیے ہیں ایک دائیں کندھے پر بیٹھا ہے ایک بائیں کندھے پر۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور قرآن مجید میں ہے۔ کافر یقیناً یہ نہیں مانتے، لیکن ہم مسلمان تو مانتے ہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یا زبان سے بولتے ہیں فرشتے لکھ رہے ہیں۔.......... آج جو آدمی ستر سال کا ہے وہ ساٹھ سال پہلے پرائمری سکول میں ہوگا، پچاس سال پہلے وہ کالج میں ہوگا تو ہر آدمی چاہے جتنا بوڑھا ہو جائے عورت ہو یا مرد، اس کو اپنی بچپن کی باتیں بھی ساری یاد ہوتی ہیں کہ یہ کام ایسے کیا تھا، یہ ایسے کیا تھا، کوئی شرارت کی تھی، کسی کو نقصان پہنچایا تھا، کبھی سکول نہیں گئے تھے، کبھی مار پڑی تھی، کسی امتحان میں اتنے نمبر آئے تھے، کوئی انعام ملا تھا، کسی امتحان میں فیل ہو گیا تھا اس کا یہ نتیجہ نکلا تھا، دوستوں کے پرانے گھر جانتے ہیں، شہر کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے، مکان گر جاتے ہیں، پچاس سال بعد بہت تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، لیکن اس شہر کا رہنے والا جانتا ہے کہ پچاس سال پہلے یہ سڑک ایسے تھی، یہ اسٹیشن ایسے تھا، یہ سول لائن ایسی تھی، وہ بتا دیں گے، حالانکہ وہ پاکستان بننے کا وقت ہوگا اس وقت بھی بتا دیں گے کہ یہ سڑک یوں تھی، اس زمانے میں اس گھر میں فلاں رہتا تھا ان کا بچہ میرا کلاس فیلو تھا آج کل وہ وزیر بنا ہوا ہے، جنرل بنا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو ہر آدمی اپنے ماضی کو جانتا ہے۔ آپ اس ادارے میں پڑھ رہے ہیں دس، بیس، تیس، چالیس، پچاس سال بعد جب بھی آپ یہاں سے گزریں گے آپ کو یاد آ جائے گا میں یہاں پڑھتا تھا اور یہ میرا کلاس روم ہوتا تھا اور میں یہاں بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا اور یہ یہ میرے کلاس فیلو تھے اور ان کی بچپن کی شکلیں بھی آپ کو یاد ہوں گی،

Marfat.com

حالانکہ بڑے ہو کر آدمی بدل جاتا ہے۔ تو اللہ نے انسان کے اندر بھی کوئی ایسا نظام بنا دیا ہے کہ ہر چیز محفوظ ہو رہی ہے جو کچھ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں اصل میں یوں سمجھیں کہ یہ دو ویڈیو کیمرے ہیں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ اندر کہیں محفوظ ہو رہا ہے۔ انسان کے دماغ میں کوئی ایسی میموری ہے، کوئی ہارڈ ڈسک ہے جس میں جو بھی چیز آپ دیکھ رہے ہیں وہ اندر محفوظ ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ جو آوازیں ہم سنتے ہیں یہ بھی محفوظ ہو رہی ہیں، آڈیو ریکارڈنگ بھی ہے، ویڈیو ریکارڈنگ بھی ہے۔ جو بڑی عمر کے لوگ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسے ہوتا ہے میرے ساتھ ایسے ہوا، آپ بڑے ہو جائیں گے آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوگا کہ یہاں سے جب آپ پڑھ کر چلے جائیں گے پھر ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں لگ جائے گا پھر دس، بیس سال بعد کسی پرانے دوست سے ملاقات ہوگی تو آدمی آواز سے اس کو پہچان جائے گا کہ یہ جو کہیں بول رہا ہے یہ فلاں آدمی ہوگا تو اس کی آواز بھی آپ کے ذہن میں کہیں محفوظ ہوگی جس کو آپ تلاش کر لیں گے کہ اس کا یہ نام ہے، اس کا یہ رول نمبر ہے، ہم کلاس فیلو تھے اور وہ کہاں کا رہنے والا ہے، تو یہ ساری باتیں اللہ خود بھی جانتا ہے، دو فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں اور تیسرے درجے میں ہر انسان کے اندر بھی ہر چیز ریکارڈ ہو رہی ہے۔

قرآن مجید میں اسی طرح ہے، پندرھویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کے اندر کوئی چیز ہے کوئی چپ (CHIP) ڈالی گئی ہے جس میں ہر چیز، ہر حرکت اور ہر اشارہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس چپ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نکال کر سامنے لا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اِقْرَأْ كِتَابَكَ ہم تمہارا سارا ریکارڈ تمہیں دے رہے ہیں خود پڑھ لو۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (17:14) تم خود اس پر گواہ کافی ہو۔ یہ تمہاری ہی ساری تصویر ہوگی، تمہارا ہی ساری زندگی کا کردار ہوگا، تم انکار کر ہی نہیں سکو گے۔ تو کئی ذرائع سے ہم سب کی نگرانی ہو رہی ہے جیسے حکومتیں یا ادارے تو سیکورٹی کیمرے لگاتے ہیں اور سیکورٹی والا آدمی بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے کہ گیٹ پر کیا ہو رہا ہے، کلاس روم میں کیا ہو رہا ہے، میس میں کیا ہو رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا سیکورٹی اور ہر آدمی کی نگرانی اور ہر آدمی کو WATCH کرنے کا جو نظام ہے وہ کہیں زیادہ سخت اور مؤثر ہے۔ پھر جب انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو مثال کے طور

Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام فوت ہو گئے یہ کتنے ہزار سال پہلے کی بات ہے، کچھ لوگ آج فوت ہو رہے ہیں دنیا چل رہی ہے کچھ عرصے بعد جو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ تمام انسان بیک وقت ختم کر دیے جائیں گے اس دنیا کا ایک END ہے۔ اس آخری وقت کے بعد کچھ عرصہ گزرے گا تو پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سارے انسان دوبارہ زندہ کر دیے جائیں گے اور پھر وہ دن ہوگا جسے ہم قیامت کا دن کہتے ہیں، پھر اسمبلی ہوگی، پھر اللہ کے سامنے پیشی ہوگی، پھر حساب کتاب ہوگا اور اعمال تولے جائیں گے، پوچھ گچھ ہوگی اور پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کس نے جنت میں جانا ہے اور کس نے سزا بھگتنی ہے۔ یہ بات دنیا میں صرف مسلمان مانتے ہیں بس، غیر مسلم دنیا اس کو تسلیم نہیں کرتی، لہٰذا غیر مسلم دنیا میں جو الٹے سیدھے کام کرتے ہیں وہ ان کے لئے مسئلہ ہی نہیں، وہ کرتے رہتے ہیں وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں کسی نے بے چاروں کو بتایا ہی نہیں۔ جبکہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے۔ اور قیامت تو آجائے گی اس دن ان کافروں کا کیا حال ہوگا؟۔

اب اگر یہ بات سمجھ آجائے کہ ہم میں سے ہر شخص نے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنی ساری زندگی کا (تھوڑی ہے یا زیادہ) حساب کتاب دینا ہے تو پھر اس کی اہمیت سمجھ میں آئے گی اور احساس ہوگا کہ بھائی مجھے تو آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں کہ دین یہ کہتا ہے، اتنے سال ہو گئے ہیں میں تو نماز ہی نہیں پڑھ رہا، میں نے تو قرآن مجید سیکھا ہی نہیں ہے، تو اب کیا کیا جائے؟ یہ مسئلہ تب پیدا ہوگا جب دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اگر حساب کتاب ہے تو میرا تو یہ مسئلہ ہے، اب کیا طریقہ نکالا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ تمہارا مسئلہ ہے تمہارے والدین کو بتانا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم اور شفیق ہیں۔ اللہ نے توبہ کا ایک راستہ کھول دیا ہے توبہ کی گنجائش رکھ دی ہے کہ اگر کسی آدمی کو احساس ہو جائے کہ میں بھول گیا تھا اور ایک عرصے تک مجھے سبق یاد نہیں رہا مجھ سے کوتاہی ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو گنجائش دے دیتا ہے کہ کوئی بات نہیں ہے اب تک تم بھولے رہے ہو، تب تمہیں احساس نہیں تھا کہ میری یہ ذمہ داری ہے، مجھے یہ بھی کرنا ہے، مجھے اس کا بھی جواب دینا ہے آج سے فیصلہ کر لو کہ جو پیچھے ہو گیا وہ الگ، اے اللہ! آج میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ تیرا کہنا مانوں گا۔ کوئی آدمی اگر اس طرح فیصلہ کر لے،

Marfat.com

کوئی نوجوان، کوئی عورت، مرد، بوڑھا، صرف جوان نہیں، کوئی آدمی ساٹھ سال ہو گئے اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ جدھر منہ آیا ادھر چلا گیا، جو دل میں آیا کر لیا، جو چاہا سن لیا، جو چاہا کھا لیا، جو چاہا پی لیا یہ نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کیا کہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں، اب ساٹھ سال کی عمر میں کسی کو کوئی وعظ یا تقریر سن کر یہ خیال آ جائے کہ یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا، اگر واقعی حساب کتاب ہونا ہے تو میری تو ساری زندگی گزر گئی مجھے تو اللہ کو جواب دینا بڑا مسئلہ ہو جائے گا کیا کیا جائے؟ وہ واقعی (SERIOUSLY) پریشان ہو جائے، سوچنے پر آمادہ ہو جائے کہ اب اس کا کیا حل نکالا جائے میرا قصور تو ہے لیکن مجھے تو کسی نے بتایا بھی نہیں ہے۔

یہ توبہ کا راستہ یہاں سے کھلتا ہے کہ اللہ نے ایک گنجائش پیدا فرما دی ہے کہ اگر تم واقعی (SERIOUSLY) سچائی کے ساتھ یہ کہہ سکو کہ میں آج تک بھولا رہا ہوں کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، سچ بولنا چاہیے یہ کرنا چاہیے تو چلو کوئی بات نہیں تم توبہ کر لو۔

توبہ کا کیا مطلب ہے؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ وہ ابھی ہم آگے بیان کرتے ہیں۔ یہ چوتھے پارے میں سورۃ النساء ہے اس کی دو آیتیں میں نے آپ کے سامنے پڑھیں تھیں ان کا پہلے ترجمہ کر لیتے ہیں۔ اللہ نے دو طرح کی توبہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک توبہ وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ آدمی اگر اس طرح توبہ کر لے تو اس کی توبہ میں ضرور قبول فرماؤں گا اور ایک دوسرے آدمی کا ذکر کیا ہے کہ اس آدمی کی توبہ میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اور توبہ قبول ہونے کا مطلب حدیث مبارکہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (ابن ماجہ) جو آدمی گناہ سے اللہ کی نافرمانی سے خلوص کے ساتھ سچی توبہ کر لیتا ہے وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، اللہ اس کا سارا سابقہ ریکارڈ محو کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ سچی توبہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ ساری سابقہ غلطیوں سے درگزر فرما دیتا ہے سابقہ رجسٹر بند کر کے ایک نیا رجسٹر اس کا ایک کھول دیتے ہیں۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ تو توبہ واقعتاً بہت اہم اور انسانوں کے لئے اللہ کی خاص رحمت ہے۔ قرآن مجید کہہ رہا ہے کہ دوسری قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول ہی نہیں کرتے۔ یہ انسان کا کتنا بڑا نقصان ہے کہ وہ توبہ کر رہا ہے اور بار بار کر رہا ہے اور اللہ کہہ رہا ہے، تمہاری توبہ قبول نہیں، تمہاری توبہ قبول نہیں۔ تو سوچنا پڑے گا کہ کہیں ہماری توبہ

Marfat.com

بھی اس طرح کی نہ ہو جائے جو قابل قبول نہیں ہے۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے فرمایا: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جب وہ توبہ کرتے ہیں تو ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرما لیتے ہیں۔ جیسے WELCOME کرتے ہیں کہ شاباش آجاؤ کوئی بات نہیں۔ جو اچھے کام کرتے ہیں معقول ہیں اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا مانتے ہیں کسی کا نقصان نہیں کرتے تو کبھی ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ فرمایا: لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ کبھی کبھی کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ پھر جلدی سے توبہ کرتے ہیں۔ غلطی تو انسان سے ہوگی TO ERR IS HUMAN انسان خطا کار ہے کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھ سے کبھی غلطی نہیں ہوئی اور آئندہ بھی نہیں ہوگی، بلکہ روز غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اچھا انسان صرف وہ ہے جو کم غلطیاں کرتا ہے ایک آدمی وہ ہے جو روز 100 غلطیاں کرتا ہے اس سے بہتر وہ ہوگا جو روز 50 غلطیاں کرتا ہے پھر اس سے بہتر وہ ہوگا جو 10 غلطیاں روز کرتا ہے پھر اس سے بہتر وہ ہوگا جو ایک غلطی روز کرتا ہے اس سے بہتر وہ ہوگا جو مہینے میں صرف چار، پانچ غلطیاں کرتا ہے، اس سے بہتر وہ ہوگا جو سال میں صرف دس، بیس غلطیاں کرتا ہے، اس سے بہتر وہ ہوگا جس نے پچاس ساٹھ سال کی ساری زندگی میں سو پچاس غلطیاں کی ہوں گی۔ ہم صرف پیغمبروں کو معصوم مانتے ہیں۔ جو اللہ کی طرف سے PROPHET یعنی نبی اور رسول بن کر آئے ہیں وہ لوگوں کے لئے نمونہ تھے، وہ غلطی سے پاک تھے معصوم تھے اللہ تعالیٰ ان کو غلطی سے بچا لیتا تھا۔ انسان وہ بھی تھے ان سے غلطی ہونے کا امکان ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا تھا، اسی کو معصوم کہا جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی نبی سے خدانخواستہ غلطی ہو جائے تو نبی کا کام تو امّت کے لئے نمونہ اور سنّت ہوتی ہے وہ تو دلیل بنتی ہے ہر نبی کا کام اس کے ماننے والوں کے لئے سنّت کہلاتا ہے وہ اس کے لئے سند بنتا ہے کہ یہ کام اللہ کے رسول ﷺ نے بھی کیا ہے تو خدانخواستہ نبی سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ تو سند بن جائے گی سب کے لئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نبیوں علیہم السلام کو غلطی سرزد ہونے سے پہلے بچا لیتا تھا اسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ معصوم تھے۔ امکان ہوتا تھا کہ ہو جائے مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے کہ قریب تھا کہ آپ یوں کر بیٹھتے لیکن اللہ نے آپ کو بچا لیا۔ نبیوں کے علاوہ کوئی شخص بھی معصوم نہیں ہے

Marfat.com

اہل سنت خیالات کے جو لوگ ہیں ان کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی معصوم نہیں ہیں ان کی خطائیں بہت ہی کم ہوں گی لیکن وہ معصوم نہیں ہیں۔ غلطیاں تو سب سے ہوتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آدمی جب غلطی کرتا ہے تو اس کو احساس ہو جاتا ہے اس کا ضمیر اس کو فوراً اشارہ کرتا ہے کہ غلطی ہو گئی ہے گڑبڑ ہو گئی ہے، ہر آدمی کو احساس ہو جاتا ہے ہر آدمی کے اندر ایک اور انسان بولتا ہے اندر کوئی چیز انسان کو اشارہ کر دیتی ہے کہ یہ کام غلط ہو گیا ہے چوری کر لی، جان بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا، یا کوئی کام بھی ہو سکتا ہے اندر سے احساس ہو جاتا ہے کہ یہ کام غلط ہو گیا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تقاضا یہ ہے کہ اس پر توبہ کرو اور فرمایا کہ اگر تم فوراً توبہ کر لو گے کہ اے اللہ یہ غلطی ہو گئی آیندہ میں کوشش کروں گا کہ یہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ اور یہ اچھا انسان ہونے کی علامت ہے کہ گوشت پوست کا ہو کر غلطی کر کے فوراً مان گیا ہے اس سے زیادہ اچھائی اور کیا ہو سکتی ہے انسان کی اچھائی یہ ہے کہ اپنی غلطی مان لے۔ بہت سارے کام ہم کرتے ہیں اور بڑی بحثیں چلتی رہتی ہیں اور بہت HOT DISCUSSIONS ہوتی رہتی ہیں اس کا حل صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی کہے غلطی ہو گئی۔ آدمی غلطی نہیں مانتا اور جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے بحث و مباحثہ کرتا ہے پھر وہ آگے چلتا رہتا ہے اور نتیجہ اس کا کچھ نہیں نکلتا۔ سارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اتنی سی بات پر کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اور میں آئندہ کوشش کروں گا کہ نہ ہو۔ یہ توبہ کی اعلیٰ قسم ہے کہ آدمی سے اگر غلطی ہو جائے جس کا امکان موجود ہے تو پھر آدمی فوراً توبہ کر لے۔

دوسری قسم کی توبہ جس کے بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ فرمایا: وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ اور ان لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں ہے لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ جو ایک غلطی کرتے ہیں ان کو احساس بھی ہوتا ہے کہ یہ بری بات ہو گئی یہ تو نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن تو بہ نہیں کرتے پھر اور غلطی کرتے ہیں اور مسلسل غلطیاں کرتے رہتے ہیں توبہ نہیں کرتے ان کی غلطیاں جمع ہو رہی ہیں ان کی غلطیاں PILE UP ہو رہی ہیں ان کا ڈھیر بنتا جا رہا ہے توبہ پر آمادہ نہیں ہیں۔ دل کہتا بھی ہے تب بھی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ بھی ہمارے معاشرے میں بہت ہیں یہاں بچے جو پڑھ رہے ہیں وہ چار پانچ سال اکٹھے گزارتے ہیں کوئی بچہ پہلے دن شریر ہوتا ہے آخری دن تک شریر ہی ہے تو صاف ظاہر ہے اس نے اتنے عرصے میں توبہ نہیں کی۔ اسی

Marfat.com

طرح معاشرے میں بھی ہے ہمارے گلی محلے برادری میں کوئی آدمی دس سال پہلے جیسا تھا آج دس سال بعد بھی اسی طرح ہے اور مزید دس سال بعد دیکھیں گے تو بھی اسی طرح ہوگا۔ فرمایا ایسے لوگوں کی توبہ جو مسلسل غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ ...... غلطیاں کرتے کرتے آخری وقت آجاتا ہے، ایکسیڈنٹ ہوا ہسپتال پہنچ گیا یا عام حالات میں بیمار ہوگیا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا گھر لے آئے کہ جی بس اس کا آخری وقت ہے۔ غلطیاں کرتے کرتے یہ پوزیشن آجاتی ہے کہ آخری لمحہ آگیا۔

قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ اس وقت وہ کہے کہ اے اللہ میری توبہ۔ فرمایا ایسے آدمی کی توبہ کوئی توبہ نہیں۔ ساری زندگی تم غلطیاں کرتے رہے تمہیں توجہ دلاتے رہے تم نے توبہ نہیں کی اور اب جب آخری وقت ہے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے تو اب تم کہہ رہے ہو میری توبہ۔ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ ...... ان لوگوں کی بھی کوئی توبہ نہیں ہے جو اس حال میں مرجائیں کہ کافر ہی ہیں۔ کفر سے اسلام لے آنا وہ بھی توبہ ہے بلکہ بڑی توبہ ہے جیسے کوئی عبارت CAPITAL حروف میں لکھی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کا گناہوں کو چھوڑ دینا بھی توبہ ہی ہے۔ کوئی غیر مسلم بڑے بڑے گناہ کر رہا ہے نافرمانی کر رہا ہے اللہ کا شرک کر رہا ہے اور بڑی بڑی BLUNDERS کر رہا ہے وہ مسلمان ہوجائے تو یہ بھی ایک بہت بڑی توبہ ہے اور کوئی مسلمان ہو کے وہی کام کر رہا ہے تو وہ کہے کہ اے اللہ! آئندہ میں یہ کام نہیں کروں گا تو یہ بھی توبہ کہلاتی ہے۔ تو فرمایا جو مسلمان ہو کر غلطیاں کرتا رہتا ہے اور آخری سانس قریب آجائے اس وقت توبہ کرے یا کوئی کافر ہے وہ اسی طرح آخری وقت پر کہے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں تو فرمایا یہ کوئی توبہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں گیارھویں پارے میں فرعون کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ایک بہت بڑا مقتدر اور بہت ہی بدمزاج قسم کا بادشاہ تھا اور خدائی کا دعویدار تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سمندر کا پانی روک کر ایک راستے سے گزارا تو فرعون جو ان کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی اپنے لشکر سمیت سمندر میں آگیا اور اللہ کے حکم سے اس کا لشکر ڈوب گیا اور خود فرعون کو بھی غوطے آنے لگ گئے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ جب آدمی ڈوب کر مرنے لگتا ہے نیچے جاتا ہے پھر اوپر آجاتا ہے ایک دو دفعہ پھر نیچے پھر اوپر بس اسی طرح کی کوئی کیفیت تھی

Marfat.com

کہ فرعون نے کہا کہ اے اللہ میری توبہ، میں بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا تمہاری کوئی توبہ قبول نہیں ہے اب تو تجھے پتہ ہے کہ تو مر رہا ہے آخری سانس ہے اگلا لمحہ پتا نہیں آئے گا کہ نہیں آئے گا پہلے جب تو بادشاہ بن کر تخت پر بیٹھا تھا انسانوں کو ستاتا تھا تو وہاں توبہ کیوں نہیں کی۔ تو اس طرح آخری وقت میں توبہ بھی اللہ قبول نہیں فرماتے۔ اچھی توبہ یہ ہے کہ ایک غلطی ہوگئی (اس کا احساس تو ہو جاتا ہے) اسی وقت توبہ کرلو تو توبہ ہوگئی۔ لیکن اگر غلطیاں کرتے رہو جمع کرتے رہو اور آخری وقت جب آجائے اور مرنے والے ہو اس وقت کی توبہ کے بارے میں فرمایا یہ تو کوئی توبہ نہیں ہے۔ ہم سب جو یہاں بیٹھے ہیں ہم شاید پہلی قسم میں بھی نہیں ہیں اور آخری قسم میں بھی نہیں ہیں ہمارا بہر حال آخری وقت ابھی آیا تو نہیں ہے لہٰذا ہم کہیں درمیان میں کھڑے ہیں درمیان میں کھڑے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ توبہ تو کرنی چاہئے اور اللہ سے توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالے گا اس لئے کہ وہ آخری مرحلہ تو نہیں آیا کہ اللہ کہے کہ تمہاری کوئی توبہ قبول نہیں۔ ہمارا معاملہ درمیان درمیان میں ہے اللہ کی مرضی پر ہے کہ اللہ ہم پر رحم فرما دے اور ہماری توبہ قبول فرمالے لہٰذا توبہ تو کرنی چاہئے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ سے توقع رکھنی چاہئے اپنے طرزِ عمل سے ظاہر کرنا چاہئے کہ اللہ آپ واقعی میری توبہ قبول فرمائیں PLEASE آپ میری توبہ قبول کرلیں PLEASE مجھے NEGLECT نہ کریں PLEASE مجھے دھتکاریں نہیں PLEASE مجھے باہر نہ نکالیں PLEASE مجھ پر رحم کریں۔ بس اس طرح کی کیفیت اگر رہے گی تو اللہ سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری توبہ بھی قبول فرمالیں گے۔

توبہ سے متعلق اگلی بات جو بتانے کی ہے وہ یہ ہے کہ توبہ سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جتنے انسان ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یوں سمجھو کہ جیسے ہم باغ میں پودے لگاتے ہیں یا پھولوں کے پودے، تو جو آدمی پودے لگاتا ہے اس کو ہر پودا بڑا قیمتی لگتا ہے کہ یہ میرا لگایا ہوا ہے تو ہر انسان آپ بھی اور میں بھی یوں سمجھو لگایا ہوا یہ اللہ کا ایک پودا ہے اللہ چاہتے ہیں کہ یہ پودا بڑا ہو یہ پھلے پھولے اس پر پھول لگیں اور یہ بڑا ہو کر پھل دے۔ لیکن جو آدمی غلطیاں کرتا ہے وہ سمجھو کہ پودا خراب ہو رہا ہے وہ پودا مرجھا رہا ہے، وہ پودا کملا رہا ہے، وہ پودا سوکھ رہا ہے۔ تو جو آدمی توبہ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے بہت ہی خوشی ہوتی ہے کہ میرا ایک بھٹکا ہوا آدمی واپس

Marfat.com

آ گیا ہے یہ آدمی بھٹک گیا تھا اس کو جہنم میں جانا تھا ساری زندگی جلنا تھا، اچھا ہوا کہ اسے کسی طرح بات سمجھ میں آ گئی ہے اور یہ واپس آ گیا۔ کوئی بچہ والدین سے ناراض ہو کر گھر سے چلا جائے اور یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی چلا جائے وہ اغوا ہو جائے گا وہ یوں ہوگا اس سے کوئی بیگار لیں گے، کوئی ماریں گے، کوئی پیٹیں گے، کوئی خیال نہیں کرے گا، ماں اور باپ کی شفقت تو کہیں اور سے نہیں مل سکتی ایک دو دن بعد اگر اسے احساس ہو جائے اور وہ واپس گھر آ جائے تو والدین کو خوشی ہوگی کہ شکر ہے کہ واپس تو آ گیا ہے۔ اسے بھی خوش قسمتی کا احساس ہونا چاہئے۔ اسی طرح جو انسان غلطی کر رہا ہے اللہ سے دور ہو رہا ہے لیکن پھر اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور واپس آ جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو WELCOME کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہاں بہت اچھا ہے تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم آ گئے ہو، تم نے توبہ کر لی ہے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتے ہیں اور جیسے میں نے پہلے حدیث کے الفاظ سنائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ (گناہ سے سچی توبہ کرنے والا شخص ایسا ہوتا جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں)۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے یہ بہت بڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے۔ یہ ایک INCENTIVE ہے آدمی کے لئے کہ آؤ توبہ کر لو۔ پھر بھی کوئی توبہ نہ کرے تو کوئی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ ظالم ہے، اللہ ایسے ہے اور اللہ پکڑ لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے جواب شکوہ نظم میں کہا ہے کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہ رو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ تو سارے گناہ معاف کرنے کو تیار ہیں پھر بھی اگر کوئی معافی مانگنے کو تیار نہیں تو قصور انسانوں کا ہے۔ اگر ہم پھر بھی توبہ نہ کریں تو اس میں ہمارے پاس کوئی جواز نہیں رہے گا قیامت کے دن کہ ہم اللہ سے کوئی شکوہ کر سکیں کوئی COMPLAINT کر سکیں کہ اللہ ہم تو چاہتے تھے توبہ کریں آپ نے راستہ روکا ہوا تھا یا آپ توبہ ہی نہیں کرنے دیتے تھے۔ توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

توبہ کہتے کسے ہیں؟ یہ بات سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں توبہ کا لفظ عام بولا جاتا ہے۔ ایک توبہ کی قوالی بھی ہے توبہ توبہ توبہ۔ لیکن توبہ کی قوالی سننے سے توبہ نہیں ہوتی اور یہ جو توبہ

Marfat.com

کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں مجھے آج تک کسی کتاب میں نظر نہیں آیا پتہ نہیں یہ کہاں سے رواج بن گیا ہے لیکن اس سے بھی توبہ نہیں ہوتی۔ البتہ توبہ کی کچھ شرائط ہیں اگر وہ شرائط پوری ہو جائیں تو توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہ شرائط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائی ہیں۔ یہ شرائط ایک دفعہ توبہ کرنے میں بھی پوری ہو جائیں تو توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ کچھ آدمی ایسے زبان کے پکے ہوتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ جو بات کہہ دیں تو اسی طرح کر دیتے ہیں اور کچھ آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں ایک دفعہ دو دفعہ سو دفعہ بھی کوئی بات کہیں تو دوسرے کو یقین نہیں آتا کہ یہ واقعی اسی طرح کرے گا۔ چونکہ توبہ کا معاملہ اللہ سے ہے آدمی ایک دفعہ کہے کہ اے اللہ آج کے بعد میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا اور اس کو نبھا دے تو توبہ ہو گئی۔ اور اگر ہزار مرتبہ صبح استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ رہا ہے اور ہزار مرتبہ شام کو کہہ رہا ہے لیکن دل سے نہیں کہہ رہا کہ اے اللہ میں گناہ چھوڑوں گا تو اس طرح دو ہزار مرتبہ پڑھنے سے بھی توبہ نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دل کی بات جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ سمجھیں گے کہ یہ آدمی دل سے کہہ رہا ہے تو اس وقت بات بنے گی۔ توبہ واقعتاً سچے دل سے کرنے کی چیز ہے اور اس کے لئے شرائط ہیں۔

ہم سب دو طرح کے معاملات سے واقف ہیں ایک حقوق اللہ یعنی وہ معاملات جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں اور دوسرے معاملات ہیں جو حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ مثلاً نماز حقوق اللہ میں شمار ہوتی ہے اور والدین، رشتہ دار، پڑوسی، اساتذہ اور اس طرح دیگر انسانوں کے جو حقوق ہیں وہ 'حقوق العباد' کہلاتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو دھوکا دے دینا، کسی کو نقصان پہنچانا، کسی کا حق مارنا، کسی کو پیسے دینے ہیں اور نہیں دے رہے چوری کر کے چھپا لینا وغیرہ۔ پہلے ہم حقوق اللہ سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ ان میں توبہ کی تین شرائط ہیں۔ گرائمر کے اعتبار سے تین زمانے ہوتے ہیں ایک ماضی (PAST) یعنی گزرا ہوا زمانہ، دوسرا مستقبل (FUTURE) یعنی آنے والا زمانہ اور تیسرا زمانہ ہے جو کہ حال (PRESENT) کہلاتا ہے جو اس وقت حالات گزر رہے ہیں۔

حقوق اللہ سے متعلق توبہ کی تین شرطیں ان تین زمانوں کے حوالے سے یاد رکھ لیں۔ ماضی میں جو غلطیاں ہوتی رہی ہیں ان کو یاد کریں اور اللہ کے سامنے اعتراف کریں کہ مجھ سے

Marfat.com

کوتاہی ہوگئی۔ آپ ہی جانتے ہیں کوئی اور تو نہیں، بھائی بھائی کے معاملات نہیں جانتا، باپ بیٹے کے معاملات نہیں جانتا، سو فیصد تو کوئی نہیں جانتا کہ یہ کیا کرتا رہا ہے آدمی خود جانتا ہے یا اللہ جانتا ہے۔ لہٰذا آدمی ماضی کی ساری غلطیاں اپنے ذہن میں تازہ کرے اور اللہ کے سامنے اعتراف کرے کہ اللہ مجھ سے یہ غلطیاں ہوگئی ہیں، اس پر پشیمانی ہونی چاہئے اگر پشیمانی نہیں ہوگی تو پھر آدمی کو توبہ کا احساس بھی پیدا نہیں ہوگا جب تک آدمی پشیمان نہ ہو تو توبہ کیوں کرے گا۔ وہ تو کوئی چیز آدمی کو اندر سے کاٹتی ہے کہ تم بہت برے ہو تم توبہ کرلو تب آدمی توبہ کرتا ہے نیند نہیں آتی۔ تو یہ احساس کہ مجھ سے بہت غلطیاں ہوگئی ہیں یہ پہلی شرط ہے۔

دوسری شرط مستقبل سے متعلق ہے۔ اللہ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ اے اللہ یہ غلطیاں میں آئندہ نہیں کروں گا۔ صاف دل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرلے۔ اگر دل میں چور ہو کہ میں نے وعدہ پورا تو کرنا نہیں ہے اوپر اوپر سے کہہ رہا ہوں تو پھر اللہ تو دل کی بات جانتا ہے، وہ توبہ ہوگی ہی نہیں۔ صاف دل کے ساتھ وعدہ کرنا ہوگا کہ اے اللہ میں آئندہ نہیں کروں گا اور تیسری شرط زمانہ حال کے متعلق ہے یعنی اس وقت سے متعلق جو ابھی گزر رہا ہے چند لمحے پہلے اور چند لمحے بعد، اس میں وہ کام چھوڑ بھی دینا ہوگا۔ مثال کے طور پر جس آدمی کو سگرٹ پینے کی عادت ہے اور وہ توبہ کرنا چاہتا ہے تو جو سگرٹیں گھر میں پڑی ہیں جو اس کا سامان سارا پڑا ہے وہ سارا ضائع کردیں یا کسی کو شراب پینے کی عادت ہے تو وہ شراب کا سارا اسٹاک گھر سے نکالنا ہوگا اور دوستوں کو بھی بتا دینا ہوگا کہ آج کے بعد ایسی محفلیں نہیں لگیں گی اور بھی جو کوئی اس طرح کے گناہوں کے کام ہیں اس سے متعلقہ ساری چیزیں ضائع کردینی ہوں گی تب زمانہ حال میں بھی شرط پوری ہوجائے گی۔ کچھ لوگ تاش کھیلتے ہیں، اب اگر توبہ کرنی ہے تو وہ سارے کارڈ ضائع کردو۔ یہ نہیں ہے کہ جو چیز اچھی لگتی ہے وہ رکھ لیں باقی ساری ضائع کردیں۔ اللہ تو جانتا ہے کہ آپ نے چور دروازہ رکھ لیا ہے اس طرح توبہ قبول نہیں ہوگی۔ زمانہ حال سے متعلق شرط یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے اور اس کے سارے متعلقات کو ضائع کردیا جائے تب زمانہ حال میں بھی شرط پوری ہوجائے گی۔

اور وہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ بات تو پتھر کی لکیر ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ان شرائط کے ساتھ توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کردے گا۔ ساری

Marfat.com

رہی ہوئی نمازیں، ساری الٹی سیدھی حرکتیں سب اللہ معاف کردے گا اور ازسرنو ایک زندگی کا آغاز ہوگا توبہ کتنی بڑی بات ہے اللہ تعالیٰ ساری سابقہ غلطیاں معاف کرنے کو تیار ہیں۔ تو یہ تین شرطیں حقوق اللہ کے بارے میں ہیں۔

حقوق العباد میں کوتاہی ہو جائے تو اس کی توبہ کی تین شرطیں تو یہی ہیں ان کے علاوہ ایک چوتھی شرط مزید ہے۔ مثلاً کسی کو تکلیف پہنچائی ہے، یا کسی کے پیسے دینے ہیں، کسی کی کوئی چیز لی تھی، واپس نہیں کی اور بڑے لوگوں کے گھپلے ہیں، لوٹ کھسوٹ ہے، قومی قرضے لیے اور ادا نہیں کر رہے ہیں، انسانی زندگی میں اس قسم کی بے شمار غلطیاں ہیں تو ان حقوق العباد میں توبہ کی چار شرطیں ہیں تین وہی ہیں کہ ماضی میں جو کیا اس پر ندامت ہونی چاہئے آئندہ نہ کرنے کا وعدہ ہونا چاہئے اور زمانہ حال میں اس کو ختم بھی کر دینا چاہئے۔ کوئی آدمی ملاوٹ کا کاروبار کرتا ہے دو نمبر چیز بیچتا ہے اب موبل آئل ایک مہنگی چیز ہے موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں میں ڈالا جاتا ہے صاف ظاہر اس میں کوئی آدھا گھٹیا تیل ملانا شروع کردے تو بہت منافع کما سکتا ہے، خالص بیچے تو 50 روپے فی لیٹر منافع ہے ملاوٹ کر کے شاید 300 روپے منافع ہو جائے گا بظاہر آمدنی بڑھ جائے گی اور بڑے مزے ہو جائیں گے گاڑیاں آجائیں گی مکان بن جائے گا وغیرہ وغیرہ لیکن سب حرام کا پیسہ ہوگا۔ تو حقوق العباد میں تیسری شرط زمانہ حال والی بھی ہے کہ اس طرح کے کاروبار کو بند کرنا ہوگا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کا حق مارا ہے کسی سے کتاب مانگی تھی کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا اور واپس نہیں کر رہے یا کسی سے پیسے لئے آپ کے پاس ہیں بھی اور نہیں واپس کر رہے، کسی کو نقصان پہنچایا تھا، یہ حقوق العباد میں سے ہے اللہ تعالیٰ ان کو از خود معاف نہیں کریں گے جب تک کہ متعلقہ فریق اس کو معاف نہ کرے۔ آپ نے جس کا حق دبایا تھا وہ معاف نہ کرے اللہ کیسے معاف کردیں گے چلو اللہ معاف کردیں اور آپ بچ جائیں تو جس کا حق دبایا ہے اس کو COMPENSATE کون کرے گا؟۔ بالفرض ایک چور چوری کرتا ہے وہ رات کو نکلے کہیں چوری کرے اور چوری کا مال لے کر گھر میں رکھے اور دو رکعت نماز نفل توبہ پڑھے اور اللہ توبہ قبول کرلے تو یہ نفع کا ہی سودا ہے کہ روز چوری کرو روز توبہ کرلو، روز چوری کرو روز توبہ کرلو۔ تو جن کی چوری ہوئی ان کے آنسو کون پونچھے گا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے اور یہ بات صحیح ہے کہ جب تک

Marfat.com

جس کا حق مارا ہوا ہے اس کو واپس نہیں کرو گے اس وقت تک توبہ نہیں ہوگی۔ کسی کے پیسے دینے ہیں اور پیسہ گھر میں پڑا ہے تو جاؤ اس کو دے دو۔ کسی کو تھپڑ مارا تھا اور وہ آدمی ابھی زندہ ہے اس سے جا کر معافی مانگ لو کہ مجھ سے غلطی ہوگئی گالی دی تھی تو معاف کروالو، مرنے کے بعد قیامت کے دن اللہ ازخود معاف نہیں کرے گا وہاں تو COMPENSATE کرنا پڑے گا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن آئے گا اس کے پاس بہت نیکیاں ہوں گی، نمازیں، روزے، صدقات اور بڑی تسبیحات کی ہوں گی، بڑی نیکیاں ہوں گی لیکن قد شتم ھذا و قذف ھذا ...... بدتمیز اور بدزبان تھا کسی کو گالیاں دی ہوں گی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی پر ظلم کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا؟ جن کا حق مارا تھا وہ حاضر ہوں گے اور اپنا مطالبہ کریں گے (قیامت کے دن کا حساب کتاب ان نوٹوں اور کرنسیوں سے نہیں ہوگا وہاں تو صرف نیکیاں اور بدیاں ہی ہیں) اللہ فرمائے گا اس کی نیکیاں ان مطالبہ کرنے والوں کو دے دو۔ مطالبہ کرنے والوں کے مطالبات ابھی پورے نہیں ہوں گے اور اس کی وہ ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی جو بڑے گھڑ بندھے ہوئے تھے۔ پھر حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کے گناہ اس کو دے دو۔ اب اس کے پاس نیکی تو باقی نہیں رہی، ان مظلوموں کے گناہ اس کو دے دیے ہیں حتیٰ کہ وہ مطالبہ کرنے والوں کے جو گناہ ادھر ڈالے جائیں گے تو گناہ بہت سارے ہو جائیں گے وہ بالآخر جہنم میں چلا جائے گا۔ تو لوگوں کے حقوق جب تک واپس نہ کیے جائیں اس وقت تک اصولی طور پر توبہ نہیں ہے۔ ہاں کچھ عملی مسائل ہیں کہ میں نے بہت لوگوں کے پیسے کھائے ہیں اور کچھ فوت ہوگئے ہیں اور میرے پاس اب پیسے بھی نہیں ہیں میں غریب ہوں میں کیا کروں اب یہ CASE اللہ جانتا ہے، توبہ تو اس کو بھی کر لینی چاہئے اور جو بندے ابھی زندہ ہوں ان سے جا کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنی چاہئے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اب میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں اللہ کے لئے معاف کر دو۔ شاید ان میں سے کوئی معاف بھی کر دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو آدمی خلوص کے ساتھ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے حالات پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی بندہ پہلے ڈاکو تھا، چور تھا اب یہ نمازی ہوگیا ہے اور لوگوں سے معافی مانگ رہا ہے تو لوگ بھی کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ یہ بڑا اچھا ہے چلو یار معاف کر دو۔ لوگ جب جنازہ پڑھنے جاتے ہیں تو جنازے سے پہلے ہی اعلان

Marfat.com

ہوتا ہے یہ آدمی جو فوت ہوا ہے اس نے کسی کو کچھ کہا سنا ہے تو معاف کر دو تو کچھ اچھے لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ چلو اب آدمی اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے مجھے اس نے کوئی گالی دی تھی معاف کر دیا پھر لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ بندہ پہلے اور طرح کا تھا اب اس نے توبہ کر لی ہے تو ان کا دل بھی نرم ہو جاتا ہے لوگ بھی معاف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث پاک میں ہے کہ کوئی آدمی بہت مقروض ہے اور اس کی نیت پیسے دینے کی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پیدا کر دے گا۔ یہ تو ایک صاف نیت کا آدمی ہے چاہتا ہے کہ پیسے ادا کرے لہٰذا کوئی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی فوت ہوا اس نے ابھی قرضہ دینا تھا حضور ﷺ نے فرمایا چلو اس کی طرف سے میں دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کر دیتا ہے اگر نیت صاف ہو تو اللہ تعالیٰ خود بھی کچھ انتظام کر دے گا کہ بندہ مخلص تھا چلو نہیں دے سکا تو ہم اس کی طرف سے COMPENSATE کر دیتے ہیں لیکن متعلقہ فریق جس کے پیسے وہ کھائے بیٹھا ہے اس کو پیسے ملیں گے تب اس کی توبہ ہو گی۔

حقوق اللہ میں تین شرطیں ہیں اور حقوق العباد میں توبہ کی چار شرطیں ہیں اگر یہ چاروں شرطیں پوری ہو جائیں تو بندہ واقعتاً بالکل CLEAN SLATE ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ نئی زندگی شروع کر رہا ہے اس کا کھاتا دوبارہ شروع ہو رہا ہے۔ آج کے بعد دیکھیں گے کہ تم کتنی غلطیاں کرتے ہو پچھلی غلطیاں معاف۔

شروع میں جو بات کہی تھی کہ ہم مسلمان آخرت کو مانتے ہیں دنیا میں اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی سیدھا ہو سکے۔ ایک آدمی چور یا ڈاکو ہے، ایک آدمی لوٹ کھسوٹ کر رہا ہے، ایک آدمی قاتل ہے، ایک آدمی بدمعاش ہے اور کم تولتا ہے، ملاوٹ کرتا ہے، دھوکا دیتا ہے، اسے روکنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ خوفِ خدا ہو، آخرت پر ایمان ہو، یقین ہو کہ اللہ کو جواب دینا ہے...... اس کے علاوہ پولیس والا بھی ہر دکان پہ بٹھا دو تو بھی برائی نہیں رُک سکتی بلکہ رشوت بڑھ جائے گی کہ ایک بندہ اور آ گیا ہے۔ ان سارے معاملات میں سوائے مذہب کے، سوائے اللہ، رسول اور قرآن کو ماننے کے اور کوئی اصلاح کا طریقہ دنیا میں ہے ہی نہیں۔ اگر اصلاح کے طریقے ہوتے تو یہ غیر مسلم معاشروں میں ساری برائیاں ختم ہو چکی ہوتیں۔ ہم الحمدللہ

Marfat.com

مسلمان ہیں ٹھیک ہے بدعملی بھی ہے اور لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ہمارے ہاں تو روز بجلی جاتی ہے کئی دفعہ جاتی ہے سونے کی دکان یا کسی قیمتی اشیاء کے سٹور میں لوگ کھڑے ہیں تو بجلی چلی گئی کیمرہ بھی بند ہو گیا ہے۔ امریکہ کی ایک ریاست میں ایک دفعہ 1986ء میں بجلی چلی گئی صرف 20 منٹ کے لئے اور وہاں اتنے ڈاکے پڑ گئے کہ آپ سوچ ہی نہیں سکتے جو آدمی جس سٹور یا جس دکان پر کھڑا تھا سوٹ دیکھ رہا تھا سونے کا زیور دیکھ رہا تھا اور کوئی چیز خرید رہا تھا وہ لے کر باہر چلا گیا، کوئی دیکھ تو رہا ہی نہیں اب بجلی بھی بند ہے خوفِ خدا تو ہے ہی نہیں جو چیز جہاں تھی وہیں سے چوری ہوگئی کروڑوں اربوں ڈالروں کی وہاں ڈکیتی ہوگئی۔ ہمارے ہاں روز صبح سے شام تک دس مرتبہ بجلی جاتی ہے اتنی ڈکیتیاں نہیں ہوتیں یہ وہ احساس ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور اس کو جواب دینا ہے اور کوئی مجھے بچائے گا نہیں اس کے علاوہ حقیقتاً اصلاح کا اور کوئی طریقہ ہے ہی نہیں۔

توبہ کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی انسان کو یہ کہہ دیا جائے کہ تم نے جو پچھلی غلطیاں کی ہیں چوریاں، جھوٹ، فراڈ وغیرہ ان کی سزا تو تم نے بھگتنی ہے جہنم میں جانا ہی ہے آئندہ کے لئے توبہ کرلو..... تو آدمی کہے گا کہ جہاں پچھلی غلطیوں کی وجہ سے میں ایک سال جہنم میں جاؤں گا وہاں دو سال، چار سال یا دس، بیس سال اور سہی لہٰذا عیش کرو۔ اس کا توبہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں بنتا۔ حضور ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی ایک مثال بھی سمجھائی ہے کہ ایک آدمی بہت پہلے کسی اُمّت میں تھا (یہ کس نبی علیہ السلام کے دور کا واقعہ ہے حدیث میں بھی وضاحت نہیں ہے) اس نے ننانوے بندوں کو قتل کیا تھا ایک کو مارا دوسرے کو مارا بدمعاش ہو گیا جیسے کوئی بڑا ڈاکو بدمعاش ہوتا ہے۔ اس کے دل میں بھی ایک دن احساس پیدا ہوا کہ غلطی ہوگئی ہے مجھے توبہ کرنی چاہئے۔ وہ کسی آدمی کے پاس گیا کسی اچھے آدمی کے پاس گیا ہو گا اپنی کہانی اس کو سنائی کہ یہ میرا حال ہے میں یوں کرتا ہوں میں یوں کرتا ہوں مجھ سے غلطیاں ہو رہی ہیں، میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو بتاؤ میری توبہ ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا: تمہاری توبہ نہیں ہوسکتی۔ اس نے اس کو بھی قتل کر دیا کہ جہاں میں ننانوے قتل کی سزا بھگتوں گا وہاں سوسول قتل کی سزا سہی، تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ ہر انسان کے اندر یہی جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجھے سابقہ غلطیوں کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں جانا ہی ہے تو سزا ایک سال اور سہی ایک سال اور سہی۔ توبہ کا یہی فلسفہ ہے کہ اس سے سابقہ

Marfat.com

تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ یہ بات آدمی کوتوبہ پرآمادہ کرتی ہےاوراحساس پیدا کرتی ہے کہ اگر سابقہ غلطیاں معاف ہورہی ہیں اور میں جہنم میں جانے سے بچ رہا ہوں تو پھر مجھے توبہ کر لینی چاہئے۔ یہ توبہ کا جوتصور ہے یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔

ہر آدمی کی توبہ اس کے اپنے حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ جس طرح ہر آدمی کی غلطیاں بھی اپنے حالات کے مطابق ہیں۔ مثال کے طور ایک نوجوان ایسا تھا جس کے سارے گھر والے نمازی ہیں والد، والدہ، بہن، بھائی اور گھر کا سارا ماحول ہی دینداری کا ہے۔ وہ کسی دن دوپہر کوسویا اور سوتا رہ گیا اوراس کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی گھر والے جگاتے بھی رہے لیکن وہ نہیں اُٹھا نماز قضا ہوگئی اس نے غلطی کی حالانکہ گھر والوں نے جگایا بھی، گھر والے چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ نماز پڑھے اس کو رقم دیتے ہیں اس کی POCKET MONEY زیادہ کرتے ہیں کہ نماز پڑھے قرآن پڑھے پھر بھی اس کی نماز رہ گئی اور ایک نوجوان ایسا ہوسکتا ہے جس کے گھر والے سارے بے دین ہیں اس کے والد صاحب بھی نماز نہیں پڑھتے والدہ بھی، بھائی بھی، بہن بھی۔ اس کو اللہ نے توفیق دے دی ہے اس کے سارے گھر والے کہتے ہیں کہ یہ نماز پڑھا ہی نہ کرے سو رہا ہے ظہر کی اذان ہوگئی ہے یہ سویا ہی رہے اس کی کسی دن ظہر کی نماز رہ جائے تو وہ نوجوان جو ایک اچھے گھر کا ہے جس کو جگایا گیا کہ تم نماز پڑھ لو اُس کی ظہر رہ گئی اور اِس نوجوان کی ظہر رہ گئی دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے کہ جوشخص غلط ماحول میں ہے اور وہ پھر بھی نیک ہے اس سے کبھی غلطی ہوگئی وہ اگر توبہ کرے گا تو اس کو اس غلطی کا بھی اجر ملے گا اسے احساس ہے کہ مجھ سے نماز رہ گئی اس کو اس احساس کا بھی بہت بڑا اجر ملے گا۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ہے: فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰت ...... اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کی جگہ نیکیاں لکھ دیتا ہے جو جتنی زیادہ غلطیوں سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اتنی نیکیاں لکھ دے گا یعنی توبہ بذات خود ایک بہت اچھا عمل ہے۔ توبہ کے علاوہ دنیا سے جھوٹ، فراڈ، بے ایمانی، لوٹ کھسوٹ، دھونس دھاندلی کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جواب دہی کا احساس انسانوں کو مجبور کرتا ہے کہ غلط کام نہ کریں۔ یہی اس دنیا کی اصلاح کا واحد حل بھی ہے ایمان اسے ہی کہتے ہیں یہ دنیا اللہ نے بنائی ہے، اللہ نے یہی طریقہ نکالا ہے۔ جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے،

Marfat.com

آخرت کو نہیں مانتے، قرآن کو نہیں مانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے وہ غلطی پر ہیں انہیں گھیر کر ادھر لانا چاہئے جو مسلمان نوجوان بھی کوئی غلط کام کر رہے ہیں ان کو بھی اسی طریقے پر لانا چاہئے اس کے علاوہ صحیح زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

جو انسان غلطیاں کر رہا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ ایک بھائی توبہ کر لیتا ہے دوسرا توبہ نہیں کرتا تو وہ کسی کا نقصان تو نہیں کر رہا اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ کل قیامت کے دن احساس ہوگا کہ کاش توبہ کر لیتا۔ تو یہ کام ہمیں آج کرنا ہے۔

آج کی گفتگو میں میں نے توجہ دلائی ہے کہ غلطیاں ہر شخص سے ہوتی ہیں (TO ERR IS HUMAN) لیکن عجیب بات یہ نہیں ہے کہ فلاں نوجوان غلطیاں کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور یہ توبہ نہیں کر رہا، اللہ تعالیٰ ساری غلطیاں معاف کرنے کو تیار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیاں معاف نہیں کروا رہا۔ تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس فراخ دلانا پیشکش سے، اس OFFER سے، اس لوٹ سیل سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور جلدی سے اپنے سارے سابقہ گناہ معاف کرا کے آئندہ اپنے طرز عمل کو ٹھیک کر لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور وار ہوں

Marfat.com

15

ایمان بالآخرۃ اور آخرت کے مراحل

ہمارے مسلمان ہونے،
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے
اور آسمانی ہدایت کے مطلوبہ معیارات پر تعمیر سیرت و کردار
کی ہمت کرنے کا مقصد صرف آخرت کی کامیابی ہے۔
آیئے قرآن مجید میں سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ کی روشنی
میں قیامت کے دن کے مراحل کا نقشہ دیکھتے ہیں۔ جن
مراحل سے ہمیں بھی گزرنا ہے تاکہ ہم ان تفصیلات کی
روشنی میں اپنا جائزہ لے سکیں کہ ہمارا 'حال' کیا ہوگا اور
اصلاح احوال کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ کی روشنی میں
محاسبۂ اُخروی کے مراحل
(حکمت بالغہ مارچ 2012ء)

Marfat.com

Marfat.com

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ ترتیب مصحف میں 55 اور 56 نمبر پر وارد ہوئی ہیں۔ ان کے مضامین میں حد درجہ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ سورۂ واقعہ کا آخری رکوع یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سورۃ کے زمانۂ نزول کے وقت مکہ میں حق و باطل کی کشمکش زوروں پر تھی اور سرداران قریش نے اس دعوت حق اور حضرت محمد ﷺ کی مخالفت میں سخت رویّہ اختیار کر رکھا تھا۔ اپنے شرک کے نظریات کی حمایت میں جازم اور حق کی مخالفت میں صرف ضد اور ہٹ دھرمی کا رویّہ اپنائے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس اپنے موقف کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں تھی اور کسی مضبوط اخلاقی بنیاد پر قرآن مجید کی دعوت کا مواجہہ (FACE) کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ لہٰذا نفسیاتی طور پر وہ اندر سے شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ کھڑے تھے۔

جبکہ اہل ایمان اپنا مضبوط اور مدلّل موقف رکھتے تھے اور حق کی خاطر اطمینان قلب اور دل کی گہرائیوں سے جان و مال نثار کر کے چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔

اس پس منظر میں یہ سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ سورۃ الرحمٰن تو غالباً مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی۔ اس لئے کہ اس کے مضامین مکّی قرآن سے مشابہ ہیں۔ جبکہ صاحب تفسیر عثمانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کو مدنی لکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

سورۃ الرّحمٰن

سورۃ الرحمٰن کا آغاز بڑا پُر جلال اور شاہانہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رحمانی کے تذکرے کے ساتھ نزول قرآن کی نعمت اور تخلیقی عمل کی وسعتوں میں انسان کا اشرف المخلوقات بنا دینا بھی اُسی الرحمٰن کی بہت بڑی نعمت بتایا ہے۔ پھر انسان میں جو صلاحیّتیں اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ودیعت کر دی گئیں ہیں ان میں سے سب سے اہم اور اعلیٰ صفت 'قوتِ بیان'

Marfat.com

کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ گویا 'تعلیم قرآن' کی عظیم عطا اور تخلیق انسانی میں 'قوت بیانیہ' کا اعلیٰ ترین خلقی وصف کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ یہ فاطر فطرت کا حقیقی منشا ہے کہ جس کے لئے ایک انسان اپنے اعلیٰ تخلیقی مراحل سے گزر کر اور انسانیت اجتماعی طور پر طفولیت ولڑکپن کے ابتدائی مدارج سے آگے بڑھ کر اب عقلی بلوغت تک پہنچ چکی ہے اور دوسری طرف ارسالِ وحی اور انزالِ کتب کی تاریخ میں زبانی ہدایات سے آگے صحیفوں، زُبر اور کتب کے مرحلہ میں داخل ہو کر اعلیٰ ترین درجہ ہدایت میں ایک نادر اور بے مثال کتاب قرآن مجید حضرت انسان کے حوالے کر دی گئی ہے تاکہ وہ ـــــ رہتی دنیا تک جستجو کی خواہش کی تکمیل کر کے خود اس قرآن مجید کے معدن سے اپنے لئے حسب ضرورت ہدایت اخذ کر سکے۔ اس طرح اُسے 'ہدایت یافتہ' ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا احساس بھی ہوگا مگر ـــــ اس سے کہیں بڑھ کر یہ احساس ابھرے گا کہ یہ ہدایت اور اوامر ونواہی مجھ پر کسی نے ٹھونسے نہیں ہیں بلکہ ـــــ قرآن مجید کے بحر ذخار سے احکام کے یہ موتی میں نے خود نکالے ہیں جو بڑے قابل قدر اور قیمتی ہیں۔ اب اس کی حفاظت، اشاعت، ترویج اور نفاذ اس کا ایک منطقی اور اخلاقی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں قرآن مجید کی تعلیمات میں حد درجہ توافق اور توازن کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کائنات میں آسمان وزمین، سیّارے اور کرّے سب ایک کامل توازن کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں لہٰذا روئے ارضی پر انسان کے صاحب اختیار ہونے کی بنیاد پر تخلیق اور موجودگی سے اس توازن کے خراب اور برباد ہونے کا حد درجہ امکان ہے جس کے لئے قرآن مجید کی شکل میں نوع انسانی کے لئے ایک 'متوازن' اور کائنات سے 'ہم آہنگ' ہدایت آچکی ہے۔ اس ہدایت کے اجزا کی طرف بعض اشارے ہیں یہ آیات خداوندی ہیں پھر اُصولی طور پر اس حیات انسانی کے عارضی ہونے اور امتحانی مرحلہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ بقا تو صرف خالق کائنات کو ہے روئے ارضی کی ہر چیز [اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہ (39-68)] فنا پذیر ہے جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ خالق، مالک ورب کے سامنے 'حادث' بھی ہے اور محدودیّت کا حامل بھی۔

انسانوں کے ساتھ ساتھ کائنات میں دوسری بااختیار مخلوق 'جن' کا بھی اس سورت میں تذکرہ ہے اور دونوں کو برابر خطاب کر کے قیامت کے دن کے محاسبہ کو برابر طور پر FACE

Marfat.com

کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنّوں کو اپنی نعمتوں کے بارے میں شکر اور تسلیم و رضا کی مطلوب کیفیت اور اپنی قدرتوں کو پہچاننے اور تسلیم کرنے کی تلقین کی ہے اور کفر و تکذیب سے کلی اجتناب کا درس دیا ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس سورت میں بار بار آئی ہے (31 مرتبہ)۔

نیز اس دنیا میں جنّوں اور انسانوں میں سے جو بھی کائناتی توازن میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے گا اور اپنے کفر و شرک کے اعمال سے زمین میں 'فساد' برپا کرنے کی کوشش کرے گا ـــــ اللہ تعالیٰ نے اُسے ڈانٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ غلطیوں، کوتاہیوں، گناہوں اور نافرمانیوں سے جب تک وہ اس کائناتی توازن میں کوئی ارتعاش اور 'تزلزل' کا باعث نہ بنیں درگزر فرماتا ہے جبکہ گناہ پر اصرار اور 'کبائر' سے سخت غضب ناک ہوتا ہے۔ اسی کا مظہر ہے کہ کئی قوموں پر عذاب خداوندی کا نزول ہوا ہے قوم شعیب علیہ السلام اور قوم لوط علیہ السلام اس کی واضح مثالیں ہیں۔ جنّوں اور انسانوں کے اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے اور آخرت میں تو لازماً بلا رو رعایت محاسبہ ہوگا اور ہر چھوٹا بڑا انسان اس مرحلہ سے گزر کر اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتے گا۔

پھر انسانوں اور جنّوں کے لئے آخرت میں محاسبہ کے بعد کامیابی کے دو درجوں کا وضاحت سے تذکرہ ہے۔ دو جنّتیں جنّوں کے لئے ہیں اور دو ہی جنّتیں کامیاب انسانوں کے لئے ہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کی جنّت اور دوسری مقابلتاً کم درجے کی جنّت کا ذکر ہے اور ان کے احوال کا تذکرہ ہے پہلے ثانوی درجے کی جنّت کا ذکر ہے جبکہ سورۃ کے آخر میں اعلیٰ درجے کی جنت کا تذکرہ ہے اور دونوں جنّتوں میں ملنے والی سہولتوں اور مراعات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

سورۃ الواقعۃ

ترتیب مضامین کے اعتبار سے سورۃ الواقعہ کے مضامین کی ترتیب سورۃ الرحمٰن کی ترتیب کا عکس ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں پہلے قرآن مجید کی عظمت کا ذکر ہے پھر کچھ کائناتی حقائق کی طرف اشارہ ہے پھر اہل دوزخ کا ذکر ہے اور آخر میں اہل جنت کا۔ جبکہ سورۃ الواقعہ میں جنوں کا ذکر نہیں ہے (مابین السطور ہے) پہلے آخرت کے احوال کے ساتھ ہی اہل جنت کا ذکر ہے یہاں

Marfat.com

دونوں درجوں کے خوش نصیب انسانوں کے لئے 'سابقون' اور 'مقربین' کی اصطلاح بیان فرمائی گئی ہے۔ سابقون کی اصطلاح دعوت حق کو آگے بڑھ کر قبول کرنے والوں کی شان ظاہر کرتی ہے اور یہی لوگ مقربِ بارگاہ ہوں گے۔ جبکہ تقرب اور مقرب کے الفاظ انسانی عمل کے روحانی اور نفسیاتی پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ارادۂ انسان قربِ الٰہی کے حصول کے لئے کوشاں ہو اور اس کے شایانِ شان اعمال کا توشہ بھی مہیا کرے۔ راہِ حق کے ان مسافروں میں جو خوش نصیب آگے نکل گئے وہ 'مقرب' کہلائیں گے اور جو مقابلتاً پیچھے رہ گئے وہ بھی کامیاب ہوں گے۔ ان کا تذکرہ 'مقربین' کے متصلاً بعد ہے یہ 'اصحاب الیمین' ہوں گے۔ اس کے بعد اہل دوزخ یا 'اہل النار' کا تذکرہ ہے بعد ازاں چند روزمرہ مشاہدے کے حقائق..........جن پر انسان اپنی مصروفیات اور روا روی کی وجہ سے غور نہیں کر پاتا۔ انداز خطاب جھنجھوڑنے اور جگانے کا ہے۔ سورۃ کے آخری حصے میں قرآن کریم کی اعلیٰ شان کا بڑے جلال کے ساتھ تذکرہ ہے اور انداز بھی پُر ہیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جنوں کے تذکرے میں قرآن میں وارد 'شہاب ثاقب' کے گرنے کے عمل کی طرف اشارہ کر کے اُسے گواہی کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایمان لانے والے جنوں نے خود اعتراف کیا تھا (سورۃ جن 72) کہ ہم آسمان کے راستوں پر پہلے بھی گھومتے تھے مگر ایک عرصے سے ہم ان راستوں پر سخت پہرہ دیکھتے تھے اور ہمیں تو ان راستوں سے بھگا دیا جاتا تھا اور ہم سمجھتے تھے کہ دنیا میں یا تو قیامت آنے والی ہے کہ اس کے متعلق احکام بڑے صیغہ راز میں زمین پر آ رہے ہیں یا کوئی اور بڑا واقعہ ہونے والا ہے۔ اب پتا چلا کہ یہ نزولِ قرآن کے سلسلے میں سخت ترین سیکورٹی انتظامات کا معاملہ تھا اور شیاطین جن کو کثرت اور شدت سے وہاں سے بھگا دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران تقریباً 2/3 حصہ قرآن پاک کا نازل ہوا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بار بار وحی جلی یا وحی خفی لے کر آپ ﷺ پر اُترتے رہے ہیں۔ الاتقان میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آپ ﷺ پر نازل ہونے سے متعلق لکھا ہے کہ یہ تعداد تقریباً 24000 ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ پر اتنی دفعہ اُترے ہیں۔ شیاطین جن کے بھگانے کے لئے شہاب ثاقب کے گرنے کے عمل کے تواتر کی اللہ تعالیٰ نے 'فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ' کے الفاظ سے قسم کھائی ہے جس سے اس واقعہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ قرآن کے

Marfat.com

تذکرے میں کفار کی حد درجہ مخالفت اور غیر معقول رویے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی نعمت آرہی ہے تو تم اپنی بدنصیبی دیکھو کہ تمہارا حصہ (ROLE) صرف یہ ہے کہ تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ افسوس ہے اس محرومی والے مقدر پر۔ بعدازاں مشرکین کو ان کے منفی رویوں سے باز رکھنے کے لئے حقیقت کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

سب سے آخر میں فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ حالات کو دیکھتے جایئے صبر کیجئے یہاں تک کہ اہل حق کے لئے حق کا ساتھ دینے اور ان کی قربانیوں کا نتیجہ سامنے آجائے اور مشرکین مکہ کا حق سے اعراض کا بُرا انجام بھی۔

انسانوں کے لئے آخرت کے مراحل اور درجات جنت

اگرچہ سورۃ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں دونوں کے لئے دو دو جنّتوں کا ذکر ہے اور پوری سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قدرتوں کے انکار سے اجتناب کے لئے بھی دونوں مخلوقات کا ذکر تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ تاہم ـــــ ان سطور میں ہم صرف اولادِ آدم کے لئے ہی حالات و واقعات کا تذکرہ کریں گے۔

حشر کے دن کے مراحل

1 نفخۂ اُولیٰ

ہمارے ہاں قیامت کا لفظ بڑے وسیع معنی میں مستعمل ہے اور اس کے کئی مراحل ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا مرحلہ 'الساعۃ' ہے یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا فرمادیں گے کہ کسی خاص وقت میں تمام انسان ختم ہو جائیں گے اور یوں ایک طرح سے "END OF HISTORY" یا "END OF MANKIND" کا مرحلہ آجائے گا۔

احادیث مبارکہ میں اس مرحلہ کو نفخۂ اولیٰ کہا گیا ہے یعنی پہلی دفعہ صور پھونکنا حضرت اسرافیل علیہ السلام ایک مقرب بارگاہ فرشتے ہیں اور وہ صور پھونکنے کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تیار کھڑے ہیں جیسے ہی انہیں حکم ہوگا وہ 'صور' پھونک دیں گے اور ہر شخص اس آواز کو سنے گا اور اس پر اس آواز کے اثرات مرتب ہوں گے۔ سورۂ حج کے آغاز میں اس مرحلہ کا نقشہ یوں آیا ہے

Marfat.com

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ O

اے لوگو اپنے پروردگار (کی طرف سے محاسبۂ اُخروی) سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى

(اے مخاطب) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والی عورتیں (اور جانور) اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنے حمل گرا دیں گی اور لوگ تجھ کو مدہوش نظر آئیں گے مگر وہ مدہوش نہیں ہوں گے

وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ O(22:1-2)

بلکہ (عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) بے شک اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔

2 عالم برزخ

پہلے مرحلہ میں انسانوں کے علاوہ اور کیا کیا ختم ہو جائے گا یا کیا کیا باقی رہے گا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے پہاڑ ختم ہو جائیں گے انسانی بنائی ہوئی عمارات ختم ہو جائیں گی اور ایک بہت بڑا چٹیل میدان کئی سوا رب انسانوں کے جمع ہونے کے لئے بنا دیا جائے گا۔ قرائن بتاتے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مساجد (مساجد ضرار کے علاوہ) بھی باقی رہ جائیں گی اور قیامت کے دن تمام انسانوں کے حساب کتاب کے لئے مختلف مراحل کی تیاری فرشتوں کے ذریعے مکمل کر لی جائے گی۔ مثال کے طور پر جس طرح کی تیاری کسی سرکاری سکول میں کسی بڑے افسر کے معائنہ یا دورے یا اہم واقعہ کے موقع پر کی جاتی ہے۔

3 نفخۂ ثانیہ

حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ذریعے دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے یہاں دنیا میں مختلف عمروں کے لوگ ہوتے ہیں جبکہ قیامت کے دن تمام لوگ ایک ہی وقت میں پیدا ہوں گے تو ایک ہی عمر کے ہوں گے یعنی 30_40 سال کے درمیان کی بھرپور جوانی کی عمر۔

Marfat.com

اہل ایمان تو اپنے رشتے کے اہل ایمان لوگوں کو پہچانیں گے جبکہ باقی لوگوں میں رشتہ داری اور لحاظ ختم ہو جائے گا۔ ایک اور حکم (نفخہ) ہوگا اور تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لئے میدان حشر میں جمع ہو کر صفیں باندھ لیں گے۔ کوئی بھی شخص وہاں سے غائب نہیں ہوگا۔ فرشتے الگ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مستعد کھڑے ہوں گے۔

4 اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال

تمام تیاریاں مکمل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ بیت اللہ پر اپنی خصوصی تجلی فرمائیں گے اور نزول اجلال فرمائیں گے جیسے بعض احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ رات کے پچھلے پہر پہلے آسمان پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور لوگوں سے توبہ کے لیے مخاطب ہوتے ہیں جیسے طور پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے اسی طرح لوگ اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے اور باتیں کریں گے۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کا نقشہ قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَ عُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ
(48:18)

”اور سب (انسان) تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے کہ) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آ گئے ہو......“

یہ کعبہ پہلے سے ہی 'اللہ کا گھر' کہلاتا ہے۔ میدان عرفات میں لوگ جمع ہوں گے یہیں قریب کہیں حوضِ کوثر ہوگا احادیث کے مطابق جس کا ایک کنارہ مدینے کے پاس دوسرا عدن کے پاس اور تیسرا کنارہ حضر موت کے پاس ہوگا۔

5 حساب کتاب کا مرحلہ

تمام انسانیت بارگاہ خداوندی میں موجود ہوگی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور سب شہداء کو سامنے لایا جائے گا۔ اس دن کوئی شخص از خود بات نہیں کر سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو اور تمام انسانوں کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر (علیہم السلام) اور گواہ حاضر کیے جائیں گے

وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (69:39)

اور ان (انسانوں) میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور دھاندلی نہیں کی جائے گی

قیامت کا دن

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ہزار سال کا عرصہ ہے جس میں اربوں انسان آئے، ہزاروں پیغمبر آئے ہزاروں تہذیبیں اُٹھیں اور ختم ہوگئیں ایک طویل معاملہ ہے جبکہ قیامت کا صرف ایک دن 50,000 سال کا ہوگا اور اس میں کوئی وقفہ بھی نہیں ہوگا نہ رات ہوگی۔ کئی سوارب انسانوں کے معاملات پیش ہوکر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس دن سخت گرمی ہوگی۔ سایہ نہیں ہوگا اہل ایمان میں سے اعلیٰ درجے کے لوگوں کے لئے عرش الٰہی کا سایہ ہوگا کعبۃ اللہ ہوگا اور امکان ہے کہ دنیا بھر کی مساجد بھی اہل ایمان کے لئے ستانے کی جگہ کے طور پر موجود ہوں گی۔ 2005ء میں جو 'سونامی' کے نام سے سیلاب آیا تھا اور انڈونیشیا وغیرہ کے ساحلی علاقے تباہ ہوگئے تھے وہاں آبادیاں تباہ ہوگئیں مگر مسجدیں کھڑی رہیں۔ اسی طرح الساعۃ میں بھی ہوگا (واللہ اعلم)۔ سخت مراحل ہوں گے۔ کوئی سفارش نہیں ہوگی نہ برادری کام آئے گی نہ رشتہ داری فائدہ دے گی صرف اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔

اہل جنت اعزاز کے ساتھ جنت میں داخل ہوجائیں گے اور اہل النار دوزخ پہنچا دیے جائیں گے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوں گے کہ کوئی باہر جانے کا سوچ بھی سکتا۔ جبکہ دوزخ کے دروازے داخلے کے بعد بند کر دیے جائیں گے؛ اس لئے کہ باغوں کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور جیل خانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں اور ساتھ پہرہ بھی ہوتا ہے۔

Marfat.com

جنت اور دوزخ کے فیصلے

جب انسانیت کا حساب کتاب شروع ہوگا اور ہر انسان کی پوری زندگی کی تفصیل سامنے لائی جائے گی اور ہر شخص سے پانچ سوال ہوں گے اور تمام چھوٹی بڑی باتوں کی جواب دہی کرنی ہوں گی۔ یہاں اتنی تفصیل کا نہ موقع ہے اور نہ مناسبت۔ مجموعی طور پر تمام انسانیت اہل جنت اور اہل النار یا اہل جہنم میں تقسیم ہو جائے گی۔

اللہ کے باغی اور دشمن جہنم میں

سب سے بدنصیب انسان وہ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اُن کے گھناؤنے اعمال کے سبب بلا حساب دوزخ میں ڈال دے گا۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے لئے ارشاد ہے: فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (ہم ان کے لئے روزِ قیامت تول نہیں لگائیں گے) (105-18)۔ فرعون، نمرود، ابوجہل جیسے ننگِ انسانیت لوگوں کی نیکیاں ہیں ہی نہیں اور بداعمالیوں کا ڈھیر ہے۔ لہٰذا وزن کرانے کا اہتمام اپنے اہلکاروں کا وقت ضائع کرنے والی بات ہے ایسے ہزار ہا ہزار لوگ بلا حساب واصل بجہنم کر دیے جائیں گے۔ دوسرے درجے میں فرعونوں نمرودوں کے علاوہ دوسرے کافر آئیں گے اور فیصلے کے بعد واصل بجہنم ہو جائیں گے۔ (اعاذنا اللہ من ذالک)

اہل جنت کا اوّلین درجہ۔ بلاحساب جنت کا فیصلہ

اچھے لوگوں میں سے بھی کتنے ہی خوش نصیب ہوں گے جن کے بارے میں پیش ہوتے ہی جلدی جنت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام تو ہیں ہی اس زمرہ کے اہل جنت، انبیاء کرام کے علاوہ بھی بے شمار لوگ ہوں گے۔ اس لئے کہ ان کے نامہ اعمال میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی اور بداعمالیاں نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔ یہ لوگ تفصیلی حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

ایسے خوش نصیب لوگوں کا حساب کتاب واقعی آسان رہے گا اور قیامت کے دن کی سختیوں اور انتظار کی مشکل گھڑیوں سے بچ جائیں گے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا مگر کسی تفصیلی حساب کتاب کے بغیر ہی اچھے اعمال کی کثرت اور نافرمانی کے نہ ہونے کے

Marfat.com

برابر ہونے کی وجہ سے جنت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے لئے اللہ والے (ربّیون) انبیاء کرام علیہم السلام کے حواری اور 'مقرّبین' کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق ستر ہزار لوگ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے۔عربی محاورے میں ستر کا لفظ کثرت کے لئے آتا ہے جیسے ہماری زبان میں کسی کو ایک کام کئی بار کہا جائے تو اس کے اظہار کے لئے کہا جاتا ہے کہ "تمہیں سو(100) مرتبہ کہا ہے کہ ایسے کر و ایسے نہ کرو" یہ سو(100) مرتبہ گن کر نہیں کہا جاتا بلکہ محاورۃً کہا جاتا ہے۔اسی طرح عربی میں ستر کا ہندسہ بھی کثرت پر بولا جاتا ہے گویا اس کے معنی ہوں گے کہ بہت سارے ایسے خوش نصیب لوگ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے۔(اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں شامل کرے آمین) یہ لوگ جنت میں اعلیٰ ترین مقام کے مستحق ہوں گے۔

سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ میں جس اعلیٰ درجے کی جنت کا حال بیان ہوا ہے وہ انہیں مقربین بارگاہ قسم کے لوگوں کا بیان ہے السابقون الاولون بھی یہی لوگ ہیں۔صاف ظاہر ہے اس اعلیٰ جنت کے بھی کئی سیکٹرز (حصے) ہوں گے اور اس درجے کے اہل جنت بھی سب برابر نہیں ہوں گے۔مگر یہ یقینی بات ہے کہ دوسری جنت سے یہ لوگ ہر حال میں بہتر ہوں گے۔ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (56--14-13)

"وہ بہت زیادہ تو اگلے (دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم تک) لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے"

یہ لوگ اتنے سکون اور آرام سے حساب کتاب کے مراحل سے گزریں گے کہ انہیں اپنے اچھے اعمال کے سبب قیامت کے دن کی سختیوں کا کوئی احساس تک نہیں ہوگا اور انہیں اس دن گرم ہوا بھی نہیں چھوئے گی۔(52-27)

حساب کتاب کا دوسرا مرحلہ ___ اہل جنت کا درجہ ثانی

اہل ایمان میں سے CREAM OF MUSLIMS کے الگ ہو جانے کے بعد میں جو اہل ایمان بچیں گے ان کا تفصیلی حساب کتاب شروع ہوگا اور یہ تفصیلی حساب کتاب بلاشک

Marfat.com

وشبہ سخت مشکل مرحلہ ہوگا۔

مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جو بزنس ادارے ٹیکس نیٹ میں ہیں اور ٹیکس دیتے ہیں یہ ادارے ہر سال انکم ٹیکس ریٹرن (RETURN) دیتے ہیں۔ بعض اداروں کی ریٹرن AS IT IS قبول کرلی جاتی ہے اور بعض ادارے تفصیلی جانچ پڑتال (DETAILED SCRUTINY) میں آجاتے ہیں۔ جن اداروں کی ریٹرن قبول کرلی گئی ان کا معاملہ بلاحساب جنت میں داخل ہونے والوں کی مثال کے قریب ہے اور جن اداروں کی ریٹرن تفصیلی جانچ پڑتال کے لئے رکھ لیتے ہیں ان کا معاملہ اس دوسرے مرحلہ کے حساب کتاب کی مثال ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مرحلہ سخت مشکل مرحلہ ہوگا

مَنۡ حُوسِبَ عُذِّبَ (بخاری عن عائشة رضی الله عنها)

''جس کا حساب کتاب شروع ہوگیا وہ تو عذاب میں پھنس گیا۔''

قصہ مختصر ـــــــ بہرحال جن خوش نصیب افراد کے معاملات کی جانچ پڑتال کے بعد ان کی نیکیاں بڑھ جائیں گی اور برائیاں کم رہ جائیں گی ـــــــ وہ خوش نصیب بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں سے کرے۔ (آمین)

اہل جنت کے یہ دو درجے بڑے خوش نصیب اور خوش بخت لوگوں پر مشتمل ہوں گے کہ دوزخ کا منہ دیکھے بغیر جنت میں جابسیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربّ العالمین ہے۔

فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ (185:03)

''تو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ مُراد کو پہنچ گیا''

بلاشک وشبہ قیامت کے دن دوزخ سے بچ کر جنت میں داخلہ کا اذن ہوجانا یا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں آجانا بڑی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

اس مرحلہ میں اہل ایمان کے لئے حساب کتاب میں دیر لگے گی، دنیا میں کم وسائل والے لوگ اور مساکین جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں گے وہ جلدی جنت میں چلے جائیں گے اور جنہیں دنیا میں بے پناہ وسائل دیے گئے تھے اور ان کے معاملات پھیلے ہوئے تھے وہ اہل ایمان حساب کتاب میں کافی وقت لگا کر کامیاب ہونے کے بعد ہی جنت میں جاسکیں گے۔

Marfat.com

حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اصحابِ صُفّہ (رضی اللہ عنہم) اغنیائے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے پانچ سو سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے اس لئے کہ اصحابِ صُفّہ کے وسائل کم تھے وہ آج کل کے امیگریشن کی طرح ہینڈ بیگ کے ساتھ گرین چینل کے ذریعے جلدی فارغ ہو جائیں گے اور اغنیائے صحابہ (رضی اللہ عنہم) بہت سارا سامان ساتھ لانے والوں کی طرح چیکنگ میں دیر لگا کر فارغ ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

حساب کتاب میں حقیقی نیکی ہی وزن دار ہوگی

اس مرحلہ پر اس بات کی وضاحت ایک غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شاید سارے اہل ایمان ہی اس مرحلے میں کامیاب ہو جائیں گے یا بزعم خود ہر نیکیاں کرنے والا ہی جنّت میں چلا جائے گا۔ حقیقتاً اس مرحلہ پر 'حقیقی نیکی' ہی کام آئے گی اور قرآن مجید کا تصورِ نیکی ہی فائدہ دے گا۔ جبکہ نیکی کے خودساختہ اور مسخ شدہ تصورات کسی کام نہیں آئیں گے جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو

وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ الۡكِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ

بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں

وَ اٰتَی الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰكِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ السَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ

اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں)

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّكٰوةَ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں

وَ الصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ

Marfat.com

اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ O (177:02)

یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔

اس حقیقی نیکی کے تصور سے تہی دست لوگ مقربین بارگاہ تو کیا ہوں گے دوسرے درجے کی کامیابی میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔نفاق کا بھرم بھی اسی موقع پر کھل جائے گا۔اسی سلسلے میں تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے ایک حدیث مبارکہ کا مطالعہ مطلب کی وضاحت کے لئے کفایت کرے گا اور وہ ارشادِ نبوی ﷺ یہ ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ دیوالیہ اور مفلس کون ہے؟

قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَ لَا مَتَاعَ،

لوگوں نے کہا کہ مفلس ہمارے یہاں وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم ہو اور نہ کوئی اور سامان۔

فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِيَامٍ وَ زَكَاةٍ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہوگا

وَيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ قَذَفَ هٰذَا وَ أَكَلَ مَالَ هٰذَا وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا وَ ضَرَبَ هٰذَا،

اور اسی کے ساتھ ساتھ اُس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال مار کر کھایا ہوگا اور کسی کو قتل کیا ہوگا اور کسی کو ناحق مارا ہوگا

فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ،

تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی،

فَإِنْ فُنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يَقْضٰى مَا عَلَيْهِ

پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے

Marfat.com

اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ،
تو اُن کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی،
ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (مسلم عن ابوھریرۃ ﷺ)
اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

آج ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ کن تصوّرات کے تحت زندگی کے دن گزار رہا ہے اگر اس کا تصوّرِ نیکی قرآن مجید، اُسوۂ رسول ﷺ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہٹ کر کوئی تصوّر ہے تو اس تصور اور عقیدہ کے تحت کئے ہوئے اعمال کل قیامت کے دن قبول نہیں ہوں گے سادہ الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں قرآن مجید اور جہاد سے عبارت تھیں لہٰذا ہمارا زندگی گزارنے اور اعمال کمانے کا کوئی ایسا تصوّر جس میں قرآن مجید کو ایک مکمل رہنمائی دینے والی کتاب کے طور پر مرکزی اہمیت نہ دی گئی ہو اور جس میں بالفعل جہاد یا جہاد کی تیاری کا خمیر نہ پایا جاتا ہو ——— وہ آخرت میں کام نہیں آئے گا چاہے دنیا میں اس سے کتنی ہی عزت مل جائے اور لوگ آگے پیچھے احتراماً موجود ہوں۔ — اس مدّعا کی وضاحت کے لئے ایک اور حدیث بھی ملاحظہ کر لینا نہایت ضروری ہے وہ حدیث قدسی درج ذیل ہے۔

اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی جِبْرِیْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَ کَذَا بِاَھْلِھَا
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں پر اُلٹ دو۔

قَالَ: "یَارَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ
حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اے ربّ! ان میں تیرا ایک بندہ ہے جس نے کبھی لمحہ بھر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔

قَالَ: فَقَالَ: اِقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَ عَلَیْھِمْ فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ
حکم ہوا کہ اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر ان پر اُلٹا دو کیونکہ (وہ میرے احکام کی خلاف ورزی کو دیکھتا رہا اور) کبھی بھی اس کے چہرہ کا رنگ نہیں بدلا۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح عن جابر ﷺ)

Marfat.com

گویا کسی خودساختہ تصوّر کے تحت زندگی گزارنے سے ہو سکتا ہے دنیا میں بڑی عزت اور مقام مل جائے، عوام میں مقبولیت ہو اور قدر و منزلت ہو جاہ و جلال اور مال و دولت بھی نصیب ہو جائے۔ مگر آخرت میں یہ نیکی کام نہیں آئے گی جو نیکی کا کام آخرت میں کام نہ آئے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس سے آج ہی توبہ بھلی۔

اہل ایمان کا ایک تیسرا حصہ (باقی ماندہ سچے مسلمان)

اوپر مذکور اہل ایمان میں سے دو قسم کے خوش نصیب حضرات کے جنّت میں چلے جانے کے بعد جو اہل ایمان بچیں گے اب ان کا مرحلہ درپیش ہوگا۔ واضح رہے کہ منافقین کا معاملہ تو ابتدائی درجے میں 'پل صراط' کے مرحلہ پر علیحدہ ہو جائے گا۔ اس قسم کے اہل ایمان یا ایمان کے مدّعی وہ ہیں جن کا ایمان کا دعویٰ ہی قابل قبول نہیں ہے وہ کلمہ گو ہیں مگر ان کا کلمہ مردود ہے یہ منافق کہلاتے ہیں۔ دنیا میں قانوناً مسلمان رہتے ہیں مگر آخرت میں ان کا دعویٰ ایمان بے وزن ہوگا اور ایسے لوگ (مختلف درجوں میں) کافروں جیسے انجام سے دوچار ہوں گے یعنی جہنم میں جائیں گے بلکہ ان کلمہ گو کافروں کو آپ ﷺ کی محفلیں ملیں مسلمانوں سے میل جول رہا پھر بھی حقیقی ایمان نہ پا سکے اس لئے ان منافقوں کا انجام کافروں سے بدتر ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (145:04)

"کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے"

کمزور ایمان کے لوگ جو عمل میں بھی کمزور تھے

کمزور ایمان کے ساتھ مسلمانوں کا ایک مخلص طبقہ ایسا ہوگا کہ علم خداوندی میں ان کے ایمان کا تو اثبات ہوگا گویا یہ شخص ہے تو اہل ایمان میں سے ـــــ مگر نہ 'بے حساب' جنت میں جانے میں شمار ہو سکا اور نہ 'حساب کتاب' کے بعد نیکیاں بڑھ جانے کی وجہ سے جنت میں جانے کا مستحق ٹھہرا۔ اس کے اعمال کا معاملہ گڑبڑ تھا متعدد وجوہات کی بنا پر اس کی نیکیاں کم رہ گئیں اور برائیاں زیادہ ہو گئیں کچھ وجوہات خارجی بھی ہو سکتی ہیں غلط ماحول، غلط معاشرہ اور غلط تعلیم وغیرہ اور کچھ داخلی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں جیسے سستی، کاہلی اور غفلت وغیرہ۔

Marfat.com

ایسے لوگ ہوں گے تو ایک قسم کے، مگر تفصیلات میں جائیں تو خرابی کی مقدار کے اعتبار سے ان کے بہت سے درجے ہوں گے۔ مثلاً کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کی نیکیاں معیار مطلوب سے دو چار ہی کم ہوں اور ایسے بھی ہوں گے جن کی نیکیوں کی کمی (SHORT FALL) بہت زیادہ ہو۔ ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ ایک خاص معاملہ فرمائیں گے۔ اس کی تفصیل بعد میں ذکر کریں گے۔

قرآن پاک میں دو جنّتوں کا ذکر

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اور صراحت کے ساتھ صرف دو جنّتوں کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی جنّت جو مقرّبین بارگاہ حضرات کے لئے ہوگی جس میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے حوّاری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلص اہل ایمان، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، باعمل علماء، عادل بادشاہ، دین کے خادم اور عام اچھے مسلمان۔ جیسے ایک حدیث میں سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے جگہ ملنے کی خوش خبری دی گئی ہے (مسلم، باب فضل اِخفاء الصدقة) یہاں اہل جنت میں بھی حفظ مراتب ہوں گے۔ اعلیٰ ترین درجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور درجہ بدرجہ انبیاء کرام علیہم السلام مقربین اور سابقین صدیقین اور شہداء اسی میں ہوں گے۔

اعلیٰ درجے کی جنت سے ذرا کم ——— جنت کا دوسرا درجہ ہے جس میں وہ خوش نصیب لوگ جو اپنے اعمال کی تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد نیکیاں بڑھ جانے کی وجہ سے براہِ راست جنت میں جائیں گے۔ اس جنت کا ذکر سورۃ الرحمٰن میں پہلے ہے اور سورۃ الواقعہ میں بعد میں ہے ایسے لوگوں کے لیے سورۃ الرحمٰن میں تو کوئی اصطلاح نہیں آئی مگر سورۃ الواقعہ میں ان خوش بخت لوگوں کے لیے اصحاب المیمنة (یا دوسری جگہ اصحاب الیمین) کے الفاظ آئے ہیں۔

ان دونوں قسم کی جنت کی جو تفاصیل ان دونوں سورتوں میں آئی ہیں ان میں بعض بنیادی انعامات اور سہولتوں کے اشتراک کے باوجود بہت سی تفاصیل میں فرق ہے اس پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لئے ان سورتوں کا بار دگر باترجمہ مطالعہ کفایت کرے گا۔

Marfat.com

اہل سنّت کا عقیدہ......گنہ گار اہل ایمان کا جہنم میں عارضی طور پر جانا

قرآن مجید میں پہلے دو درجوں میں کامیاب لوگوں کے لئے دو جنّتوں کا ذکر وضاحت سے ہے جبکہ ایک اور طبقہ جس کا ابتدائی تذکرہ ہم نے اوپر کیا اس کے بارے میں واضح تذکرہ نہیں ہے بلکہ اشارے ہیں اور احادیث مبارکہ میں کچھ توقع دلائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے شایاں بات یہی ہے کہ اُن سے بھی کسی قدر نرمی کا معاملہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات اور اشارات کو جمع کر کے سوادِ اعظم اہل سنّت کی رائے اور عقیدہ یہ ہے کہ اس طبقے کے لوگوں کو گناہوں کے زیادہ ہو جانے اور نیکیوں کے کم رہ جانے کی سزا کے طور پر کچھ معین عرصے کے لئے (اپنی غلطیوں اور خطاؤں کے متناسب) جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ لوگ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اور روحانی طور پر گناہوں کے اثرات سے پاک صاف ہو کر ــــ بالآخر جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا یہ صورت حال کوئی دس، بیس یا سو انسانوں کا معاملہ نہیں ہوگا بلکہ اربوں انسانوں کے ساتھ یہ مرحلہ پیش آئے گا اور ایک اندازے کے مطابق حقیقی اہل ایمان کا بہت بڑا حصہ اسی زمرے میں شامل ہوگا اور اسی طرح جنت میں داخلے کا مستحق ٹھہرے گا۔

اس رائے اور عقیدہ کے حق میں تفصیلی دلائل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لئے علماء حق سے رجوع کیا جا سکتا ہے اور رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

جہنم میں عارضی طور پر بھیجے جانے سے متعلق دو وضاحتیں

1 جہنم میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے عارضی طور پر جانے والے اہل ایمان کی تعداد چونکہ کئی ہزار کروڑوں میں ہوگی لہٰذا ان میں درجہ بندی بھی ہوگی۔ ان میں سے کوئی پہلا شخص ہوگا جو جہنم میں داخلے کے جلدی بعد باہر نکال لیا جائے (جیسے یہود کا عقیدہ تھا جسے قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ ہم اولاً تو دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر بھیجا بھی جائے گا تو گنتی کے چند دن) اور کوئی شخص ایسا ہوگا جو اس زمرہ میں شامل ہوگا اور سب سے آخر میں جہنم سے خلاصی پائے گا۔ باقی اہل جہنم وہ ہوں گے جو کافر و زندیق و منافق تھے ان کے لئے 'خلود فی النار' کی سزا ہوگی۔

Marfat.com

اعاذنا اللہ من ذالک۔ (واضح رہے کہ یہود چونکہ پہلے قتل انبیاء کے جرم اور مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا کر بھی جنت میں داخلے کے مدعی تھے کہ دوزخ میں 'ذرا سی سزا' کے بعد دوبارہ نکال لیے جائیں گے۔ قرآن مجید نے اس نظریہ کی تغلیط کی ہے۔)

احادیث مبارکہ میں کسی صورت حال کو سمجھانے کے لیے اسی قسم کی انتہائی مثالوں سے بات واضح کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایمان والا آخری شخص جو جہنم سے نکالا جائے گا اس کی تفصیل مذکور ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اٰخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ يَمْشِىْ مَرَّةً وَ يَكْبُوْ مَرَّةً وَ تسفعه النَّارُ مَرَّةً فَاِذَا مَاجَاوَزَهَا الْتَفَتَ اِلَيْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِىْ نَجَّانِىْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِىَ اللّٰهُ شَيْئًا مَااَعْطَاهُ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ، فَتُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ! اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَ اَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَا ابْنَ آدَمَ! لَعَلِّىْ اِنْ اَعْطَيْتُكَهَا سَأَلْتَنِىْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ وَ يُعَاهِدُهٗ اَنْ لَايَسْأَلُهٗ غَيْرَهَا وَ رَبُّهٗ يعذره لِاَنَّهٗ يَرٰى مَالَاصَبْرَلَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَ يَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ هِىَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا وَ اَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَااَسْأَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِىْ اَنْ لَاتَسْأَلَنِىْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَعَلِّىْ اِنْ اَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْأَلُنِىْ غَيْرَهَا فَيُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّايَسْأَلَهٗ غَيْرَهَا وَ رَبُّه يعذره لِاَنَّهٗ يَرٰى مَا لَاصَبْرَلَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَ يَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِىَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَيَيْنِ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ لِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَ اَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا لَااَسْأَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِىْ اَنْ لَّاتَسْأَلَنِىْ غَيْرَهَا قَالَ بَلٰى يَارَبِّ هٰذِهٖ، لَااَسْأَلُكَ غَيْرَهَا وَ رَبُّه يعذره لِاَنَّه يَرٰى مَالَاصَبْرَلَهٗ عَلَيْهَا

Marfat.com

فَيُدْنِيهِ مِنْهَا فَاِذَا اَدْنَاهُ مِنْهَا فَيَسْمَعُ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ مَا يصرينى مِنْكَ أَيُرْضِيْكَ اَنْ اُعْطِيَكَ الدُّنْيَا وَ مِثْلَهَا مَعَهَا قَالَ يَارَبِّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّىْ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: اَلَاتَسْأَلُوْنِىْ مِمَّ اَضْحَكُ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ قَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوْا: مِمَّ تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّىْ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ: اِنِّى لَااَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّىْ عَلٰى مَا أَشَاءُ قَادِرٌ (مسلم عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے آخر میں جو جنت میں جائے وہ ایک شخص ہوگا جو کبھی چلے گا کبھی اوندھا گرے گا اور کبھی جہنم کی آگ اس کو جلائے گی پھر جب دوزخ سے پار ہو جائے گا تو مڑ کر اس کو دیکھے گا اور کہے گا بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا نہ اگلوں میں نہ پچھلوں میں۔ پھر اس کو ایک درخت دکھلائی دے گا، وہ کہے گا اے پروردگار! مجھ کو اس درخت کے نزدیک کر دے کہ میں اس کے سایہ میں رہوں اور اس کا پانی پیوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! شاید اگر میں تیری یہ حاجت پوری کر دوں تو تو اور سوال کرے۔ وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب، اور وہ وعدہ کرے گا کہ پھر میں کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرلے گا اس لیے کہ وہ ایسی نعمت کو دیکھے گا جس پر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے نزدیک کر دے گا وہ اس کے سائے میں رہے اور وہاں کا پانی پیئے گا۔ پھر اس کو ایک درخت دکھلائی دے گا جو اس سے بھی اچھا ہوگا، وہ کہے گا اے پروردگار! مجھ کو اس درخت کے نزدیک پہنچادے تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کے سائے میں رہوں، میں اس کے علاوہ تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں پھر کچھ

Marfat.com

نہیں مانگوں گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ شاید اگر میں تجھے اس کے نزدیک کر دوں تو تو اور بھی سوال کرے۔ وہ وعدہ کرے گا کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ سوال نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معذور رکھے گا اس لیے کہ اس کو اس نعمت پر صبر نہیں ہوتا جو دیکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کر دے گا وہ اس کے سائے میں رہے گا اور وہاں کا پانی پئے گا۔ پھر اس کو ایک درخت دکھائی دے گا جو جنت کے دروازے پر ہوگا اور وہ پہلے کے دونوں درختوں سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا اے میرے ربّ! مجھے اس درخت کے پاس پہنچا دے تاکہ میں اس کے سایہ تلے رہوں اور وہاں کا پانی پیوں اب میں اور کچھ سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! کیا تو وعدہ نہیں کر چکا تھا کہ اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ وہ کہے گا بے شک میں وعدہ کر چکا تھا لیکن اب میرا یہ سوال پورا کر دے پھر میں اور کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معذور رکھے گا اس لیے کہ وہ ایسی نعمتوں کو دیکھے گا جن پر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس کر دے گا۔ جب وہ اس درخت کے پاس جائے گا تو جنت والوں کی آوازیں سنے گا اور کہے گا اے رب میرے مجھ کو جنت کے اندر پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! تیرے سوال کو کونسی چیز تمام کرے گی؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے ساری دنیا کے برابر دوں اور اتنا ہی اور دوں۔ وہ کہے گا اے ربّ میرے! تو مجھ سے ٹھٹھا کرتا ہے سارے جہاں کا مالک ہو کر۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے اور لوگوں سے کہا تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں ہنستے ہو؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح (اس حدیث کو بیان کر کے) ہنسے تھے لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنستے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ربّ العالمین کے ہنسنے سے، اس بندے کی اس بات پر کہ ”تو مجھ سے ٹھٹھا کرتا ہے سارے جہاں کا رب ہو کر“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں ٹھٹھا (اور مذاق) نہیں کرتا بلکہ میں جو چاہتا ہوں کر سکتا ہوں۔“

Marfat.com

باقی تمام انسانوں کا معاملہ ان مثالوں کے درمیان میں کہیں ہوگا۔قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جہنم بہر حال جہنم اور آگ ہے کوئی ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا تو وہ اس کی ہولناکی اور شدت کا تجربہ کرے گا ہی ـــــ جہنم ایسی بری جگہ ہے کہ جو آدمی عارضی طور پر (سورۃ الفرقان) جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کی برائی سے پناہ مانگے گا۔

اللهم اجرنا من النار اللهم انا نعوذ بك من النار

2 شفاعت روزِ جزا میں جیسے ہی اس طبقہ کے افراد سامنے آئیں گے اور ان کو کسی جگہ اکٹھا کیا جائے گا ـــــ یہ وقت قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں جس شفاعت حقہ کا ذکر ہے اس کے ظہور کا موقع ہوگا ـــــ یہ شفاعت کئی مراحل میں ہوگی۔

اس زمرہ کے اہل ایمان کے معاملے میں پہلا مرحلہ ہمارے نزدیک یہ ہوگا کہ ان شفاعت کے مستحق اہل ایمان کے کئی گروہ بن جائیں گے پہلا گروہ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کی نیکیوں کی کمی یا گناہوں کی زیادتی کا معاملہ بڑا ہلکا اور فرق بہت معمولی ہوگا اور سب سے آخر میں وہ گروہ ہوگا جن کا معاملہ سنگین اور نیکیوں، بدیوں کا فرق بہت زیادہ ہوگا۔

(ا) سب سے پہلے وہ اہل ایمان ہوں گے جو نیکیوں کی کمی (اور گناہوں کی زیادتی) کی وجہ سے الگ تو کر دیے جائیں گے مگر ان کا یہ معاملہ بڑا ہلکا ہوگا اور ان کا فیصلہ مؤخر کر دینا اور ذرا انتظار اور عارضی طور پر دوزخ میں ڈالے جانے والے اہل ایمان کے زمرے میں شامل کر دینا (قیامت کے پچاس ہزار سال کے دن میں کچھ عرصہ آج کے کئی سو سال کے برابر ہوگا) ہی ان کے لئے سزا کافی ہوگی۔اس دوران ان اہل ایمان کی آہ وزاری اور گریہ ہی ان کے لئے تلافی کا سبب بن جائے گا۔غالباً یہی لوگ کسی 'ہمدردانہ' (SYMPATHETIC) فیصلے کے انتظار میں 'اعراف' پر ہوں گے اور جنت کی آرزو کر رہے ہوں گے جبکہ جہنم سے پناہ مانگ رہے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ازخود اپنے اندازِ خسروانہ (جو اسی ذات حق تعالیٰ کے شایانِ شان ہوگا) کے تحت معاف فرما کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ان اصحاب اعراف کا ذکر سورۂ اعراف میں وارد ہے۔

(ب) اس زمرہ کے اہل ایمان کو دوزخ میں ڈالا جانے والا ہوگا تو کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جن کے معاملات (CASES) اصحاب الاعراف کے زمرے میں نہ آئے ہوں گے

Marfat.com

مگر بہت زیادہ سنگین اور پیچیدہ بھی نہیں ہوں گے اُن کے لئے جہنم کے داخلے کے وقت ہی شفاعت خصوصی کا اہتمام ہو جائے گا۔ اس شفاعت کا مرحلہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہوگا اور ان کا بہت بڑا اعزاز ہوگا اور انہیں کے شایانِ شان ہوگا کہ اپنے بعض مخلص اُمتیوں کو دوزخ سے بچالیں جن کے خلوص میں شک نہیں مگر اعمال صالحہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ایسے لوگوں کا اس شفاعت سے پہلے اہل النار کے زمرے میں شمولیت، فیصلے کا اعلان، جہنم کے لئے لے کر روانگی، جہنم کے دروازے پر داخلے کی کاروائی کا آغاز ــــــــ یہ کوفت اور احساس محرومی اور اس موقع پر گریہ وزاری ہی ان کے لئے سزا شمار ہوگی۔ (جیسے آج بھی بعض بڑے باحیثیت مجرموں کو تنبیہاً برخواست عدالت تک سزا ہو جاتی ہے۔ ان کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے یہی سزا ان کے لئے کفایت کرتی ہے۔)

(ج) اس کے بعد باقی سب لوگ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے اور اپنے اپنے حصے کی سزا بھگتیں گے چونکہ ہر معاملہ اربہا ارب انسانوں کا ہوگا لہٰذا اپنی سزا بھگت کر نکلنے والوں کی ہر روز ایک لمبی فہرست ہوگی جو کسی مقام پر اہتمام سے آویزاں کی جائے گی۔

جن اہل ایمان کی سزا ایک خاص (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا ہوگی) مدت سے کم رہ جانے والی ہوگی (جیسے دنیا میں جیلوں سے سزائیں کاٹ کر آنے والے حضرات کے رہا ہونے کی تاریخ سے بہت پہلے ان کے لواحقین ان کی رہائی کے مراحل بآسانی طے کرانے اور ان کی دلجوئی کے لئے کافی پہلے سے تگ ودو میں لگ جاتے ہیں) ان کی فہرستیں بھی الگ الگ مواقع کے اعتبار سے آویزاں ہوگی۔

اس مرحلہ پر وہ شفاعت کا عمومی مرحلہ سامنے آئے گا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام اولیائے کرام، بزرگانِ دین، اچھے مسلمان، والدین حفاظ کرام وغیرہ شفاعت کریں گے۔

(د) ان خلاصی پانے والوں کو اہل جنت ان فہرستوں کو دیکھ کر اور اپنے آدمی پہچان کر شفاعت کر کے اپنی ضمانت پر رہا کرالیں گے۔ کسی شہید کی سفارش پر ایک سال کی سزا معاف ہو سکے گی تو حافظ قرآن کی سفارش پر نو ماہ کی۔ کسی صدیق کی سفارش پر 10 سال کی سزا معاف ہو سکے گی تو کسی صحابی کی سفارش پر دو چار سو سال کی سزا بھی قابل معافی ہو جائے گی۔

Marfat.com

(۶) حدیث پاک میں ہے ان رہائی پانے والوں کو جو آگ میں جلے ہوئے ہوں گے ان کو ایک خاص جگہ ان کی صحت یابی تک رکھا جائے گا اور اس کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

جس شخص کا ذکر اوپر حدیث پاک کے حوالے سے آیا ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے آخری شخص ہوگا جو اس طرح جہنم سے خلاصی پائے گا اس کے معاملے پر غور کر کے باقی کم سزا پانے والوں کو بھی قیاس کر لینا چاہیے۔

خلود فی النار کی سزا صرف کافروں کے لئے ہے

آسمانی ہدایت سے اعراض، انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے روگردانی، ضمیر اور فطرت کی رہنمائی سے چشم پوشی اور مردہ ضمیری والے حضرات کے لئے قیامت کے دن دوزخ کی سزا ہوگی اور یہ سزا ـــــ ہمیشہ ہمیش کی ہوگی کہ اس دوزخ سے اب نکلنا نہیں ہے (اہل ایمان کے تیسرے زمرے کے لوگ ان سے مختلف ہوں گے کہ انہیں ایک معین سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔)

آرزو ـــــ اور ـــــ دعا

الحمدللہ آج ہم مسلمان ہیں اور کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے دعویدار ہیں، قرآن کو تسلیم کرتے ہیں، آخرت کو مانتے ہیں، ایمان کی تفصیلات کو بھی قبول کرتے ہیں، اس کا اقرار کرتے ہیں اور اسی کو دل سے صحیح سمجھتے ہیں۔ دِلوں کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ہم میں سے بعض قیامت کے دن پہلے درجے میں جنّت میں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے 'مقرّبین' کے بارے میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (56:13-14)

"وہ بہت زیادہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے"

اسی طرح ہزاروں خوش نصیب ہوں گے جو دوسرے مرحلہ پر ہی سہی ـــــ سرخرو ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل آئی ہے یہی دو گروہ وہ اصلاً کامیاب ہیں اور زیادہ خوش نصیب اہل جنت ہیں کہ دوزخ کا منہ دیکھے بغیر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

Marfat.com

آج ہمیں اسی کی دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہیں دوزُمروں میں سے کسی میں شامل فرمادے آمین اور ہمیں اسی آرزو کے مطابق اپنے اعمال اور مصروفیات کو ترتیب دینا چاہیے اور زندگی گزارنی چاہیے۔ تاہم کفار کو 'خلود فی النار' کی سزا ہوگی وہ جہنم میں جائیں گے اور وہاں سے باہر آنا نصیب نہیں ہوگا وہیں بھسم ہوجائیں گے۔ کفار کے مقابلے میں بہرحال ــــــ تیسرے زمرے کے اہل ایمان جہنم سے نکل کر جنت میں داخلے کے وقت اپنے آپ کو بہت خوش نصیب اور قسمت کے دھنی ہی تصور کریں گے۔

ہمارے لئے بھی یہی انداز اور سوچ سب سے اچھی ہے کہ آرزو تو اعلیٰ ترین کی کرنا ضروری ہے اس کے لئے دُعائیں کرنا چاہئے مگر دل میں رہے کہ اگر تیسرے زمرے میں بھی شامل ہوکر بالآخر جنت پہنچ گئے تو یہ بھی کفار کے مقابلے میں بہت اچھا معاملہ ہوگا۔ انگریزی محاورہ ہے

HOPE FOR THE BEST AND BE PREPARED FOR THE WORST.

کرنے کا اصل کام ــــ سچی توبہ

موت سے پہلے موقع ہے ہم اچھے اعمال کرکے جنت میں بلاحساب داخلے کے مستحق افراد میں شامل ہوسکیں تو کیوں نہ اس کی کوشش کی جائے۔ اس انتظار میں کیوں زندگی گزاری جائے کہ یہاں عیش کرو کوئی ہمیں سفارش کرکے دوزخ سے نکلوا ہی لے گا۔ یہ طرزِ فکر ایک غیر صحت مند سوچ کا عکاس ہے۔ صحیح ایمانی سوچ یہی ہوسکتی ہے کہ ابھی ہم زندہ ہیں توبہ کرتے ہیں دین پر عمل کرتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کی زندگیوں کا اتباع کرتے ہیں اور سرتوڑ کوشش کرتے ہیں کہ پہلے یا دوسرے درجے میں جنت میں جانے والوں میں سے بن جائیں اور خود بھی جنت میں جائیں اور بہت سے دوسروں کو اپنی سفارش سے دوزخ سے نکال کر اپنے ساتھ جنت لے جائیں۔

موت سے پہلے توبہ ہوسکتی ہے توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے اور اس اعلیٰ درجے کی کامیابی کا راستہ کھلا ہے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (ابن ماجہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

"گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی فراخدلانہ پیش کش اور شاہانہ وعدہ (OFFER) ہو کہ سب سابقہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور ہم فائدہ نہ اُٹھا سکیں یہ ہماری محرومی اور بدنصیبی ہی ہوگی۔

دنیاوی نعمتیں اور اُخروی نعمتیں

آخرت کی بعض باریک باتوں کے فہم کے لیے اس بات کو مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ آج اس دنیا میں ہر شخص کو کئی نعمتیں میسر ہیں مگر یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر (کم یا زیادہ) دی گئی ہیں بعض اشخاص کو ایک قسم کی نعمت سے محروم کر دیا گیا تھا مگر ایک دوسری نعمت عطا کی گئی ہے۔ ایسی ہی بعض نعمتیں آخرت میں بھی انسان کو میسر آئیں گے مگر وہاں یہ نعمتیں چونکہ اعمال کے حساب کتاب کے بعد بطور جزا و سزا یا بطور انعام میسر آئیں گی لہٰذا وہاں کی زندگی اور اس کی نعمتیں دائمی ہوں گی۔ چند مثالوں سے بات زیادہ واضح ہوگی۔

(i) چہرے کا رنگ...... انسانی رنگت ہر انسان کی زندگی میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ گورا رنگ اور کالا رنگ دو انتہائی صورتیں ہیں۔ پھر یہ احساس بھی انسان کو ہے ایک رنگ اچھا ہے باوقار شمار ہوتا ہے لوگوں میں عزت ہوتی ہے اور دوسرا رنگ بالعموم پسند نہیں کیا جاتا ہے اور کم تر شمار ہوتا ہے۔ اس دنیا میں چمڑی کی رنگت (SKIN COLOR) بطور آزمائش ایک نعمت دی گئی ہے بطور استحقاق نہیں ہے۔ یہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور مختصر ہے اصل زندگی آخرت کی ہے اور وہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ لہٰذا یہاں اچھا رویّہ اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ رویّہ یہ ہے کہ گورے رنگ اور کالے رنگ کی بحث میں نہ پڑا جائے اور ہر انسان کو عزت دی جائے انسان سمجھا جائے اور برابر سمجھا جائے آخرت میں رنگت کی بنیاد پر نہیں اعمال کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔ آخرت میں بھی ہر انسان کو چہرے کا ایک رنگ عطا ہوگا سفید یا سیاہ مگر وہاں یہ فیصلہ کہ کس کو کونسا رنگ ملے گا آج کی انسانی زندگی کے اعمال اور رویّوں کے مطابق ہوگا جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کو سفید رنگ عطا ہوگا اور جو لوگ من مانی کرتے ہیں، ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتے ہیں بے حیائی کے کام کرتے ہیں ظلم کرتے ہیں بے انصاف ہیں ان کو سیاہ رنگت عطا ہوگی۔

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

Marfat.com

جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِكُمۡ

تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟

فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ O (106:03)

سو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ O

اور جن لوگوں کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔(107:03)

(ii) عزت اور وقار یہاں دنیا میں بہت سے لوگوں کو عزت و وقار حاصل ہے اور بعض لوگ نسبتاً کمزور، ماتحت، محکوم اور کمتر ہیں۔ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے یہاں کا بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں ہے اور یہاں کا غلام حقیقی غلام نہیں ہے یہ تو آزمائش کا مرحلہ ہے اور ڈرامے کے کرداروں کی طرح ایک کردار ہے جو ہر شخص کو دے دیا گیا ہے کسی کو بادشاہ کسی کو وزیر کسی کو عورت اور کسی کو مرد بنا دیا گیا ہے جبکہ آخرت میں عزت و وقار کردار کی بنیاد پر اور اعمال کی بنیاد پر الاٹ (ALLOT) ہوگا اور انسان کو میسر آئے گا۔ جنت میں با کردار لوگ بھیجیں جائیں گے اور انہیں عزت و وقار ملے گا اُولٰٓئِكَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّكۡرَمُوۡنَ (70-35) وہ لوگ جنت میں بہت باعزت ہوں گے۔ اور آج کے بدکردار ظالم، سفاک، بے حیا اور خدا ناشناس لوگ کل جہنم میں ڈال کر ذلیل کر دیے جائیں گے (عذابٌ مهینٌ)۔ وہاں بھی عزت و ذلت ہوگی مگر اعمال کے نتیجہ کے طور پر یعنی سزا و جزا کے طور پر۔

جنّت کا تصوّر ـــــ غلمان

قیامت کے دن انسانی معاملات میں تفاوت زیادہ ہوگا اور قرآن پاک میں ذکر صرف دو جنّتوں کا ہے لہٰذا ایک تقسیم تو براہ راست جنّت میں جانے والے انسان مقربین یا اصحاب المیمنہ کی حیثیّت سے جنّت میں جائیں گے اور دوزخ میں سزا بھگت کر جنت میں جگہ پانے والے

Marfat.com

اہل ایمان اپنے اعمال کے درجے کے مطابق اعلیٰ جنت یعنی مقرّبین کے ساتھ جگہ پائیں گے یا اصحاب الیمین کے ساتھ۔ اسی طرح کافروں کے معصوم بچے جو فوت ہو گئے یا بعض دیگر اقسام کے معاملات (CASES) کے انسانوں کو غلمان بنا کر، جنّت کے اصل حق دار کے طور پر نہیں بلکہ 'خادم' کے طور پر مقرّبین کی جنت میں یا اصحاب الیمین کی جنت میں جگہ دی جائے گی۔

دنیا میں شاہی محل میں تو اصلاً صرف بادشاہ ہی رہتا ہے اور اپنے اعلیٰ مرتبے کے مطابق سہولتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے مگر اسی اعلیٰ درجے کے ماحول میں اس کی بیوی بچے اور ملازمین بھی ہوتے ہیں گھر کے خادم، نوکر، دھوبی اور خاکروب بھی اسی شاہی محل کی سہولیات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

اچھا انسان وہ ہے جو پوری زندگی اعلی درجے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق حضرت محمد ﷺ کا کہنا مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں درج ذیل آیت کا مصداق بنائے

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (185:03)

''تو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ مراد کو پہنچ گیا''

اور اعلیٰ جنتوں میں جانے والا بنا دے آمین۔ اگرچہ شفاعت کے بعد تیسرے زُمرے میں کامیابی بھی 'خلود فی النار' کے مقابلے میں بہت بڑی کامیابی ہے۔

حاصل کلام

- آج کا عزت و وقار اور گورا رنگ عارضی ہے اور اچھے اعمال کے نتیجے میں ملنے والی نعمتیں لازوال ہوں گی آج ہمیں اپنے رنگ نسب، قسمت مقدّر، مال و دولت کی کمی پر پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اچھے اعمال کی طرف توجّہ کرنا چاہیے اور اگر یہ نعمتیں میسّر ہیں تو دین پر چلتے ہوئے ان کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ چاہتے ہیں۔ تاکہ مرنے کے بعد یہ نعمتیں ہم سے زائل نہ ہو جائیں۔
- جہنم سے چھٹکارا پا کر جنّت میں جانے والے خواتین و حضرات کو اللہ تعالیٰ مقرّبین اور اصحاب الیمین کے درجے کی دو جنّتوں میں کس طرح اور کس ترتیب سے داخل فرمائیں گے یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے اور کوئی زیادہ علم والا ہی بہتر بتا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

Marfat.com

انجمن خدام القرآن جھنگ
رجسٹرڈ

انجمن کے مقاصد

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت
جو قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم کو اپنا مقصد زندگی بنالیں

اور ایک ایسی

قرآن اکیڈمی

کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو
وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے

اَلسَّعْیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللہ

Marfat.com

تعمیر سیرت و کردار

سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کا فلسفہ

(چند مضامین اور خطبات)

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

Marfat.com